

خانوادہ نبوت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات، صاحبزادوں اور صاحبزادیوں، نواسوں،
نواسیوں اور جملہ اہل بیت کا دلکش، معلومات افزا اور ایمان افروز مفصل و مدلل تذکرہ

تذکرہ اہل بیت اطہار ﷺ



مولانا محمد عبدالمعبود

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾
(القرآن)

تذکرہ اہل بیت اطہار علیہم السلام

خانوادہ نبوت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات، صاحبزادوں
اور صاحبزادیوں، نواسوں، نواسیوں اور جملہ اہل بیت کا
دلکش، معلومات افزا اور ایمان افروز مفصل و مدلل تذکرہ

مؤلف

مولانا محمد عبدالمجید

الفتح پبلی کیشنز ♦♦♦
راولپنڈی

انتساب

فخر کون و مکاں، سلطان زمین و زماں، سید الاولین و الآخرین

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و اصحابہ وازواجہ و ذریاۃہ واتباعہ اجمعین

کے نام نامی اسم گرامی سے اس حقیر سی خدمت کو منسوب کرتا ہوں،

جن کی سچی محبت اور کامل اتباع سے خاندانوں، قبیلوں اور قوموں کو دینی،

دنئی اور اخروی سعادت، عظمت اور فلاح و کامرانی حاصل ہوئی۔

بندہ بیہ نوا

محمد عبدالمعجود عفا اللہ عنہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

اشاعت اول ۲۰۱۰ء

۲۹۷۶۳

م ح م محمد عبدالمعجود، مولانا

تذکرہ اہل بیت اطہار / مولانا محمد عبدالمعجود - راولپنڈی: الفتح پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء

۳۲۸ ص

۱۔ محمد - اصحاب

297.64

MUH Muhammad Abdul Ma'bood, Maulana

Tazkara Ahl e Bait Athaar / by Maulana Muhammad Abdul

Ma'bood.- Rawalpindi: Al-Fath Publications, 2010

328 p.

ISBN 978-969-9400-03-2

1. Muhammad - Companions

■ + 92 322 517 741 3

■ alfathpublications@gmail.com

الفتح پبلی کیشنز

distributor

VPrint Book Productions

• + 92 51 581 479 6

• + 92 300 519 254 3

• vprint.vp@gmail.com

• www.vprint.com.pk

فہرست

۹	مؤلف کا سوانحی خاکہ
۱۳	نگاہ اولیں
	آل اور اہل بیت کی توضیح
۱۹	آل کی لغوی تحقیق
۲۱	”آل“ قرآنی تاثر میں
۲۳	آل رسول ﷺ
۲۳	اہل کا مصداق
۲۸	قرآنی تصریحات
۲۹	احادیث کے آئینہ میں
۳۱	آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۳۵	ہر مقلی آل ہے
۳۶	آل، وہ جن پر صدقہ حرام
۳۹	حدیث کساء
۴۱	علامہ شوکانی کی تصریحات
۵۰	مفسرین کی تصریحات
۵۵	محدثین کی تصریحات
۵۹	قول فیصل

خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام
آیۃ تطہیر کا مصداق
عترت رسول ﷺ

۶۳
۶۶
۷۷

آل بیت نبوی

اقسام آل
نبوی

عبدالمطلب بن ہاشم
حارث بن عبدالمطلب
سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ
ابولہب بن عبدالمطلب
سیدنا عباس بن عبدالمطلب
فضل بن عباس رضی اللہ عنہ
عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
تھم بن عباس رضی اللہ عنہ
عبد اللہ بن عباس
ابوطالب بن عبدالمطلب
طالب
عقیل
جعفر الطیار رضی اللہ عنہ
سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
محمد بن حنفیہ
امہانی رضی اللہ عنہا
جنانہ بنت ابوطالب

۸۵
۸۶
۸۶
۸۶
۸۸
۹۰
۹۰
۹۵
۹۵
۹۶
۹۶
۹۹
۱۰۳
۱۰۳
۱۰۴
۱۰۷
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۶

سید عالم ﷺ کے ماموں
علی بن عبد اللہ
عباس بن عبد اللہ

۷
۱۱۷
۱۱۷
۱۱۸

آل بیت سکنی

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین سیدہ سوہہ رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا
سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

۱۲۱
۱۳۹
۱۵۲
۱۶۰
۱۶۶
۱۶۹
۱۷۹
۱۹۵
۲۰۲
۲۰۷
۲۱۸
۲۲۲

آل بیت ولادت

شاہ کوئین ﷺ کی شہزادیاں
شہزادی زینب رضی اللہ عنہا
شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا
سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا
سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

۲۲۹
۲۲۹
۲۳۷
۲۳۳
۲۶۰

نبی ﷺ کے شہزادے

۲۸۳

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

۲۸۳

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

۲۸۳

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

۲۸۴

شاہ کونین ﷺ کے نواسے، نواسیاں

۲۸۹

نواسہ رسول علی بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ

۲۹۱

نواسی رسول امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہا

۲۹۲

نواسہ رسول عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ

۲۹۳

نواسہ رسول حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

۲۹۳

نواسہ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

۲۹۷

امام زین العابدینؑ

۲۹۸

نواسی رسول سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؑ

۲۹۹

نواسی رسول سیدہ زینبؓ بنت علیؑ

۳۰۱

حواشی

۳۰۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مؤلف کا سوانحی خاکہ

راولپنڈی سے جنوب کی جانب علاقہ پوٹھوہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں ”بارغ فقیر“ میں مقیم راجپوت خاندان کی ایک نامور شخصیت مولوی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ۵ جولائی ۱۹۳۶ء/ ۱۳۵۵ھ کو ایک بچے کی ولادت ہوئی۔ والد گرامی قدر نے نام ”عبدالمعبود“ رکھا۔ بعد میں ایک اللہ والے بزرگ نے اس کی ابتدا میں ”محمد“ کا اضافہ فرما دیا، اس طرح پورا نام محمد عبدالمعبود قرار پایا۔

والد گرامی قدر قطب الاقطاب سیدی و مولائی حسین علی نور اللہ مرقدہ، واں پھر اں، ضلع میانوالی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ شیخ کی تعلیمات اور روحانی فیض سے اللہ تعالیٰ نے شرک و بدعت سے سخت متنفر بنا دیا اور اتباع سنت ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی۔ سخت مخالفت اور نامساعد حالات کے باوجود توحید و سنت کی تبلیغ میں مصروف رہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو ماہ راست پر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

راقم الحروف کے دو بڑے بھائی بھی تھے۔ والد صاحب نے انہیں بھی دینی تعلیم دلانے کی کوشش کی، لیکن پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نے ناظرہ قرآن مجید والد بزرگوار سے پڑھا۔ ٹل تک تعلیم ہائی سکول بندہ، ضلع راولپنڈی سے حاصل کی۔ ۱۹۵۱ء/ ۱۳۷۱ھ میں علاقہ سواں، اڈیالہ روڈ پر واقع موضع ”ٹھٹھہ“ کی معروف علمی شخصیت حضرت مولانا احمد دین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علوم اسلامی کے حصول کی غرض سے حاضر ہوا۔ دو سال ان سے علمی استفادہ کیا۔ فارسی میں کریم، شیخ عطار، گلستان سعدی، بوستان سعدی، اور فقہ میں نور الایضاح اور مالا بد مند، اور صرف میں قانونچہ زرا دی، زمینانی اور مراح الارواح پڑھیں۔ مولانا موصوف نے بڑی محنت اور حسن تدبیر سے قانونچہ مرتب فرمایا تھا، جس میں صرف کے علاوہ نحو کے بھی بہت سے

اہم اور مفید قواعد حسن انداز سے سمودیتے تھے۔

۱۹۵۳-۵۵ء/۱۳۷۳-۷۴ھ میں موضع بھیس، ضلع چکوال میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ مولانا خلیل الرحمن ہزاروی سے فتون اور فقہ کی کتب پڑھیں۔ بعد ازاں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان برواد اللہ مضجع سے دورہ تفسیر قرآن پڑھا، پھر بقیہ علوم دارالعلوم تعلیم القرآن میں حاصل کیے اور ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ میں سند فراغ حاصل کی۔

۱۹۶۰ء/۱۳۷۹ھ میں قطب الزماں، مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری طیب اللہ شراہ و جیل الجبہ ماواہ سے شرف بیعت حاصل ہوئی، اور مرشد کے رحلت فرما جانے کے بعد ان کے جانشین اور خلف الرشید حضرت مولانا عبید اللہ انور نور اللہ مرقدہ سے سلوک کی تکمیل کی اور بوساطت صوفی کامل حضرت محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کے اجازت کی خلعت سے نوازا۔

۱۹۶۳ء/۱۳۸۳ھ میں جامع مسجد پھولوں والی، رحمن پورہ، راولپنڈی میں امامت و خطابت کی خدمت کا موقع اللہ نے دیا۔ اگرچہ ۱۹۹۶ء میں اوقاف کی ملازمت سے ریٹائر ہو گیا، مگر اہل محلہ کے شدید اصرار کے باعث یکم دسمبر ۲۰۰۶ء تک یہ خدمت انجام دیتا رہا۔ اسی اثنا میں ۱۹۶۸ء/۱۳۸۷ھ کو جمعیت علماء اسلام میں شمولیت اختیار کی، جس کے اس وقت امیر، سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ تھے۔ اسی سال یعنی ۱۹۶۸ء میں علوم جدیدہ میں میٹرک اور علوم شرقیہ میں فاضل فارسی کے امتحانات میں کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

جمعیت علماء اسلام میں شمولیت کے بعد ملک میں پاپا ہونے والی تمام مذہبی اور سیاسی تحریک میں بھرپور حصہ لیا، مثلاً ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ میں بحال جمہوریت، ۱۹۷۴ء/۱۳۹۳ھ میں تحریک ختم نبوت اور ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ میں تحریک نظام اسلام وغیرہ۔

۱۹۷۴ء/۱۳۹۳ھ میں پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت سے سرفراز فرمایا، جس کے باعث ان مقدس مقامات کی تاریخ لکھنے کا شوق دل میں شعلہ نوا ہوا۔ چنانچہ سفر حج سے واپسی پر تاریخ ”مدینۃ المنورہ“ لکھی، جو اب تک بحمد اللہ ہزار ہا کی تعداد میں چھپ چکی ہے، اور اب اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن بھی طبع ہو گیا ہے۔ ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ میں دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کے دوران بعض مقتدر شخصیات سے مکہ مکرمہ اور حرم شریف سے متعلق تاریخی دستاویز حاصل کیے اور اس موضوع پر بعض نادر تاریخی کتب خرید لیا، اور تاریخ مکتبہ المکرمہ کی تدوین میں

مصروف ہو گیا، جس کی ضخیم دو جلدیں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ تیسری جلد، جو نظام تعلیم پر تھی اور عرصہ تک طبع نہ ہو سکی تھی، اب مکتبہ رحمانیہ نے تینوں جلدیں یکجا بعد اضافہ کے شائع کر دی ہیں۔

۱۹۸۰ء/۱۴۰۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ فقید المثل تاریخی کانفرنس میں پاکستان کے پانچ سوچید علماء کرام کی جماعت کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا، جہاں کانفرنس میں شرکت کے علاوہ دارالعلوم دیوبند، سہارنپور اور دہلی کی شہرہ آفاق اسلامی درسگاہوں میں حاضری دی۔ دہلی کے عجوبہ روزگار تاریخی مقامات دیکھے، متعدد اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوا اور بعض تاریخی کتابوں کا ذخیرہ بھی حاصل کیا۔ ۱۹۸۶ء/۱۴۰۶ھ کو دہلی میں ”شیخ الہند سمینار“ میں شرکت کی اور آگرہ کے تاریخی مقامات بھی دیکھے۔

۱۹۸۳-۸۴ء/۱۴۰۳-۰۴ھ میں اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت عطا فرمائی۔ اس سفر کے دوران بعض قدیم اور نایاب تاریخی کتب حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، جن کی روشنی میں ”تاریخ مدینۃ المنورہ“ کی تدوین جدید کی۔ پہلے اس کے ۳۸۰ صفحات تھے اور اضافہ کے بعد ۶۸۰ صفحات ہو گئے ہیں۔ بعد میں بھی اللہ تعالیٰ نے حج و عمرہ کی سعادت بار بار نصیب فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائی ہیں۔ بحمد اللہ چاروں حافظ، قاری اور عالم ہیں۔ بیٹے اپنے مدرسہ جامعہ قاسم العلوم میں اور بیٹیاں جامعہ عائشہ صدیقہ میں تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

اب تک مطبوعہ کتب حسب ذیل ہیں:

- ۱- تاریخ مدینۃ المنورہ
- ۲- تاریخ مکتبہ المکرمہ
- ۳- عمدۃ المناہک
- ۴- شمائل و خصائل نبوی
- ۵- سوانح شیخ القرآن
- ۶- نماز کی مکمل کتاب
- ۷- خواتین کی نماز
- ۸- مسائل میت
- ۹- مسلک السادات فی الدعاء بعد المکتوبات
- ۱۰- خواتین کا حج و عمرہ
- ۱۱- عبد نبوی میں نظام تعلیم
- ۱۲- سیرت امہات المؤمنین
- ۱۳- سیرت سید الشہداء سیدنا حمزہ

- ۱۳۔ مسواک کی فضیلت
 ۱۶۔ شاہ کوئین کی شہر ادایاں
 ۱۸۔ ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت
 ۲۰۔ عظمت والدین
 ۱۵۔ خواتین کا فقہی انسائیکلو پیڈیا
 ۱۷۔ بچوں کا اسلامی انسائیکلو پیڈیا
 ۱۹۔ تذکرہ اہل بیت اطہارؑ
 ۲۱۔ خلقِ عظیم

نگاہِ اولیں

محمد عبدالمجید وعفا اللہ

۱۸ اگست ۲۰۰۶ء

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، اَمَّا بَعْدُ:
 اللہ رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر اُن کی قلبی تسکین اور اُنس و
 مودت کے لیے حضرت حوا کو پیدا فرمایا، پھر اُن کی اولاد کا سلسلہ قائم فرمایا۔

الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا رَوْحَهَا وَنَسَّ مِنْهُمَا
 رَجُلًا كَثِيرًا وَنِسَاءً. (سورة النساء: ۱)
 ترجمہ: جس نے تم کو پیدا کیا ایک شخص سے، اور اسی سے پیدا کیا اس کے جوڑے کو، اور ان
 دونوں سے پھیلا یا بہت سے مردوں اور عورتوں کو۔

جب سیدنا آدم اور سیدہ حوا کی اولاد کی تعداد بڑھ گئی اور زمین کے مختلف حصوں میں پھیل
 گئی تو اُن کی باہمی پہچان اور رابطہ کی خاطر اللہ جل مجدہ نے انہیں قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کر
 دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
 لِتَعَارَفُوا. (سورة الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہاری مختلف
 قومیں اور خاندان بنائے، تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔
 چنانچہ شعب اور قبائل کا سلسلہ جاری رہا، جن میں انبیاء و اولیاء، سلاطین و رؤساء اور مختلف
 انواع و اقسام کے لوگوں کا تعارف قبائل ہی کے ذریعے ہوتا رہا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله خلق الخلق فجعلني من خير فرقهم، وحيّر الفرقين، ثم

خَيْرِ الْقِبَالِ فَيَجْعَلُنِي مِنْ خَيْرِ الْقَبِيلَةِ، ثُمَّ خَيْرِ الْبُيُوتِ، فَيَجْعَلُنِي مِنْ خَيْرِ بُيُوتِهِمْ، فَاَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بَيْتًا. (سنن ترمذی، ج ۳، ص ۲۰۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، اور مجھے ان میں سے بہترین فرقے میں پیدا کیا۔ پھر وہ فرقوں کو پسند کیا، پھر قبیلوں میں سے پسند کیا اور مجھے بہترین قبیلہ میں کیا۔ پھر گھروں کو چنا اور مجھے ان میں سے بہترین گھر میں پیدا کیا۔ چنانچہ میں ان سے ذات میں بھی بہتر ہوں اور گھرانے میں بھی۔

اللہ جل مجدہ نے جس طرح آپ ﷺ کے خاندان کو دینی و دنیوی سیادت و قیادت سے سرفراز کیا، آپ ﷺ کے گھرانے کو بھی دنیا جہان کے گھرانوں میں افضل، معزز اور اشرف بنایا۔ چونکہ خاندان متعدد افراد پر مشتمل ہوتا ہے، جس میں نسب، صلی سب افراد پائے جاتے ہیں، خاندان میں مورث اعلیٰ اور جد اعلیٰ کے افکار و نظریات کے ہم نوا بھی اور اس کے مشن اور کام سے اختلاف رکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔ ان کی کسی عملی یا نظریاتی لغزش کے باعث انہیں خاندان کی فہرست سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ انعامات، اکرامات اور نوازشات کی بارش اطاعت گزار اور نظریاتی ہم آہنگی رکھنے والے افراد پر ہی ہوا کرتی ہے۔

جس خانوادہ کا تذکرہ پیش نظر ہے، اُس کے مورث اعلیٰ اور جد اعلیٰ ”ہاشم“ ہیں۔ لیکن اُن کا تعارف سید کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ”عظیم نسبت“ سے کرانا چاہیں گے، اور اس معروف اصطلاح ”خاندان“ کے بجائے ”آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ اور ”اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ جیسی پاکیزہ اور ارفع نسبت سے تذکرہ کیا جائے گا۔

ہم نے قرآن و حدیث کے تناظر میں دیکھا ہے کہ ”آل اور اہل بیت“ کا استعمال کن معنوں میں ہوا ہے، اور ”آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ اور ”اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ کن خوش نصیب، ذی وقار اور محترم ہستیوں کو قرار دیا گیا ہے۔ ”سیرت اہل بیت اطہار“ میں اس پر مفصل اور مدلل بحث کی گئی ہے، جس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لفظ ”آل“ اپنے وسیع تر معنوں میں سرور و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان، ازواج مطہرات، اولاد اطہار، صحابہ کبار اور ہر پرہیزگار متقی امتی پر محیط ہے، جبکہ ”اہل بیت“ کی حقیقی اور اصلی مصداق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں، اور انہی کی اولاد، یعنی چاروں صاحبزادیاں بھی ان کے ساتھ

اس شرف میں برابر کی شریک و شہیم ہیں۔ ان مقدس ہستیوں کو اہل بیت میں شامل نہ سمجھنا صریح ظلم و زیادتی ہے، بلکہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے چشم پوشی اور حقائق سے روگردانی ہے۔ لفظ ”آل“ تو پوری امت کے اقیانوس کو اپنی وسعتوں میں سینے ہوئے ہے، لیکن بعض لوگ اس کی لامحدود وسعتوں کو صرف ”پنجتن“ میں منحصر کرنے کے درپے ہیں۔ جس طرح آفتاب عالم تاب ساری دنیا کو ضیاء بار کر رہا ہے، لیکن کوئی نادان یا شہرہ چشم اس کی تابانی کو اپنے گھر کی چار دیواری میں مقید کرنے کی سعی نامشکور کرے تو یہ اس کی حماقت ہے۔

آیہ تطہیر ”وَيُطَهِّرُكُمْ تَطْهِيرًا“ کا سیاق و سباق بڑی صراحت کے ساتھ ازواج مطہرات ہی کو اس کا مصداق بیان کر رہا ہے۔ اور ”حدیث کساء“ بھی صراحتاً ہی پر دلالت کرتی ہے کہ اہل بیت کا حقیقی مصداق تو ازواج مطہرات ہی ہیں۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعائے ”کلی“ والی برگزیدہ ہستیوں کو بھی ”اہل بیت“ میں شامل کرا دیا ہے۔

اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، فَأَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا.
ترجمہ: اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان سے بھی رجس کو دور کر کے انہیں پاک صاف فرمادے۔

اگر آیت کا مصداق یہی چار ہستیاں ہوتیں تو پھر سرور و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ دعا غرض باللہ، بے معنی اور بے محل ہو جاتی ہے۔

بہر حال کتاب میں اسے پوری وضاحت و صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت عقل سلیم اور فہم و فراست کی پاکیزگی عطا فرمائیں تو اس مسئلہ کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ ان ہی حقائق کو درود شریف کے مبارک کلمات میں بیان کیا گیا ہے:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ. اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

ترجمہ: اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل و اولاد پر رحمت نازل فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل پر رحمت نازل فرمائی، بے شک تو بڑی شان والا قابل تعریف

ہے۔ اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و اولاد میں برکت عطا فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل میں برکت عطا فرمائی، بے شک تو بڑی شان والا قابل تعریف ہے۔
اللہ رب العزت ہمیں ان مقدس ہستیوں کی کامل اطاعت اور سچی محبت عطا فرمائے، اور
اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے مفید عام بنادے۔

بندہ ہے نوا

محمد عبدالمعجود عفا اللہ عنہ

آل اور اہل بیت کی توضیح

www.jmmpak.org

آل کی لغوی تحقیق

”آل“ کی لغوی تحقیق و تشریح ملاحظہ ہو:

آل کا لفظ اصل میں ”أَهْلٌ“ تھا۔ ہا کو ہمزہ سے بدل دیا اور دو ہمزے ہوئے۔ دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا تو ”آل“ ہو گیا۔
چنانچہ مشہور لغوی محقق علامہ ابن منظور افریقی مصری (م ۱۱۷۷ھ) اس کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں:

وَأَلُّ الرَّجُلِ: أَهْلُهُ: وَاللَّهُ وَالْ رَسُولُ: أَوْلِيَاءُهُ أَصْلُهَا أَهْلٌ. ثُمَّ أَبْدَلْتُ الْهَاءَ هَمْزَةً. فَصَارَتْ فِي التَّقْدِيرِ أَالٌ. فَلَمَّا تَوَالَتْ الْهَمْزَتَانِ أَبْدَلُوا الثَّانِيَةَ أَلِفًا. كَمَا قَالُوا أَدَمُ وَآخَرُ^(۱)

ترجمہ: آدمی کی آل اس کی اہل و عیال ہوتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی آل اُن کے دوستوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ آل دراصل أَهْلٌ تھا، پھر ہا کو ہمزہ سے بدل دیا گیا تو آال بن گیا۔ جب لگا تا ردو ہمزے آئے تو اہل عرب نے دوسرے ہمزے کو الف میں بدل دیا، جیسا کہ ’آدم‘ اور ’آخر‘ میں کیا گیا ہے۔
موصوف مزید لکھتے ہیں:

اهل المذهب، من يدين به و اهل الاسلام من يدين به، و اهل الامر و لائته، و اهل البيت: سُكَّانُهُ، و اهل الرجل: اَخْصَى النَّاسِ بِهِ، و اهل بيت النبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ازواجُهُ و بناته و صِغَرُهُ. اَغْنَى عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَام: وَقِيلَ نَسَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ..... و اهل كل نبي اُمَّتُهُ^(۲)

كُلُّ تَقِيٍّ وَهُوَ مِنْ أَهْلِي

شبابش آل صدف کہ چٹاں پرورد گہر
آبا از و مکرم و ابنا عزیز تر

ترجمہ: اہل المذہب اور اہل الاسلام سے مراد مذہب اور اسلام کے پیروکار ہیں۔ اہل الامر سے مراد ارکان مملکت ہیں۔ اہل بیت سے مراد گھر میں رہنے والے لوگ ہیں۔ اہل الربل: کسی آدمی کے خاص تعلق دار، اہل بیت النبی سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں، آپ ﷺ کی بیٹیاں اور آپ ﷺ کے داماد ہیں۔ داماد سے میری مراد علی علیہ السلام ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل بیت سے مراد صرف آپ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ اور آل سے مراد نبی کی امت ہے۔

علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:

أَهْلُ الرَّجُلِ: عَشِيرَتُهُ، وَذُو قُرْبَاهُ..... وَاهْلُ الْأَمْرِ: وَلَاتُهُ، وَلِلْبَيْتِ: سُكَّانُهُ، وَلِلْمَذْهَبِ: مَنْ يَدِينُ بِهِ، وَلِلرَّجُلِ: زَوْجَتُهُ، كَاهِلَتُهُ.

وللسببى صلى الله عليه وسلم ازواجه، وبناته وصهره على رضى الله تعالى عنه، او نسائه ولكل نبى اهله. (۳)

ترجمہ: آدمی کی اہل اس کا کنبہ، قبیلہ اور رشتہ دار ہیں۔ اور اہل الامر سے مراد ارکان مملکت ہیں۔ اہل بیت سے مراد گھر میں رہنے والے لوگ ہیں۔ اور اہل مذہب سے مراد دین کے پیروکار ہیں۔ اور اہل الربل سے مراد اُس کی بیوی ہے۔ اور اہل النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ ﷺ کی بیویاں، بیٹیاں اور داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، یا اُن کی بیویاں۔ اور آل سے مراد ہر نبی کی امت ہے۔

امام راغب الصغبانی (م ۵۳۸ھ) لکھتے ہیں:

”الآل“ بعض نے کہا ہے کہ ”آل“ اصل میں ”أَهْلٌ“ ہے، کیونکہ اس کی تصغیر ”أَهْلٌ“ آتی ہے۔ مگر اس کی اضافت نا طعین انسان میں سے ہمیشہ ”عَلم“ کی طرف ہوتی ہے۔ کسی اسم نکرہ یا زمانہ یا مکان کی طرف اس کی اضافت جائز نہیں ہے۔ اس لیے آل فلان (عَلم) تو کہہ سکتے ہیں، مگر آل رجل۔ آل زمان کذا آل مکان کذا بولنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ہمیشہ صاحب شرف اور افضل ہستی کی طرف متضاف ہوگا، اس لیے آل الخياط بھی نہیں کہہ سکتے، بلکہ آل اللہ یا آل السلطان کہا جائے گا۔ مگر اَھل کا لفظ مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کی طرف منسوب ہو کر آ جاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح اہل زمن کذا و اہل مکان کذا بولا جاتا ہے، اسی طرح اہل اللہ و اہل الخياط بھی کہہ سکتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ لفظ ”آل“ دراصل بمعنی شخص ہے۔ اس کی تصغیر ”أَوْبِلٌ“ آتی ہے، اور

یہ اس شخص کے متعلق استعمال ہوگا جس کو دوسرے کے ساتھ ذاتی تعلق ہو، مگر قرہبی رشتہ داری یا تعلق والا ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأَلِ إِبْرَاهِيمَ وَآلِ عِصْرَانَ.

ترجمہ: خاندان ابراہیم اور خاندان عمران۔

أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ.

ترجمہ: فرعون والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کرو۔ (۴)

”آل“ قرآنی تناظر میں

اللہ جل مجدہ نے اپنے کلام مقدس میں لفظ ”آل“ تقریباً پچیس مرتبہ استعمال فرمایا ہے، اور ہر ایک مرتبہ کسی معروف و مشہور شخصیت کے ساتھ بطور مضاف استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ فرعون کے ساتھ اس لفظ کو چودہ مقامات پر بیان فرمایا ہے، ”آلِ فِرْعَوْنَ“:

۱۔ سورۃ البقرہ: ۴۹۔ ۲۔ سورۃ البقرہ: ۵۰۔

۳۔ سورۃ آل عمران: ۱۱۔ ۴۔ سورۃ الاعراف: ۱۳۰۔

۵۔ سورۃ الاعراف: ۱۴۱۔ ۶۔ سورۃ الانفال: ۵۲۔

۷۔ سورۃ الانفال: ۵۳ (دو مرتبہ)۔ ۹۔ سورۃ ابراہیم: ۶۔

۱۰۔ سورۃ القصص: ۸۔ ۱۱۔ سورۃ المؤمن: ۲۸۔

۱۲۔ سورۃ المؤمن: ۴۵۔ ۱۳۔ سورۃ المؤمن: ۴۶۔

۱۴۔ سورۃ القمر: ۴۱۔

۵۔ سیدنا لوط علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا لوط علیہ السلام کے ساتھ لفظ آل کو قرآن مجید میں چار مقامات پر بیان کیا گیا ہے:

۱۔ سورۃ الحجر: ۵۹۔ ۲۔ سورۃ الحجر: ۶۱۔

۳۔ سورۃ النمل: ۵۶۔ ۴۔ سورۃ القمر: ۳۳۔

۵۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام کے ساتھ صرف ایک مرتبہ سورۃ آل عمران: ۳۳ میں لفظ

”آل“ استعمال ہوا ہے۔

• سیدنا یعقوب علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے نام کے ساتھ ”آل“ دو مرتبہ آیا ہے۔

۱۔ سورۃ یوسف: ۶۔ ۲۔ سورۃ مریم: ۶۔

• سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ ”آل“ ایک مرتبہ سورۃ البقرہ: ۲۴۸ میں آیا ہے۔

• سیدنا ہارون علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا ہارون علیہ السلام کے ساتھ سورۃ البقرہ: ۲۴۸ میں ایک مرتبہ لفظ ”آل“ آیا ہے۔

• سیدنا داؤد علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا داؤد علیہ السلام کے ساتھ لفظ ”آل“ ایک مرتبہ سورہ سبا: ۱۳ میں آیا ہے۔

• سیدہ مریم علیہا السلام کے ساتھ

سیدہ مریم بنت عمران کے واقعہ میں سورۃ آل عمران: ۳۳ میں لفظ ”آل“ ایک مرتبہ

آیا ہے۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں سیاق و سباق اور شان نزول کے مطابق لفظ ”آل“ گروہ

جماعت، اتباع و انصار، پیروکار، قوم اور حمایتی کے معنی و مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ بعض آیات

میں اولاد کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے، لیکن وہاں بھی اتباع اور پیروی کا وصف زیادہ نمایاں

ہے۔ لیکن پورے قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی صرف اولاد یا رشتہ دار کی وجہ سے ”آل“ کا

اطلاق نہیں کیا گیا۔

اسی طرح لفظ ”آل“ میں بیوی بھی شامل ہے۔ جیسا کہ سیدنا لوط علیہ السلام کے واقعہ میں

بیوی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

إِلَّا آلَ لُوطٍ ط إِنَّا لَمُتَجَوِّهِمُ اجْمَعِينَ. (سورۃ الحجر: ۵۹-۶۰)

اگر لفظ ”آل“ میں بیوی شامل نہ ہوتی تو استثناء کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا:

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا. (سورۃ القصص: ۸)

ترجمہ: فرعون کی بیوی آسیہ نے دریا سے موسیٰ کو نکالا۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں لفظ ”آل“ سیدنا ابراہیم، سیدنا لوط، سیدنا یعقوب، سیدنا موسیٰ،

سیدنا ہارون اور سیدنا داؤد علیہم السلام کے ساتھ تو استعمال ہوا ہے، یعنی آل ابراہیم، آل لوط، آل

یعقوب اور آل موسیٰ وغیرہ، لیکن پورے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی

کے ساتھ استعمال نہیں کیا گیا۔ ”آل محمد“، آل نبی یا آل رسول قرآنی اصطلاح نہیں ہے۔

آل رسول ﷺ

سیدنا قاسم محمود لکھتے ہیں:

”آل رسول“، رسول کی اولاد، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے تعلق رکھنے

والے لوگ۔ ”آل“، ایک وسیع المعنی لفظ ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس لفظ کے آجانے

سے اس کے معنی قوم، اولاد، خاندان اور وارث کے مشہور ہیں، جیسا کہ آل ابراہیم، آل عمران،

آل لوط، آل ہارون اور آل فرعون وغیرہ باقرآنی تراکیب سے ظاہر ہے۔

علمائے اسلام نے آل رسول کو دو طرح بیان کیا ہے: ایک جسمانی، جس کا تعلق ماضی سے

ہے، اور دوسرے روحانی، جس کا تعلق حال سے ہے۔ ایک گروہ ماضی کے تعلق سے آل رسول کا

معنی پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی نعت جگر سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا،

آپ ﷺ کے داماد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کے دونوں نواسے: سیدنا حسن

ابن علی اور سیدنا حسین ابن علی کی ذات والا صفات قرار دیتا ہے۔

پھر اسی کے ساتھ ہی اسی لفظ نظر کا ایک اور گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا

سیدنا عباس بن عبدالمطلب، آپ کی اولاد اور سیدنا علی ابن ابی طالب کے دونوں بڑے بھائیوں:

سیدنا عقیل ابن ابی طالب اور سیدنا جعفر طیار ابن ابی طالب اور ان کی اولاد کو بھی آل رسول قرار

دیتا ہے۔

اب رہے وہ لوگ جو اس لفظ کے روحانی پہلو کو نگاہوں کے سامنے رکھتے ہیں، ان کے

نزدیک علاوہ ان پاکیزہ نفوس کے، جن کی تعظیم کرنا ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی تمام امت یعنی فرزندانِ توحید، ملتِ اسلامیہ پر آل رسول کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور ان

علامہ احمد بن حجر المذہبی (م ۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

آیہ تطہیر میں "اہل بیت" سے مراد اہل بیت سکنی ہیں، مثل آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے۔ اور آپ ﷺ کے اہل بیت نسب تمام بنی ہاشم اور مطلب ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وَأَنَا مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ الَّذِينَ أَذْهَبَ اللَّهُ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيرًا.
تو یہ اہل بیت سکنی مراد ہیں۔

اور امام مسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

إِنَّهُ لَمَّا سَأَلَ أَنْسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، فَقَالَ نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ وَلَكِنْ أَهْلُ بَيْتِهِ مِنْ حَرَمِ اللَّهِ الصَّدَقَةِ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: جب ان سے پوچھا گیا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اہل بیت میں سے ہیں؟ انہوں نے کہا، جی ہاں، آپ ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں سے ہیں، لیکن اہل بیت وہ بھی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی آل بیت سکنی ہیں، ان کی عزت و تکریم اور خصوصیات کی بنا پر۔ مگر وہ نسب کی وجہ سے آل بیت نہیں ہیں۔ اور اہل بیت وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ (۱۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۳ھ) رقم طراز ہیں:

"اہل بیت" کا اطلاق چند معنوں میں ہوتا ہے:

(۱) وہ لوگ جن پر زکوٰۃ کھانا حرام ہے۔ اور یہ بنو ہاشم ہیں، جو آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث پر مشتمل ہیں۔

(۲) کبھی یہ لفظ "اہل بیت" اہل و عیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا ہے، جو خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو بھی شامل ہیں، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو اہل بیت سے نکالنا جنگ کرنا ہے، اور آیت کریمہ کے سیاق کے خلاف بھی ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا.

کیونکہ اس آیت میں ابتدا سے آخر تک ازواج مطہرات ہی کو خطاب کیا گیا ہے، لہذا درمیان سے ان پاک بیویوں کو آیت کے مصداق سے خارج کرنا کلام اللہ کی ترتیب کے بالکل خلاف ہے۔

امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ یہ آیت تو نازل ہی ازواج مطہرات کے حق میں ہوئی ہے، کیونکہ آیت کا سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے، اس لیے ازواج مطہرات کو اس آیت کے مصداق سے خارج کرنا اور دوسروں کا مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اہل بیت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور اولاد ہیں۔ حسن اور حسین بھی ان میں شامل ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ کیونکہ سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی بود و باش تھی اور ان ہی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی۔

(۳) اور کبھی "اہل بیت" کا مصداق سیدہ فاطمہؓ، زہراءؓ، سیدنا علیؓ، حسنؓ و حسینؓ ہوتے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ کے گھر کے پاس سے نماز فجر کے لیے گزرے تو فرمایا:

الصَّلَاةُ يَا أَهْلَ الْبَيْتِ، إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا.

اس روایت کو ترمذی اور ابن شیبہ نے روایت کیا ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی کہ خادم نے اطلاع دی کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما دروازہ پر اجازت کے لیے کھڑے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا، پردہ میں ہو جاؤ۔ پس میں گھر کے اندر ایک طرف ہو گئی۔ پھر وہ حضرات اندر آئے۔ حسن اور حسینؓ کو آپ ﷺ نے اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر ایک ہاتھ سے حضرت علیؓ اور دوسرے ہاتھ سے حضرت فاطمہؓ کو پکڑ کر آپس میں قریب کر لیا۔ اس وقت آپ ﷺ ایک سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھے، وہ ان پر ڈال دی اور فرمایا:

"خداوند! یہ سب میرے اہل بیت ہیں، میں اور میرے اہل بیت تیرے حضور حاضر ہوئے ہیں، نہ کہ تیرے جہنم کی طرف گئے ہیں۔"

(۴) "اہل بیت" کا اطلاق ان چار تن پر مشہور و معروف ہے، علی، فاطمہ، حسن، حسین

رضی اللہ عنہما۔

علماء کرام ان روایات، اطلاقات اور اقوال میں تطبیق اور توجیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ”بیت“ کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ بیت نسب

۲۔ بیت سکنی

۳۔ بیت ولادت

لہذا عبدالمطلب کی اولاد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ”اہل بیت نسب“ ہیں۔ ازواج مطہرات ”اہل بیت سکنی“ ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد شریف ”اہل بیت ولادت“ ہیں۔ اور اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد شامل ہے۔ ان میں سے خاص کر حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات فضل و کرامت اور محبت کے لحاظ سے زیادہ ممتاز اور مخصوص ہیں۔ (۱۱)

قرآنی تصریحات

قرآن مجید کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصالہ داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا، جب فرشتوں نے انہیں فرزند ارجمند کی بشارت سنائی، ان کو پیرائہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا تو فرشتوں نے کہا:

﴿تَعْجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَبَوَّكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ط إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ﴾ (سورۃ ہود: ۷۳)

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو ”اہل البیت“ کہا گیا ہے، یعنی گھر والی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا:

﴿قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ (سورۃ طہ: ۱۰)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہیں، ”لاہلہ“۔

دوسری آیت میں ہے:

﴿إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ (سورۃ نمل: ۷)

سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

﴿قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ﴾ (سورۃ یوسف: ۲۵)

زلیخانے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا، ”بأهلك“، تیری بیوی۔

اللہ رب العزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (سورۃ طہ: ۱۳۳)

”أهلك“، اپنے گھر والوں کو۔

احادیث کے آئینہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بھی ”أهل“ کا اطلاق بیوی پر کیا گیا ہے۔

۱۔ اذا وقع الرجل باهله وهي حائض۔ (۱۲)

ترجمہ: حیض کی حالت میں بیوی سے جماع کیا۔

۲۔ ان من اكمل المؤمنين ايمانا احسنهم خلقا والطفهم باهله۔ (۱۳)

ترجمہ: بے شک کامل ایمان والا وہ آدمی ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور اپنی بیوی کے ساتھ ہر بانی سے پیش آئے۔

۳۔ فوجد عند اهله رجلا فوأي بعينه وسمع باذنه۔ (۱۴)

ترجمہ: پس اُس نے بیوی کے پاس ایک آدمی کو پایا، اس کی آنکھوں نے دیکھا اور کان سنے سنا۔

۴۔ اذا اتى احدكم اهله فليستر۔ (۱۵)

ترجمہ: تم میں سے جب کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو پردہ کر لے۔

۵۔ هل منكم الرجل اذا اتى اهله فاعلق عليه بابه۔ (۱۶)

ترجمہ: تم میں سے جب کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو دروازہ بند کر لے۔

۶۔ خیرکم خیرکم لاهله وانا خیرکم لاهلی۔ (۱۷)

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو، اور میں تم سب سے زیادہ اچھا

ہوں اپنی بیوی کے ساتھ۔

۷۔ اِنْ لَا هَلَكَ عَلَيْكَ حَقًّا. (۱۸)

ترجمہ: بے شک تجھ پر تیری بیوی کا حق ہے۔

۸۔ وَقَعْتُ بِأَهْلِي فِي رَمَضَانَ. (۱۹)

ترجمہ: رمضان کے روزہ کی حالت میں بیوی سے میں نے صحبت کر لی۔

۹۔ يَشْكُو إِلَيْهِ أَنَّهُ وَجَدَ مَعَ أَهْلِهِ رَجُلًا. (۲۰)

ترجمہ: ایک آدمی نے شکایت کی کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر آدمی کو دیکھا ہے۔

۱۰۔ فَأَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا مَا يَرِيدُ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِهِ. (۲۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت صفیہ کے) پاس جانے کا ارادہ فرمایا، جس طرح مرد اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج کے لیے بھی لفظ ”أَهْلٌ“ استعمال ہوا ہے۔

۱۱۔ جَبَّ امُّ الْمُؤْمِنِينَ سَيِّدَةُ عَائِشَةُ صَدِيقَةُ طَاهِرَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بِرِجَالٍ فِي الْأَزْوَاجِ تَرَاهِي فِي تَوَلَّى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَجَامِعَ مِنْهُمَا سَبْعَ مِائَةٍ فِي حَضْرَةِ عَلِيٍّ وَأُورَاسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مَشُورَةً فَرَمَا:

يَسْتَشِيرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ.

ترجمہ: ان دونوں سے اپنی بیوی کے جدا کرنے کے متعلق مشورہ فرمایا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے:

يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَكَ وَمَنْعَلَمَ الْآخِرِ. (۲۲)

ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بیوی (عائشہ) کے متعلق ہم بھلائی اور خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

ان حضرات سے مشورے طلب کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَعْذُرْنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي إِذَا هِيَ فِي أَهْلِ بَيْتِي. قَوْلَ اللَّهِ مَا عَلِمْتُ مِنْ أَهْلِي الْآخِرِ. (۲۳)

ترجمہ: اے مسلمانو! اس شخص سے کون بدلہ لے گا جس نے میری ”اہل بیت“ کے متعلق مجھے اذیت دی ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنی بیوی کو پا کباز اور نیک ہی سمجھتا ہوں۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي أَنْفُسِ ابْنِوَا أَهْلِي. وَأَيُّمَ اللَّهُ! مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي

مِنْ سُوءٍ قَطُّ. وَابْنُوهُمْ بَيْنِي. وَاللَّهُ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَطُّ. وَلَا

دَخَلَ بَيْتِي قَطُّ إِلَّا وَأَنَا حَاضِرٌ. وَلَا غَبْتُ فِي سَفَرٍ إِلَّا غَابَ مَعِيَ. (۲۴)

ترجمہ: مجھے ان لوگوں کے متعلق مشورہ دیں جنہوں نے میرے گھر والوں پر تہمت لگائی۔ اللہ کی قسم! میں اپنی گھر والی میں قطعاً کوئی برائی نہیں جانتا۔ اور جس شخص کے متعلق تہمت لگائی ہے، اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی، اور نہ ہی کبھی وہ میرے گھر میں آیا، مگر میری موجودگی میں۔ اور جب میں سفر میں گیا تو وہ بھی سفر میں گیا۔

ان تمام احادیث میں ”أَهْلٌ“ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور ”أَهْلُ الْبَيْتِ“ کا لفظ صراحۃً ازواج مطہرات کے لیے استعمال ہوا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات سب سے پہلے شامل ہیں، اور یہی اصلی اور حقیقی مصداق ہے۔

آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

احادیث طیبہ میں ”آل محمد“ کا اطلاق صراحۃً ازواج مطہرات پر بھی پایا جاتا ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قَوْتًا. (۲۵)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے کئی مرتبہ یہ فرماتے سنا:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا أَصْبَحَ عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَاعٌ خَبٍ

وَلَا تَمْرٍ. (۲۶)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس صبح کو ایک صاع غلہ یا کھجور کا بھی نہیں ہے۔

(۳) عن عائشہ قالت: ما شبع آل محمد ﷺ منذ قدم المدينة من طعام بر ثلاث لیلات تباعا حتی قبض. (۲۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھروالیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کے وصال تک کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا۔

(۴) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما شبع آل محمد من خبز شعیر یومین متتابعین حتی قبض رسول اللہ ﷺ. (۲۸)

ترجمہ: دو دن تک متواتر کھجور کی روٹی سے حضرت محمد ﷺ کے گھر والے سیر نہیں ہوئے۔

(۵) سیدہ بنی سے روایت ہے:

ما شبع آل محمد من خبز بر فوق ثلاث. (۲۹)

ترجمہ: تین دن سے زیادہ آل محمد ﷺ انندم کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے۔

(۶) ام المومنین فرماتی ہیں:

ان کنا آل محمد ﷺ لنمکت شہرا ما نستوقد بنار ان ہوا الا التمر والماء. (۳۰)

ترجمہ: ہم آل محمد ﷺ کا یہ حال تھا کہ مہینہ مہینہ تک گزر جاتا تھا اور آگ نہ لگاتے تھے،

صرف کھجور اور پانی پر گزارا تھا۔

(۷) قال رسول اللہ ﷺ لا تضربوا اماء اللہ فجاء عمر الی رسول اللہ

ﷺ فقال ذنن النساء علی ازواجہن فرخص فی ضربہن فاطاف بآل رسول اللہ

ﷺ نسا کثیر یشکون ازواجہن فقال النبی ﷺ لقد طاف بآل محمد نساء کثیر

یشکون ازواجہن لیس اولئک بخیار کم. (۳۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی بندویں کو نہ پیٹو۔ پھر حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوئے، پس عرض کیا، عورتیں اپنے خاوندوں پر جری ہو گئی ہیں۔ پھر رسول اللہ

ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بہت سی عورتیں اپنے

خاوندوں کا شکوہ لے کر آئیں۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا، بہت سی عورتیں آل محمد ﷺ (حضور ﷺ کی ازواج) کے ہاں آئی ہیں جو اپنے خاوندوں کا شکوہ کرتی ہیں، وہ مرد تمہارے اچھے لوگ نہیں۔

مذکورہ بالا تمام احادیث میں ازواج مطہرات ہی کو "آل محمد ﷺ" کہا گیا ہے۔ ان میں نہ تو

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں شامل ہیں اور نہ ہی حضرات حسنینؓ و کریمینؓ۔

(۸) عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ

رضی اللہ عنہا سے سنا ہے، آپؐ نے بیان کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے عثمانؓ کو

ابوبکرؓ کے پاس بھیجا (جب وہ خلیفہ ہوئے) اور ان سے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی اپنے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی، اس میں سے ان کے حصے ملنے چاہئیں۔

لیکن میں نے انہیں روکا اور ان سے کہا، تم خدا سے نہیں ڈرتیں؟ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلمؐ نے خود نہیں فرمایا تھا کہ ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا

ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اُس ارشاد میں خود اپنی ذات کی طرف تھا:

انما یاکل آل محمد فی هذا المال فانتهی ازواج النبی ﷺ الی ما اخبر تھین. (۳۲)

ترجمہ: البتہ آل محمد ﷺ کو اس جائیداد میں سے (سابق کی طرح ان کی ضروریات کے لیے)

ملتا رہے گا، جب میں نے ازواج مطہرات کو حدیث سنائی تو انہوں نے اپنی رائے بدل دی۔

(۹) "آل محمد ﷺ" سے ازواج مطہرات اور ذریت بھی مراد ہیں۔ سرور دو عالم صلی

اللہ علیہ وسلم نے جو درود شریف پڑھنے کا حکم فرمایا:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی

اِبْرٰهٖمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرٰهٖمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِکْ

عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰهٖمَ وَعَلٰی

آلِ اِبْرٰهٖمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ.

ترجمہ: اے اللہ! اپنی رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے گھروالوں

پر، جس طرح تو نے رحمت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے گھروالوں پر، بیشک

تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم اور آپ ﷺ کے گھر والوں پر، جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں پر، بے شک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اس درود شریف میں ”آل“ کا لفظ چار دفعہ آیا ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ ”گھر آنے والوں“ کیا ہے۔ عربی زبان اور خاص کر قرآن و حدیث کے استعمالات میں کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو۔ جیسے اس کی بیوی، بچے یا رفاقت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت کا، جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین۔ اس لیے نفس لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

بہر حال اس عاجز کے نزدیک رائج یہی ہے کہ درود شریف میں ”آل محمد“ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت مراد ہے۔ اور اسی طرح آل ابراہیم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر والے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے، ”وَحَمَّٰتِ اللّٰهِ وَبَرَکَۃُ عَلَیْکُمْ اَہْلَ الْبَیْتِ ط اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ۔ بلاشبہ آل ابراہیم وہی ہیں جن کو اس آیت میں اہل البیت فرمایا گیا ہے۔“ (۲۳)

(۱۰) عن ابی حمید الصاعدی انہم قالوا یا رسول اللہ ﷺ کیف نصلی علیک؟ قال رسول اللہ قولوا، اللّٰھم صلی علی محمد وازواجه وذریتہ کما صلیت علی آل ابراہیم۔ وبارک علی محمد وازواجه وذریتہ کما بارکت علی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ (۲۴)

ترجمہ: صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ پر کس طرح درود بھیجیں؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح کہو، اے اللہ! محمد ﷺ، آپ کی ازواج اور آپ کی نسل پر اپنی رحمت نازل کر، جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل کی۔ اور محمد ﷺ، ان کی ازواج اور ان کی نسل پر برکت نازل کر، جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل کی۔ بلاشبہ تو ستودہ صفات پاک ہے۔ (۲۵)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ ازواج مطہرات بھی آل محمد میں داخل ہیں، اور اسی طرح ذریت میں بھی داخل ہیں۔ بلکہ اصل متفقہ لغت یہ ہے کہ ازواج تو آل محمد میں اصلاً داخل ہوں اور ذریت میں جعلاً داخل ہوں، کیونکہ آل کہتے ہیں اہل بیت کو، یعنی گھر والوں کو، اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے۔ پس یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ ذریت تو آل میں داخل ہو اور ازواج داخل نہ ہوں۔“ (۲۶)

ہر متقی آل ہے

”آل محمد“ صلی اللہ علیہ وسلم سے متقی، پرہیزگار اور پاکباز امتی بھی مراد ہیں۔ جیسا

کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱۱) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا سُئِلَ عَنِ الْاٰلِ۔ قَالَ: اَلْ مُحَمَّدِ کُلِّ تَقِیٍّ۔ (۲۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ”آل“ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، ہر متقی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔

امام نووی (۷۶۶ھ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں:

(۱۲) اِنَّہٗ سُئِلَ مِنْ اَلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: کُلُّ مُؤْمِنٍ تَقِیٍّ۔ (۲۸)

ترجمہ: آپ سے دریافت کیا گیا، آپ کی آل کون لوگ ہیں؟ فرمایا، ہر متقی مسلمان میری آل ہے۔

(۱۳) علامہ جلال الدین سیوطی نے درمشور میں روایت نقل کی ہے کہ ابن مردویہ حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، آپ کی آل کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

کُلُّ مُؤْمِنٍ۔ (۲۹)

ترجمہ: ہر ایماندار میری آل ہے۔

آل، وہ جن پر صدقہ حرام

”آل“ میں وہ سب لوگ شامل ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱۳) عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذکرکم اللہ فی اہل بیٹی۔ فقیل لزیّد رضی اللہ عنہ، ومن اہل بیتہ؟ الیس نساؤہ من اہل بیتہ؟ قال: نساؤہ من اہل بیتہ، ولكن اہل بیتہ من حرم الصدقة بعده آل علی، وآل عقیل، وآل جعفر، وآل عباس۔ (۳۰)

ترجمہ: میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یادلاتا ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا، آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے ہیں۔ اور وہ سب اہل بیت میں سے ہیں جن پر آپ ﷺ کے بعد صدقہ خیرات حرام ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، وہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا، حضرت علی کا خاندان، حضرت عقیل کا خاندان، آل جعفر اور آل عباس کا خاندان۔

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان هذه الصدقات. انما هي اوساخ الناس، وانما لاتحل لمحمد ولا لآل محمد۔ (۳۱)

ترجمہ: بے شک یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں، اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی آل کے لیے حلال نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو مطلب پر صدقہ حرام ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا قول ہے کہ صدقہ صرف بنو ہاشم پر حرام ہے۔ (۳۲)

قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت عباس کی اولاد اہل بیت میں شامل ہیں۔ (۳۳)

(۱۶) حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صغریٰ میں صدقہ کی مجبوری میں ڈال لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے ان کے منہ سے کھجور نکال دی اور فرمایا:

انا آل محمد لاتحل لنا الصدقة۔ (۳۴)

ترجمہ: ہم آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔

(۱۷) حضرت عبید اللہ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارقم بن ارقم زہری رضی اللہ عنہ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے ابورافع رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لے جانا چاہا۔ لیکن ابورافع آپ ﷺ کی خدمت میں اجازت لینے کو حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يا ابا رافع، ان الصدقة حرام على محمد و علي آل محمد. وان مولی القوم منهم۔ (۳۵)

ترجمہ: اے ابورافع! مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد پر صدقات حرام ہیں، اور آزاد کردہ غلام بھی اسی قوم کے حکم میں ہوتا ہے۔

(۱۸) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو ہاشم کے دونو جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہمیں صدقات وصول کرنے کی خدمت پر مامور فرمائیں، تاکہ ہم بھی دوسروں کی طرح فائدہ اٹھا سکیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا آل محمد لاتحل لنا الصدقة. وهي اوساخ الناس۔ (۳۶)

ترجمہ: بے شک ہم آل محمد کے لیے صدقہ حرام ہے۔ یہ صدقات لوگوں کے گناہوں کا میل ہوتا ہے۔

(۱۹) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نوفل بن حارث نے اپنے دو بیٹوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ﷺ سے صدقات کے مال سے کچھ تعاون حاصل کریں، تاکہ گھریلو ضروریات پوری کی جاسکیں۔ وہ دونوں آپ ﷺ کے در دولت پر حاضر ہوئے اور گھر میں آنے کی اجازت چاہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا، پردہ کر لیں، میرے چچا کے بیٹے آرہے ہیں۔ ان دونوں نے اپنی ضرورت کا ذکر

کیا، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یحل لکما اهل البيت من الصدقات شیئاً. ولا غسالة یدی الناس. (۳۷)

گذشتہ احادیث میں ”آل محمد“ سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکباز بیوی ہونا صراحۃً ثابت ہو چکا ہے۔ اسی طرح ایسی متعدد احادیث پائی جاتی ہیں جن میں ”اہل بیت“ سے مراد صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات لی گئی ہیں، ان میں بیٹیاں وغیرہ کوئی بھی شامل نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا دلیرہ کیا، لوگ کھانا کھا کر چلے گئے، مگر تین آدمی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

فخرج البی صلی اللہ علیہ وسلم فانطلق الی حجرۃ عائشۃ. فقال السلام علیکم اهل البيت ورحمة اللہ. فقالت وعلیک ورحمة اللہ کیف وجدت اهلک. بارک اللہ لک. (۳۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے گھر سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: ”اے اہل بیت!“ تم پر اللہ کی سلامتی اور رحمت نازل ہو۔ حضرت عائشہؓ نے جواب میں عرض کیا، اور آپ ﷺ پر بھی اللہ کی سلامتی اور رحمت ہو۔

”کیف وجدت اهلک“ آپ ﷺ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟ اللہ آپ ﷺ کو برکت عطا فرمائے۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

فجعل یمر علی نساءہ فیسلم علی کل واحدة منہن سلام علیکم کیف انتم یا اهل البيت فیقولون بخیر یا رسول اللہ، کیف وجدت اهلک. فیقول بخیر. (۳۹)

ترجمہ: پھر آپ ﷺ ہر ایک بیوی کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک کو سلام کیا۔ اے اہل بیت! تم کیسی ہو؟ سب نے یہی کہا، یا رسول اللہ ﷺ! ہم خیریت سے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا؟ ارشاد فرمایا، خوب ہے۔

حدیث کساء

حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور اپنی کپلی میں بٹھالیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے تھے، ان پر بھی چادر ڈال دی اور اللہ کے حضور عرض کیا:

”یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گناہ کی نجاست دور کر دے، اور ان کو خوب پاک کر دے۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنی جگہ رہو، تم خیر پر ہو۔ (۵۰)

حدیث کساء کی کسی محقق نے انتہائی نفیس تخریج فرمائی ہے۔ علمی ذوق رکھنے والے احباب کے لیے اسے نقل کیا جاتا ہے۔

وروی عن انس وعائشۃ وأم سلمۃ نحو ذلک.

أصل الحديث. ورد عن جماعة من الصحابة.

(۱) حدیث ام سلمہ، ولہ طرق متعدده: الأول: أخرجه الطحاوی فی "المشکل" ۷۶۶ من طریق الأجلح عن شهر بن حوشب عن أم سلمة، وعبد الملك عن عطاء عن أم سلمة. وإسناده حسن فی الشواهد، الأجلح هو ابن عبد اللہ، وثقه قوم، وضعفه آخرون، وقد تابعه عبد الملك بن أبي سليمان، وهو ثقة، لكن لم يسمع عطاء من أم سلمة. وأخرجه أحمد ۳۰۳/۶ والترمذی ۳۸۷۶ والطبرانی ۲۳ (۷۶۹) عن زبید بن الحارث عن شهر عن أم سلمة. وإسناده لين لأجل شهر. الطريق الثاني: أخرجه الطحاوی ۷۶۸، والطبری ۲۸۳۹۵ و ۲۸۳۹۷ من طریق عطية العوفی عن أبي سعيد عن أم سلمة. وإسناده واه لأجل عطية العوفی. الطريق الثالث: أخرجه الطحاوی ۷۶۵ و ۷۷۲ من طریق عمرة بنت أفعی عن أم سلمة. وإسناده ضعيف لجهالة عمرة. الطريق الرابع: أخرجه الطحاوی ۷۶۳ والطبری ۲۸۳۹۸ من طریق عبد اللہ بن وهب بن زععة. وإسناده ضعيف، فيه خالد بن مخلد القطواني، غير

حجة، و موسى بن يعقوب سىء الحفظ. الطريق الخامس: أخرجه الطحاوى ۷۲۳ والطبرى ۲۸۵۰۲ والطبرانى ۲۳ (۷۵۰). وإسناده ضعيف، فيه عننة الأعمش، وهو مدلس، وفيه جعفر بن عبد الرحمن البجلي، وهو شبه مجهول، حيث وثقه ابن حبان وحده. الطريق السادس: أخرجه الطبرى ۲۸۴۹۶ من طريق سعيد بن زرىب عن ابن سيرين عن أبى هريرة عن أم سلمة. وإسناده ضعيف لضعف سعيد بن زرىب. ولفظه عند الترمذى: عن أم سلمة أن النبى ﷺ جلى على الحسن والحسين وعلى فاطمة كساء، ثم قال: اللهم هؤلاء أهل بيتى وخاصتى أذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيراً، فقالت أم سلمة: وأنا معهم يا رسول الله قال: إنك إلى خير. قال الترمذى: هذا حديث حسن، وهو أحسن شىء روى فى هذا الباب.

(۲) حديث عائشة رضى الله عنها: أخرجه مسلم ۲۲۲۳ والطبرى ۲۸۴۸۸ من طريقين عن محمد بن بشر عن زكريا به وإسناده غير قوى، فيه مصعب بن شيبة، فهو وإن روى له مسلم فقد ضعفه غير واحد، لذا لينة الحافظ فى "التقريب" لكن لم ينفرد بهذا المتن. وأخرجه الحاكم ۱۳۷/۳ من طريق عبيد الله عن زكريا به وصححه الحاكم على شرطهما ووافقه الذهبى، وليس كما قال، فقد تفرد. وأخرجه البغوى ۳۸۰۳ من طريق الوليد بن شجاع عن يحيى بن زكريا به. ولفظه عند مسلم: قالت عائشة: خرج النبى ﷺ غداة وعليه مرط مرحل من شعر أسود فجاء الحسن بن على فأدخله. ثم جاء الحسين فدخل معه. ثم جاءت فاطمة فأدخلها. ثم جاء على فأدخله ثم قال: "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا".

(۳) حديث والثلة بن الأسقع: أخرجه أحمد ۱۰۷/۳ وفى "الفضائل" ۹۷۸ وابن أبى شيبة ۱۲/۷۳-۷۴ وابن حبان ۶۹۷۶ والحاكم ۱۳۷/۳ والطحاوى فى "المشكّل" ۷۷۳ والطبرى ۲۸۴۹۳ من طرق عن الأوزاعى ثنا شداد أبو عمار قال سمعت والثلة... بنحو الحديث المتقدم، وليس فيه ذكر أم سلمة أصلاً. وإسناده صحيح. شداد من رجال مسلم، وباقى الإسناد على شرط الشيخين، وقد صححه الحاكم على شرطهما، وتعبه الذهبى بقوله: على شرط مسلم. وكرره الطبرى

۲۸۴۹۳ من طریق کلثوم المحاربی عن شداد به، وإسناده حسن فى الشواهد. (۳) حديث عمرو بن أبى سلمة: أخرجه الترمذى ۳۷۸۷ والطبرى ۲۸۴۹۹ والطحاوى فى "المشكّل" ۷۷۷ من طریق يحيى بن عبيد المكي عن عطاء عن عمر بن أبى سلمة به. ورجاله ثقات معروفون غير يحيى بن عبيد حيث قال الحافظ فى "التقريب": يحيى بن عبيد عن عطاء، يحتمل أن يكون الذى قبله، وإلا فمجهول. وقال عن الذى قبله: يحيى بن عبيد المكي، مولى بنى مخزوم، ثقه من السادسة. قلت: قد توبع على أكثر هذا المتن، دون لفظ "وجعل علياً خلقه" فقد تفرد به، وهو غريب. (۵) حديث سعد بن أبى وقاص: أخرجه مسلم ۲۴۰۳ والترمذى ۲۹۹۹ و ۳۷۲۳ وأحمد ۱/۱۸۵ والنسائى فى "الخصائص" ۱۱ والطحاوى فى "المشكّل" ۷۶۱ من طرق عن حاتم بن إسماعيل عن بكير بن مسمار عن عامر بن سعد عن سعد قال: لما نزلت هذه الآية ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ﴾ دعا رسول الله ﷺ علياً وفاطمة وحسناً وحسيناً، فقال: "اللهم هؤلاء أهلى". لفظ مسلم والترمذى وغيرهما دون النسائى والطحاوى حيث ذكر من الحديث الآية التى فى الأحزاب. وكرره النسائى ۵۳ والطبرى ۲۸۵۰۱ والحاكم ۱۰۸/۳ من وجه آخر، وليس فيه ذكر الآية أصلاً بل فيه "حين نزل الوحي" وإسناده صحيح.

الخلاصة: هو حديث صحيح بمجموع طرقه وشواهد. وأصح متن وإسناد فى هذا الباب حديث سعد ثم حديث والثلة ثم حديث أم سلمة لطرفه الكثيرة ثم حديث عائشة ثم حديث عمرو بن أبى سلمة.

علامہ شوکانی کی تصریحات

علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ (م ۱۲۵۰ھ) نے مصداق اہل بیت، منقبت اہل بیت اور حدیث کساء کے سلسلہ کی متعدد روایات بڑے اہتمام سے نقل کی ہیں۔ اور ڈاکٹر حسین بن عبد اللہ العمری نے جملہ روایات کی تخریج سے ان کی افادیت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ علمی ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے اسے من و عن پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) أخرج (مسلم) و (أحمد) عن زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "أَلَا وَإِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ، أَخَذَهُمَا كِتَابُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، هُوَ حَيْلُ اللَّهِ الَّذِي مَنِ اتَّبَعَهُ كَانَ عَلَى الْهَدْيِ، وَمَنْ تَرَكَهُ كَانَ عَلَى الضَّلَالَةِ، وَعَتَرْتَنِي أَهْلُ بَيْتِي". فَقُلْنَا: مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ نِسَاؤُهُ؟

قَالَ: "أَيُّمُ اللَّهِ إِنَّ الْمَرْأَةَ تَكُونُ مَعَ الرَّجُلِ الْعَصْرَ مِنَ الدَّهْرِ فَيُطْلَقُهَا فترجع إلى أبيها وقومها، أَهْلُ بَيْتِهِ: أَصْلُهُ وَغُصْبَتُهُ الَّذِينَ حَرَّمُوا الصَّدَاقَةَ بَعْدَهُ". (۲) وَأَخْرَجَ (البخاري) عن ابنِ عُمَرَ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصَّدِيقَ قَالَ:

"أَرْقُبُوا مُحَمَّدًا ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ". (۳) وَأَخْرَجَ (مسلم) عن عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهِ مُرْطٌ مُرَحَّلٌ [من شعر] أَسْوَدَ، فَجَاءَ الْحَسَنُ فَادْخَلَهُ، ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ فَادْخَلَهُ، ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَادْخَلَهَا، ثُمَّ جَاءَ عَلِيُّ فَادْخَلَهُ، ثُمَّ قَالَ:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾. (۴) وَأَخْرَجَهُ أَيْضًا: الْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ.

(۵) وَأَخْرَجَ (الترمذی) من حَدِيثِ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ [۱/۳۰] حِينَ نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ يَمُرُّ بِبَابِ فَاطِمَةَ إِذَا خَرَجَ لِلصَّلَاةِ قَرِيبًا مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَيَقُولُ: "الصَّلَاةُ أَهْلَ الْبَيْتِ" ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾.

(۶) وَأَخْرَجَ (الترمذی) أَيْضًا: وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَأَنَا جَالِسَةٌ عَلَى بَابِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾. وَفِي الْبَيْتِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعَلَى فَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَجَلَّلَهُمْ بِكَسَاءٍ، وَقَالَ: "اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي. فَأَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا".

فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَسْتُ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ؟ قَالَ: "إِنَّكَ إِلَى خَيْرٍ، أَنْتَ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ".

(۷) وَأَخْرَجَ (الترمذی) وَصَحَّحَهُ، وَ(الْحَاكِمُ) وَصَحَّحَهُ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ:

لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ﴾. الْآيَةُ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا، وَقَالَ: "اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلِي".

(۸) وَأَخْرَجَ (الْحَاكِمُ) وَصَحَّحَهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ: لَمَّا نَظَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى الرَّحْمَةِ هَابِطَةً، قَالَ: "ادْعُوا لِي، ادْعُوا لِي" فَقَالَتْ صَفِيَّةُ: مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "أَهْلُ بَيْتِي: عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ" فَجَاءَ بِهِمْ، فَأَلْقَى عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ كِسَاءً ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ:

"اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ آلِي، فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ". وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾.

(۹) وَأَخْرَجَ (الْحَاكِمُ) وَصَحَّحَهُ وَتَعَقَّبَهُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "النَّجْوَى أَمَانُ الْأَهْلِ الْأَرْضِ مِنَ الْغَرَقِ، وَأَهْلُ بَيْتِي أَمَانُ الْأُمَمِ مِنَ الْاِخْتِلَافِ".

(۱۰) وَأَخْرَجَ (الترمذی) وَ(الْحَاكِمُ) وَقَالَ: صَحِيحُ الْإِسْنَادِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

"أَجِبُوا اللَّهَ تَعَالَى لَمَّا يَدْعُوكُمْ بِهِ مِنْ تَعْبِهِ، وَاجْتَوْنِي لِحُبِّ اللَّهِ، وَاجْتَبُوا أَهْلَ بَيْتِي لِعَتِّي".

(۱۱) وَأَخْرَجَ (الْحَاكِمُ) فِي (الْمُسْتَدْرَكِ)، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ (مسلم) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

"وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَغُضُّنَا أَهْلَ الْبَيْتِ أَحَدٌ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ". (۱۲) وَأَخْرَجَ (الْحَاكِمُ) فِي (الْمُسْتَدْرَكِ) وَقَالَ: صَحِيحُ الْإِسْنَادِ عَنْ أَبِي رَزَّ

أنه قال وهو آخذ باب الكعبة:

من عرفني فقد عرفني، ومن أنكرني فأنا أبو ذر، سمعت رسول الله ﷺ يقول:
"إِن [مَثَلَ] أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ مَثَلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا
(هَلَك)." (١٢)

(١٣) وأخرجُه من حديثه (البزار) و(الطبراني) في معاجمه الثلاثة، وفي إسناده
البزار الحسن بن أبي جعفر الجعفي، وفي إسناده الطبراني عبد الله بن زاهر وهما
متروكان، وليس في إسناده (الحاكم).

(١٤) وأخرجُه (البزار) و(الطبراني) من حديث ابن عباس، وفيه الحسن بن
أبي جعفر الجعفي المذكور.

(١٥) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) عن ابن عمر أنه ﷺ قال:
"أَوَّلُ مَنْ أَشْفَعُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ [مَنْ آمَنَ] أَهْلُ بَيْتِي، ثُمَّ الْأَقْرَبُ فَلَا أَقْرَبَ مِنْ
قُرَيْشٍ، ثُمَّ الْأَنْصَارُ، ثُمَّ مَنْ آمَنَ بِي وَاتَّبَعَنِي مِنَ الْيَمَنِ، ثُمَّ سَائِرُ الْعَرَبِ، ثُمَّ الْأَعَاجِمُ،
وَمَنْ أَشْفَعُ لَهُ أَوَّلًا وَفَضَّلَ."

(١٦) [٣٠/ب] وأخرج (ابن عساكر) عن علي بن أبي طالب، عنه ﷺ:

"مَنْ صَنَعَ إِلَى أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يَدًا كَافِيَةً عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ."

(١٧) وأخرج (الخطيب) عن عثمان بن عفان، قال: قال رسول الله ﷺ:

"مَنْ صَنَعَ صَبِغَةً إِلَى أَحَدٍ مِنْ خَلْفِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَلَمْ يَكْفِ بِهَا فِي الدُّنْيَا فَعَلَى
مَكَافَاتِهِ إِذَا لَقِينِي!"

(١٨) وأخرج (ابن عدي) و(الذيل) في (مُسْنَدِ الْفَرْدَوْسِ) عن علي، عنه

ﷺ أنه قال:

"أَتَيْتُكُمْ عَلَى الصَّرَاطِ أَشَدَّكُمْ حُبًّا لِأَهْلِ بَيْتِي وَأَصْحَابِي."

(١٩) وأخرج (الترمذي) و(ابن ماجه) و(الحاكم) في (المستدرک) و(ابن

حبان) عن زيد بن أرقم أنه ﷺ قال لعلي وفاطمة وحسن وحسين:

"أَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبْتُمْ وَسَلَامٌ لِمَنْ سَالَمْتُمْ."

(٢٠) وأخرجُه (الحاكم) في (المستدرک) أيضًا من حديث أبي هريرة،
وقال: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

(٢١) وأخرج (أحمد) و(الترمذي) عن علي أنه ﷺ قال:

"مَنْ أَحَبَّ هَذَيْنِ - يَعْنِي الْحَسْنَ وَالْحُسَيْنَ - وَأَبَاهُمَا وَأُمَّهُمَا كَانَ مَعِيَ فِي
ذَرَجَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ."

(٢٢) وأخرج (ابن ماجه) و(الحاكم) في (المستدرک) عن أنس عنه ﷺ أنه
قال:

"نَحْنُ بَنُو عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَادَةُ أَهْلِ الْجَنَّةِ؛ أَنَا وَحَمْرَةُ وَعَلِيٌّ وَجَعْفَرُ وَالْحَسَنُ
وَالْحُسَيْنُ وَالْمُهْدِيُّ."

(٢٣) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) عن علي و(الحاكم) عن أبي سعيد أنه
ﷺ قال لفاطمة:

"إِنِّي وَإِيَّاكَ وَهَذَا الرَّاقِدُ - يَعْنِي عَلِيًّا - وَالْحَسْنَ وَالْحُسَيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَقِي
مَكَانٍ وَاحِدٍ."

(٢٤) وأخرج (أبو نعيم) في (الحلية) عن علي عنه ﷺ:

"مَنْ آذَانِي فِي أَهْلِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ."

(٢٥) وروى (الطبراني) في (الأوسط) بإسناد فيه عاصم بن عبيد الله وهو
ضعيف عن ابن عمر، قال: آخر ما تكلم به النبي ﷺ:

"أَخْلَفُونِي فِي أَهْلِ بَيْتِي."

(٢٦) وأخرج (الطبراني) في (الأوسط) بإسناد رجاله رجال (الصحيح) غير
عبيد بن طفيّل، وهو ثقة، عن علي أنه دخل على النبي ﷺ وقد بسط سُمْلَةً فجلس

عليها هو وعلي وفاطمة والحسن والحسين، ثم قال:

"اللَّهُمَّ ارْضَ عَنْهُمْ كَمَا أَنَا عَنْهُمْ رَاضٍ."

(٢٧) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) و(الأوسط) عن زينب بنت أبي سلمة
أن رسول الله ﷺ كان عند أم سلمة، فدخل عليها الحسن والحسين وفاطمة، فجعل

الحسن من شئ والحسين من شئ، وفاطمة في حجره، وقال:

"رحمة الله وبركاته عليكم أهل البيت، إنه حميد مجيد."

فیگت أم سلمة، فقال: ما يبيك؟ فقالت: يا رسول الله خصصت هؤلاء

وقرحتني أنا وابنتي؟ وقال: "أنت وابنتك من أهل البيت."

وفی اسنادہ ابن لہیعہ وفيه ضعف يسير، وحديثه في الغالب حسن.

(۲۸) وأخرج (اليزار) بإسناد فيه من لم يعرف عن شهر بن حوشب، قال:

أقام رجال خطباء يسبون عليًا، حتى كان آخرهم رجل من الأنصار يقال له

أنيس، فقال: والله لقد سمعت رسول الله ﷺ يقول:

"إني لأشفع يوم القيامة لأكثر مما على الأرض من شجر وحجر."

وأيهم الله ما أخذ أو ضل لرحمته من رسول الله ﷺ، أفيروها غيره ويقصروا عن

أهل بيته؟

قال ابن حجر: إسناده حسن إن كان [۳/۱] شهر سمعه.

(۲۹) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) بإسناد رجاله ثقات عن أبي جميلة، أن

الحسن بن علي حين قيل علي استخلف، فبينما هو يصلي بالناس إذ وثب إليه رجل

فقطعه بخنجر في ركه، فتمرض منها أشهرًا، ثم قام فخطب على المنبر، فقال:

يا أهل العراق اتقوا الله فينا فانا أمراؤكم وضيغانكم، ونحن أهل البيت الذين

قال الله عز وجل: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

تَطْهِيرًا﴾.

فما زال يؤمبذ يتكلم حتى ما نرى في المسجد إلا باكيًا.

(۳۰) وأخرج (الطبراني) في (الأوسط) بإسناد رجاله ثقات، إلا سلمى بن

عقبة فلم يعرف عن أبي هريرة، أن علي بن أبي طالب قال:

يا رسول الله أيما أحب إليك أنا أم فاطمة؟ قال: "فاطمة [أحب] إلى منك

وأنت أعز علي منها، وكانى بك وأنت على خوحي تذود عنه الناس وإن علي

لأباريق [مثل] عذد نجوم السماء، وإلى وأنت والحسن والحسين وفاطمة وعقيل

وجعفر في الجنة ﴿أخونا على سرر متقابلين﴾ لا ينظر أحد في قفا صاحبه."

(۳۱) وأخرج (الطبراني) في (الأوسط) بإسناد رجاله ثقات، عن ثوبان مولى

رسول الله ﷺ أن رسول الله ﷺ دعا لأهله فذكر عليًا وفاطمة وغيرهما، فقلت:

يا رسول الله! أنا من أهل البيت؟ قال: "نعم! ما لم تقم على باب سدة أو تأتي أميرًا

تسأله."

(۳۲) وأخرج (الطبراني) في (الأوسط) و(الكبير) ورجالهما رجال الصحيح.

غير الحسن بن سهل - وهو ثقة، عن جابر، أنه سمع عمر بن الخطاب يقول للناس

حين تزوج بنت علي: ألا تهتوني؟ سمعت رسول الله ﷺ يقول:

"ينقطع يوم القيامة كل سب ونسب إلا سبى ونسبى."

(۳۳) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) بإسناد رجاله ثقات، عن ابن عباس أن

رسول الله ﷺ قال:

"كل سب ونسب منقطع يوم القيامة إلا سبى ونسبى."

(۳۴) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) بإسناد فيه إبراهيم بن زكريا القندي،

ولم يعرف حاله، عن أم بكر بنت المسور بن مخزومة أن الحسن بن علي خطب إلى

المسور بن مخزومة ابنته، فزوجته، وقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول:

"كل سب منقطع يوم القيامة إلا سبى ونسبى." (۵۱)

حواشي

(۱) (مسلم): ۱۰۹/۲-۱۰۹/۳ من حديث زيد بن أرقم بنصه، ومن طرق أخرى، وفي إحداهما

بعد: "والذين حرموا الصدقة بعده." قال: ومن هم؟ قال: "هم آل علي وآل غيل وآل

جعفر، وآل القباس. قال: كل هذا لا حرم الصدقة؟ قال: "نعم."

وهو عند (أحمد) من حديثه. ومن طرق أخرى: ۱۰۳/۳، ۵۹۰، ۲۶۰، ۳، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱

- وہو عند (أحمد): ۱۶۳/۶ و (قسمہ الأول) أبوداؤد: کتاب اللباس: ۱۷۲/۴
- (۴) سیرد بعد، وانظر عن الحديث بمختلف رواياته (مشكل الآثار): ۳۳۴-۳۳۹
- (۵) (الترمذی) من حديث أنس (بلفظه: تحفة تفسير سورة الأحزاب: ۶۸/۹) وانظر تفسيرها في (فتح القدير): ۳۷۸-۳۷۹
- (۶) (الترمذی): ۶۶/۹ والعبارة الأخيرة بين القوسين ليست فيه، (المستدرک): ۱۳۶/۳، ورواه (الطبرانی) في (الكبير) من عدة طرق: ۵۱-۳۶/۳ (من رقم ۳۶۶۳-۳۶۷۴) والحديث بمختلف طرقه و شرحه في (فتح القدير): ۳۷۹/۳
- (۷) (الترمذی): تفسير سورة آل عمران (تحفة: ۳۳۹/۸-۳۵۰)، وأخرجه مطولاً في (مناقب علي: ۳۲۸/۱۰)، والآية ۶۰ من آل عمران تمامها: ﴿...وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ فَدَنَمَ بُنْهَلٍ فَسَجَلْ لَعْنَتُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ وتسمى بآية (المباهلة) من (الابتهال) وهو الاجتهاد في الدعاء باللعن وغيره.
- (۸) وانظر تفسيرها في فتح القدير: ۳۳۶-۳۳۷/۱ (المستدرک): ۱۳۷/۳
- (۹) (المستدرک): ۱۳۸/۳ وقد تقدمت الآية (۳۳/۳)
- (۱۰) (المستدرک): ۱۳۹/۳ ومقتضيه فيه: "...فإذا خالفتها قبيلة من العرب اختلقتوا فصاروا حزب إبليس." وعلق عليه الحافظ الذهبي بأنه (موضوع).
- (۱۱) (الترمذی): تحفة: ۲۹۴/۱۰ (المستدرک): ۱۵۰/۳
- (۱۲) (المستدرک): ۱۵۰/۳-۱۵۱ ومنه [مثل] وفيه بدل "هلك"، "غرق"
- (۱۳) عن (مجمع الزوائد) وتضعيف السند له: ۱۶۸/۹ وزاد على حديث (المستدرک): "ومن قاتلنا في آخر الزمان كمن قاتل مع الدجال."
- و (الطبرانی): الصغير: ۱/۱۳۱، ۱۳۵، ۱۳۹
- (۱۴) (المجمع): أيضاً: ۱۶۸/۹
- (۱۵) عن (كنز العمال): ۹۳/۱۲ رقم (۳۳۱۳۵) عن الطبرانی والحاكم، ومنه الإضافة.
- (۱۶) عنه. أيضاً: رقم (۳۳۱۵۲) عن (ابن عساکر) عن (علي).
- (۱۷) عنه. أيضاً: عن (الخطيب) بلفظه رقم (۳۳۱۵۳) عن (عثمان).
- (۱۸) عنه: (عنهما) برقم (۳۳۱۵۷) وكثرة عن الإكمال برقم (۳۳۱۶۳)
- (۱۹) نقلًا عنه كذلك عن (الأربعة) عن زيد بن أرقم برقم (۳۳۱۵۹)، وهو عند (الترمذی): ۳۷۲/۱۰، و (ابن ماجه). مقدمه: ۶۵/۱ (المستدرک): ۱۳۹/۳
- (۲۰) عن (الكنز). أيضاً: عن (المستدرک) و (أحمد) و (الطبرانی) رقم (۳۳۱۶۳)، وهو نفسه.

- السابق. إلا أنه عن طريق آخر من حديث أبي هريرة: (المستدرک): ۱۳۹/۳
- (۲۱) (أحمد): ۷۷/۱ (الترمذی) (مناقب علي بن أبي طالب): ۲۳۷/۱۰، وقال: "هذا حديث حسن غريب لا نعرفه من حديث جعفر بن محمد إلا من هذا الوجه."
- ونقله المؤلف عنهما عن (كنز العمال): ۹۷/۱۲ برقم ۳۳۱۶۱
- (۲۲) عنهما نقلًا عن (كنز العمال). أيضاً: برقم (۳۳۱۶۲)، وهو عند ابن ماجه: "كتاب الفتن باب خروج المهدي: ۵۱۹/۲ وأوله فيه: "نحن ولد عبدالمطلب سادة أهل الجنة..." الحديث
- (۲۳) عنهما: عن الكشي: برقم (۳۳۱۷۴) وذكر أيضاً (أحمد)، وهو عند الحاكم في (المستدرک): ۱۳۷/۳
- (۲۴) عنه. أيضاً: عن أبي نعيم في (الحلية) برقم (۳۳۱۹۷)
- (۲۵) عن (مجمع الزوائد) عن (الأوسط) ومنه تضعيف عاصم بن عبيد الله: ۱۶۳/۹
- (۲۶) عن (المجمع): أيضاً: ۱۶۹/۹
- و (الثملة): كساء يشتمل فيه، وما زال اسمه في اليمن حتى اليوم.
- (۲۷) عنه. أيضاً: ۱۶۸/۹، وانظر ما ورد عن أم سلمة بهذا الصدد (الكبير): ۳۶۳-۵۱
- (۲۸) بلفظه عن (المجمع): ۱۷۰-۱۷۱ وما بين القوسين للمؤلف عن ابن حجر.
- (۲۹) عن (المجمع): أيضاً: ۱۷۲/۹
- وفي تاريخ بغداد: ۱۳۸/۱ لم يذكر أنه كان يصلي حين الطعنة بل كان راكعاً بغلته، وانظر مقاتل الطالبيين.
- (۳۰) عن (المجمع): أيضاً: ۱۷۳/۹، وقد أسقط المؤلف بعد "علي سرور متقابلين" العبارة التالية وبما لا اعتقاده أنها مقحمة أو من حديث آخر:
- "أنت معي وشيعتك في الجنة، ثم قرأ رسول الله ﷺ إخواناً علي سرور متقابلين"
- وعنه أخرجه مختصراً: (كنز العمال): ۱۰۹/۱۲ رقم (۳۳۲۴۵)
- (۳۱) عن (المجمع): ۱۷۳/۹
- (۳۲) نفسه: ۱۷۳/۹، وهو في (الكبير) من حديثه: ۳۶/۳ رقم (۲۶۳۳ و ۲۶۳۵)
- وقد أخرجه الحاكم في (المستدرک): ۱۷۲/۳ وقال: صحيح الإسناد فتعقبه الذهبي بقوله: "قلت منقطع" ورواه عبدالرزاق في مصنفه (۱۰۳۵۳)
- (۳۳) نفسه: ۱۷۳/۹، وعن (الكبير) و (أحمد): (كنز العمال) (۳۳۲۴۳) وإضاف "وصهري".
- (۳۴) نفسه: ۱۷۳/۹-۱۷۴، وهو عند (أحمد): عن (البسور) ۳۳۲/۳

مفسرین کی تصریحات

مولانا اور لیس کا مدح صلی لکھتے ہیں:

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں، یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے، وہ یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسین رضی اللہ عنہم کو اپنی عبا میں داخل کر کے فرمایا:

اللہم هؤلاء اہل بیٹی۔

ترجمہ: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

اس سے بعض "مفسرین" نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں۔

حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان کو بھی پاک کر دے۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُتُبَكُمْ تَطْهِيرًا۔

کی فضیلت میں داخل اور شامل فرما، اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپ کا مقصود حضرت

تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں۔ اور اس حدیث کے بعض طرق

میں آیا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان حضرات مذکورین کو عبا میں داخل کر کے دعا

فرمائی تو اُم المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی ان

میں شامل فرما لیجیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عبا میں داخل

کرنے کی ضرورت نہیں، تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو۔ (۵۲)

کیونکہ ان تمام آیات کا نزول تمہارے ہی بارے میں ہے اور ان آیات میں اول تا آخر

تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں اور ازواج مطہرات ہی ان خطابات کی اولین مخاطب

ہیں، لہذا ان کے لیے اس قسم کے عمل کی اور کسی قسم کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں۔ ان کا اہل بیت

ہونا قطعی اور یقینی ہے۔ البتہ داماد اور داماد کی اولاد کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کو حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ قرار دیا جائے یا ان کو مستقل اور علیحدہ گھرانہ سمجھا جائے، اس لیے حضور

پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر

میں لے کر یہ دعا کی، "اللہم هؤلاء اہل بیٹی۔" الخ۔

تاکہ اس دعا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات کے ساتھ اس وعدہ نعمت و

کرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبی کے گھرانہ کے لیے ارادہ فرمایا ہے۔ اگر اس آیت کا اصل نزول حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہوتا تو آپ ﷺ کو دعا کی ضرورت نہ ہوتی۔

غرض یہ کہ عبا میں داخل کر کے دعا کرنا ان لوگوں کے لیے تھا جن کے لیے اہل بیت

ہونے میں کسی قسم کا شبہ ہو سکتا تھا، اور ازواج مطہرات کا تو اہل بیت ہونا ایسا قطعی اور یقینی تھا کہ

جس میں کسی قسم کے شبہ کا امکان ہی نہ تھا، اس لیے ان کو عبا میں داخل کرنے اور "اللہم هؤلاء

اہل بیٹی" کہنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے

اجنبی تھے، اس لیے ان کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عبا میں کیونکر داخل کیا جاسکتا تھا۔

اور ایک روایت یہ ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کیوں نہیں۔ اور حضرت علی اور

حضرت فاطمہ اور حسین رضی اللہ عنہما کی دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

کو بلایا اور اپنی کساء میں داخل کر کے ان کے لیے دعا فرمائی۔

اور جس طرح احادیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو عبا میں داخل کر کے دعا

کرنے کا ذکر آیا ہے، اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے

متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور ان کی اولاد کو اپنی کساء (کبل) میں

داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات کے ساتھ دوسرے اعزہ

واقارب بھی اس نعمت و کرامت میں داخل ہو جائیں۔ پس ان کو اس نعمت و کرامت میں شریک

کرنے کے لیے آپ ﷺ نے یہ دعائیں فرمائیں۔ پس آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور ان کی اولاد کو بھی اپنی دعا سے اس وعدہ میں داخل فرمایا۔ اگر یہ

آیت ان ہی کے حق میں نازل ہوئی ہوتی تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی، اور آپ ﷺ حصول حاصل

کی کیوں دعا فرماتے۔ اور جو بات تھی اُس کے حاصل کرنے کی کیوں کوشش کرتے۔ اس لیے آپ

ﷺ نے پہلی بار اُم المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا، کیونکہ اس دعا کو ان

کے حق میں تحصیل حاصل جانا۔ کیونکہ آیت کا نزول ہی آپ ﷺ کی بیٹیوں کے بارے میں ہوا۔

البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا سے فارغ ہو جانے کے بعد ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر جو دعا کی، وہ محض ان کی دلجوئی کے لیے فرمائی، ورنہ آپ ﷺ نے صراحتاً فرما دیا تھا کہ ٹو بلاشبہ میرے اہل میں سے ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کی فضیلت اور کرامت کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اور آیت ہذا سے پہلے اور اس تمام رکوع میں تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں۔ اور ”وَقَوْلُنَّ فِیْ بُیُوتِكُنَّ“ میں اور ”وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰی فِیْ بُیُوتِكُنَّ“ میں بیوت کی نسبت بھی ان ہی کی طرف کی گئی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص عنایات پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کا دل چاہا کہ اہل بیت کے عموم میں اپنی اولاد کو داخل کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ اے اللہ! علی اور فاطمہ اور حسین یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان کو بھی اس خاص رحمت و کرامت اور عنایت میں شریک فرما۔ (۵۲)

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

اوپر کی آیات میں نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب تھا، اس لیے بیعت تائید خطاب کیا گیا۔ یہاں اہل بیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ ان کی اولاد و آباء بھی داخل ہیں، اس لیے بیعت مذکور فرمایا، ”عنکم، ویطہرکم۔“

اور بعض ائمہ تفسیر نے اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات قرار دیا ہے۔ حضرت عکرمہ و مقاتل نے یہی فرمایا ہے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس سے بھی یہی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات کو قرار دیا ہے اور استدلال میں اگلی آیت پیش فرمائی:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰی فِیْ بُیُوتِكُنَّ. (روہ ابن ابی حاتم و ابن جریر)

اور سابقہ آیات میں نساء النبی کے الفاظ سے خطاب بھی اس کا قرینہ ہے۔ حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مہبلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ (۵۳)

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۰ء) لکھتے ہیں:

یہاں لفظ اہل البیت سے روافض ”بیعت“ مراد لیتے ہیں، جو قرآن کے سیاق و سباق کے سراسر خلاف اور لغت و عربیت کی رو سے قطعاً غلط ہے۔ جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے، اس سے پہلے پانچ آیتوں میں ازواج مطہرات سے خطاب چلا آ رہا ہے۔ ان تمام آیتوں میں جمع مؤنث مخاطب کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں، اور خود اس آیت میں اس لفظ سے پہلے چھ صیغے جمع حاضر کے موجود ہیں، جن سے ازواج مطہرات مخاطب ہیں۔

اس لیے لامحالہ یہاں ”اہل بیت“ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں۔ اگر اس سے بیعت مراد لیے جائیں تو تعلیم قرآن مختل ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباس، عکرمہ اور عروہ سے مروی ہے کہ یہاں اہل بیت سے ازواج مطہرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ (۵۵)

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا. (سورۃ الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اے پیغمبر کے گھر والو! اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تم کو خوب اچھی طرح پاک و صاف کر دے۔ (۵۶)

علامہ محمد اور لیس کا نہ حلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارک کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آیت تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی، جیسا کہ آیت کا سیاق و سباق اس کے لیے شاہد عادل ہے۔ جس کے لیے نہ کسی تاویل کی حاجت ہے اور نہ کسی توجیہ کی ضرورت۔ اول سے آخر تک خطاب ازواج مطہرات کو ہے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا اور ان کو جمع کر کے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ. فَادْخُلْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا.

ترجمہ: اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان سے بھی گندگی کو دور فرما اور ان کو پاک کر۔

جس طرح آیت ”لَمَسْجِدَ اُنِسَ عَلَى الثَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ“ دراصل مسجد قباء کے

بارے میں نازل ہوئی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا، کیونکہ وہ بدرجہ اولیٰ اس کی مستحق ہے، اسی طرح آیہ تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی، مگر چونکہ آپ ﷺ کی آل و اولاد بدرجہ اتم اس کی مستحق تھی، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایا۔ باقی ازواج تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہیں، ان کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان آیات کا نزول ہی ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا۔

آیات میں اول سے آخر تک تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں، بلکہ اصل مقصد لغت یہ ہے کہ ازواج اصالتاً داخل ہوں اور ذریت جمعاً۔ کیونکہ اہل بیت کے معنی لغت میں گھر والوں کے ہیں، اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے، اور لفظ ”آل“ اصل میں اہل تھا، اس لیے اس کا اصل مصداق بھی بیوی ہے۔ (۵۷)

سورۃ الاحزاب کا چوتھا رکوع پورا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوا ہے اور نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی خطاب تھا، اس لیے بیحد تائید خطاب فرمایا، مثلاً:

- | | | |
|-----------------|------------------|-----------------|
| ۱۔ قل لازواجک | ۲۔ کنتن | ۳۔ تردن |
| ۴۔ کتعالین | ۵۔ امتعن | ۶۔ اسرحکن |
| ۷۔ ان کتن | ۸۔ تردن | ۹۔ منکن |
| ۱۰۔ ینساء النبی | ۱۱۔ من بات منکن | ۱۲۔ یقنت |
| ۱۳۔ منکن | ۱۴۔ تعمل | ۱۵۔ نؤتھا |
| ۱۶۔ اجرھا | ۱۷۔ اعتدلنا لھا | ۱۸۔ ینساء النبی |
| ۱۹۔ لستن | ۲۰۔ ان اتقین | ۲۱۔ فلا تخضعن |
| ۲۲۔ قلن | ۲۳۔ قرن | ۲۴۔ فی بیوتکن |
| ۲۵۔ لاتبرجن | ۲۶۔ اقمین الصلوۃ | ۲۷۔ آتین الزکوۃ |
| ۲۸۔ اطعن اللہ | ۲۹۔ واذکرن | ۳۰۔ بیوتکن |

تیس خطابات مؤنث کے صیغہ میں ہوئے ہیں اور مذکر صیغہ صرف تین ہیں: لیذهب، عنکم، یتطہرکم۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔ (۵۸)

محمد شین کی تصریحات

چند محمد شین کی تصریحات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) رقم طراز ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث التثبید میں ”آل محمد“ سے مراد آپ ﷺ کے گھرانے والے ہیں۔ اس ضمن میں دو روایتیں پائی جاتی ہیں: ایک میں کہا گیا ہے، ”آل محمد“ سے مراد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی اولاد ہے، کیونکہ حدیث کی اکثر روایات میں ”آل محمد“ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جبکہ حدیث ابی حمید کی روایت میں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ”وازدواجہ وذریۃ“ آیا ہے جس سے ”آل محمد“ کی تشریح و توضیح بیان ہوئی ہے کہ ”آل محمد“ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی ذریت ہے۔

بنابریں تشہد میں ”آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں اور جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے وہ بھی آل میں شامل ہیں۔ اور اسی طرح آپ ﷺ کی اولاد (نسل) بھی اس میں شامل ہے۔ اس طرح ان احادیث میں تطبیق دی جاسکتی ہے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ”آل محمد“ سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، ”مناشیع آل محمد من خبز مادوم ثلاثاً“ اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، ”اللہم اجعل رزق آل محمد قوتاً“ اس میں بھی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ازواج مطہرات مراد ہیں۔ (۵۹)

محمد شہیر علی بن سلطان محمد القاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

”اہل البیت“ وفيہ دلیل علی ان نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اہل بیتہ. ایضاً لانہ مسبوق بقولہ ”یانساء النبی لستن کاحد من النساء“، و ملحق بقولہ ”واذکرن ما یطلى فی بیوتکن“۔ (۶۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں، معلوم ہونا چاہیے کہ ”اہل بیت“ کا اطلاق چند معنی

میں ہوتا ہے:

(۱) وہ لوگ جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے اور وہ بنو ہاشم ہیں۔ اور ان میں آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث بھی شامل ہیں۔

(۲) اور بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کو "اہل بیت" کہا گیا ہے، جن میں ازواج مطہرات یعنی طور پر شامل ہیں۔ لہذا جو لوگ اہل بیت سے ازواج مطہرات کو خارج کرتے ہیں، وہ مکابرہ کا شکار ہیں اور آیت کے سیاق کی مخالفت کرتے ہیں۔ فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

کیونکہ اس میں خطاب ہی ازواج کو ہے، آیت سے پہلے اور بعد میں ازواج مخاطب ہیں، لہذا درمیان کی آیات سے ان کو کیسے نکالا جاسکتا ہے! چنانچہ امام فخر الدین محمد رازی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو شامل ہے، کیونکہ آیت کا سیاق و سباق پوری شدت سے اس کا متقاضی ہے۔ پس ازواج مطہرات کو اہل بیت کے مصداق سے خارج کرنا اور ان کے علاوہ دوسروں کو اس مصداق کے ساتھ شخص کرنا صحیح نہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں، یہ کہنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے کہ "اہل بیت" کا مصداق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ازواج مطہرات ہیں، اور ان میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ نیز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی نسبت و تعلق اور خانگی قرب رکھنے کے سبب اہل بیت میں سے ہیں۔

(۳) اور کبھی "اہل بیت" کا اطلاق یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص ہے حضرت فاطمہ زہرا، حضرت علی اور حسین سلام اللہ علیہم اجمعین کے لیے، جس پر متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں۔ وبالجملة اطلاق اہل بیت بزیں چہارتن پاک شائع و مشہور است۔

ترجمہ: بلکہ ان ہی چارتن پاک پر اہل بیت کا اطلاق شائع اور مشہور ہے۔

لہذا علماء کرام ان تمام روایات میں تطبیق اور ان کے اطلاقات کی توجیہ میں یہ کہتے ہیں کہ "بیت" کی تین نوعیتیں ہیں:

۱۔ بیت نسبت

۲۔ بیت سکنی

۳۔ بیت ولادت

پس بنو ہاشم یعنی عبدالمطلب کی اولاد کو نسب اور خاندان کے اعتبار سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بیت (اہل خاندان) کہا جائے گا۔ دراصل عرب میں جد قریب کی اولاد کو بیت (یعنی خاندان یا گھرانہ) کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے، فلاں گھرانہ بہت معزز ہے، یا فلاں شخص شریف خاندان کا ہے۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سکنی کہا جائے گا، جیسا کہ عرف عام میں بھی کسی شخص کی بیویوں کو اس کے اہل بیت "گھر والی" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو اہل بیت ولادت کہا جائے گا۔ اور اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد پر اہل بیت کا اطلاق کیا جانا چاہیے، لیکن تمام اولاد میں حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین سلام اللہ علیہم اجمعین کو جو خاص فضل و شرف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کمال قرب و تعلق حاصل تھا اور یہ کہ ان کے فضائل و مناقب جس کثرت سے احادیث میں وارد ہوئے، اُس بنا پر اہل بیت ولادت کا خصوصی و امتیازی مصداق صرف یہی چارتن مانے گئے ہیں۔ (۶۱)

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

ابن ابی حاتم ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "انہا نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" تحقیق یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

اور ابن جریر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، "بے شک وہ اعلان کرتے تھے بازاروں میں کہ یہ آیت "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ" آخر تک، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی۔ اور ملاحظہ ہو، سیاق و سباق آیت سے بھی ظاہر ہی ہے، کیونکہ ابتدا سے یُنِسَاءَ النَّبِيِّ لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنَ النِّسَاءِ تَأْوِطُ لَنَاسٍ بَلْ وَالْحَكْمَةُ تَكُنْ ازواج مطہرات سے خطاب ہے۔

یعنی اے عورت نبی! تم ایسی نہیں ہو جیسے عام عورتوں سے کوئی عورت ہو، اور اطاعت کرو تم اللہ کی۔ پس خطاب بھی ان کی طرف ہے اور امر و نہی بھی انہی سے واقع ہوتا ہے۔ پس ایک کلام کے درمیان میں کہ ابھی وہ منقطع نہیں ہوا، دوسرے کا حال ذکر کرنا اور دوسرے کی ابتدا اذنا مخالف

روش بلغاء کے ہے اور کلام اللہ اس سے پاک ہے۔

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں:

اور جو کچھ ترمذی اور دیگر صحاح میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار آدمیوں کو بھی ایک کبیل میں گھیر لیا اور دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، فَأَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا.

ترجمہ: اے بار خدا! یہ میرے اہل بیت ہیں، سو دور کر ان سے نجاست کو اور پاک کر دے ان کو پاک کرنا۔

اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یا حضرت! مجھ کو بھی شریک کر لیجیے۔ فرمایا: "انت علی خیر وانت علی مکانک" صریح دلیل اس بات کی ہے کہ یہ آیت ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے ان چار آدمیوں کو بھی اپنی دعا سے اس وعدے میں داخل کیا ہے۔

پس اگر ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی، اور حضرت کیوں اس بات کے حصول کی، جو حاصل تھی، دعا کرتے۔ اسی واسطے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شریک نہیں کیا کہ ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا۔

اور محقق اہل سنت کہتے ہیں کہ ہر چند یہ آیت ازواج مطہرات کے خطاب میں ہے لیکن اس سبب سے کہ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب (اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصی سبب کا) سب اہل بیت اس بشارت میں شامل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ دعا چار آدمیوں سے موصوف فرمائی بنظر سبب خاص کے بھی اور یہ بھی کہ قرینے ازواج کی خصوصیت کے سابق اور لاحق عبارت سے معلوم کر کے ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ خاص ازواج کے واسطے ہو۔

اسی واسطے بیہی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ اس قسم کا معاملہ جو عباس و حسین اور علی و بتول کو لے کر دعا کی ہے، حضرت عباس اور ان کے لڑکوں کے ساتھ بھی ثابت ہے۔ اور دعا آپ کا یہی تھا کہ اپنے سب اقربا کو لفظ اہل بیت میں، کہ آیت کریمہ میں ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے ساتھ خطاب فرمایا، داخل کریں۔ (۶۳)

علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ/۱۳۷۴ء) فرماتے ہیں:

یہ آیات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ (۶۴)

قول فیصل

فخر المفسرین علامہ عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۳۵ھ) "قول فیصل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں، قول فیصل یہ ہے کہ دراصل اہل بیت تو ازواج مطہرات ہی ہیں اور ان حضرات نے اپنے پیارے فرزندوں کو بھی شامل فرما لیا اور کیوں نہیں، بال بچے اور بہت قریب کے عزیز و اقارب بھی گھر ہی کے لوگ شمار ہوتے ہیں۔ پس اعتقاد صحیح اور محبت خالص یہی ہے کہ ازواج مطہرات اور ان پاکباز لوگوں کو بھی اہل بیت سمجھ کر ان کا تہہ دل سے ادب کرے، جن میں حضرت عائشہ صدیقہ، فاطمہ زہراء اور حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی داخل ہیں۔ (۶۴)

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

والذی یظہر من الآیة انہا عامۃ فی جمیع اہل البیت من الازواج وغیرہم۔ (۶۵)

امام محی السنۃ ابو محمد الحسین بن سعید القراء البغوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

واراد باہل البیت نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہن فی بیتہ، وذهب ابو سعید الخدری وجماعة من التابعین منهم مجاہد وقتادہ وغیرہما الی انہم علی وفاطمة والحسن والحسین... قال زید بن ارقم: اہل بیتہ من حرم الصدقة علیہ بعدہ آل علی و آل جعفر و آل عباس۔ (۶۶)

ترجمہ: سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اہل بیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مراد ہیں، کیونکہ یہی آپ ﷺ کے گھر میں رہائش پذیر تھیں۔ اور ابو سعید خدری اور تابعین کی ایک جماعت، جن میں مجاہد اور قتادہ وغیرہ شامل ہیں، وہ کہتے ہیں، اہل بیت کا مصداق حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے وہ اہل بیت کا مصداق ہیں، ان میں آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس شامل ہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۴۷ھ) لکھتے ہیں:

وقول عكرمة ومقاتل وابن السائب "ان اهل البيت في هذه الاية مختص بزوجاته عليه ليس بجيد اذ لو كان كما قالوا لكان التركيب عن كمن يطهر كمن."

وقال ابو سعيد الخدري هو خاص برسول الله صلى الله عليه وسلم وفاطمه والحسن والحسين.

وروي نحوه عن انس وعائشه وام سلمة وقال الضحاك هم اهله وازواجه. وقال زید بن ارقم والشعبي بنو هاشم الذين يحرمون الصدقة آل عباس وآل علی وآل عقیل وآل جعفر ويطهر انهم زوجاته واهله فلا تخرج الزوجات عن اهل البيت بل يطهر انهن احق بهذا الاسم لملازمتهم بيته عليه الصلاة والسلام. (۶۷)

ترجمہ: عکرمہ، مقاتل اور ابن السائب کا قول ہے کہ اس آیت تطہیر میں "اہل بیت" کا مصداق صرف ازواج مطہرات ہیں۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو آیت میں "عنکم" اور "یطہرکم" کی جگہ "عنکم" اور "یطہرکم" تانیث کا صیغہ استعمال ہوتا۔

اور ابو سعید واضح فرماتے ہیں، "اہل بیت" کا مصداق خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور ایسا ہی حضرت انس، حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اہل بیت کا مصداق آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہے، ازواج مطہرات کو اہل بیت سے نکالا نہیں جاسکتا، بلکہ وہی تو زیادہ حقدار ہیں اس نام کی۔ کیونکہ وہی یعنی ازواج ہی آپ کے گھر میں رہائش پذیر رہی ہیں۔

علامہ عماد الدین اسماعیل بن کثیر (م ۷۴۷ھ) نے متعدد احادیث نقل کی ہیں جن سے

ولایت ہوتی ہے کہ اہل بیت کا مصداق صرف ازواج مطہرات ہی نہیں بلکہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہم اور دیگر اقربا بھی شامل ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ارقم سے پوچھا، "ومن اهل بيته يا زيد؟ اليس نساؤه من اهل بيته؟" اور آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج اہل بیت کا مصداق نہیں ہیں؟

قال نساؤه من اهل بيته ولكن اهل بيته من حرم الصدقة بعده. (۶۸)
ترجمہ: کہا کہ ازواج تو اہل بیت ہی ہیں، لیکن وہ لوگ بھی اہل بیت کا مصداق ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:
وقيل المراد بآل محمد صلى الله عليه وسلم ازواجه وذريته، لان اكثر طرق هذا الحديث جاء بلفظ "وآل محمد" وجاء في حديث أبي حميد موضعه "وازواجه وذرية فدل على ان المراد بالآل الازواج والذرية... فالمراد بالآل في التشهد الازواج ومن حرمت عليهم الصدقة ويدخل فيهم الذرية فبذلك يجمع بين الاحاديث. وقيل: المراد بالآل ذرة فاطمة خاصة. حكاه ابن الرافعة في الكفاية، وقيل المراد بالآل جميع الامة الاجابة. (۶۹)

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ کی بیویاں اور آپ کی اولاد ہے، کیونکہ حدیث کے اکثر طرق میں لفظ "آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم" آیا ہے اور حدیث ابی حمید میں اس کی جگہ "وازواجه وذریۃ" آیا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ آل سے مراد ازواج اور اولاد ہے۔ اور تشہد میں آل سے مراد بیویاں اور وہ حضرات ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور اس میں اولاد بھی داخل ہے، اس طرح تمام احادیث کی مراد جمع کی جاسکتی ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل سے مراد صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے، جیسا کہ امام نووی نے شرح مہذب میں بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تمام قریش آل میں شامل

ہیں۔ اسے ابن رافعہ نے الکفایہ میں ذکر کیا ہے اور ایک قول یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آل سے مراد تمام امت اجابت بھی اس میں شامل ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۷۷ھ) لکھتے ہیں:

وقد ادخل صلى الله عليه وسلم بعض من لم يكن بينه وبينه قرابة
سببته وال نسبته في اهل البيت توسعا وتشبيها كسلمان الفارسي
رضي الله تعالى عنه، حيث قال عليه الصلاة والسلام، "سلمان منا
اهل البيت" وجاء في رواية صحيحة ان واثة قال: وانا من
اهلك يا رسول الله؟ فقال عليه الصلاة والسلام وانت من
اهلي. (۷۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسے حضرات کو، جن کے ساتھ کوئی نسبی یا سببی
قربیت نہیں تھی، اہل بیت میں شامل فرمایا، جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا،
"سلمان منا اہل البیت"۔ سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔ اور ایک صحیح روایت میں
ہے کہ حضرت واثلہ نے عرض کیا، کیا میں آپ کے اہل میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم
میرے اہل میں سے ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ طویل نقیض بحث کے بعد فرماتے ہیں:

والذي يظهر لي ان المراد باهل البيت من لهم مزيد علاقة به
صلى الله عليه وسلم ونسبة قوية اليه عليه الصلاة والسلام بحيث
لا يقيح عرفا اجتماعهم وسكناهم معه صلى الله عليه وسلم في
بيت واحد ويدخل في ذلك ازواجه والاربعه اهل الكساء وعلى
كرم الله تعالى وجهه مع ماله من القرابه من رسول الله صلى الله
عليه وسلم قد نشأ في بيته وجرحه عليه الصلاة والسلام. (۷۱)

ترجمہ: اس بحث سے جو بات میری سمجھ میں آئی ہے، وہ یہ ہے کہ اہل بیت کا مصداق وہ
حضرات ہیں جن کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اور نسب کا زیادہ قوی تعلق ہے اور وہ
ایمان کی پاکیزگی کے حامل بھی ہیں، اور ان کی بود و باش اور رہن سہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ ایک مکان میں ہو۔ اور اہل بیت کا مصداق آپ کی ازواج مطہرات اور کملی والے
چاروں افراد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ہیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور انور صلی اللہ
علیہ وسلم کی قربت کا شرف بھی حاصل ہے اور آپ ﷺ ہی کے گھر، بلکہ آپ ﷺ ہی کی گود میں ان
کی پرورش ہوئی۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۳۲۵ھ) فرماتے ہیں:

مذکورہ احادیث اور ان جیسی دوسری اخبار سے آیت تطہیر کی حضرات اربعہ (حضرت علی،
حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم) کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں ہوتی،
ما قبل اور ما بعد کا کلام بھی اس تخصیص سے انکار کر رہا ہے اور عرف و لغت کی شہادت بھی اس کے
خلاف ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع (م ۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

اصل میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق صرف بیوی پر ہوتا ہے، اولاد اور دوسرے گھر والے
ذیلی طور پر اس میں آجاتے ہیں۔ بیویوں کے ہی رہنے کے مکان (یا کمرے) عام طور پر الگ
الگ ہوتے ہیں۔ (۷۲)

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان
دونوں اقوال میں، جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں، کوئی تضاد نہیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ آیت
ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے وہ مراد ہیں، یہ اس کے منافی نہیں کہ
دوسرے حضرات بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہل بیت میں ازواج
مطہرات بھی داخل ہیں۔ کیونکہ شان نزول اس آیت کا وہی ہیں اور شان نزول کا مصداق آیت
میں داخل ہونا کسی شبہ کا محتمل نہیں، اور حضرت فاطمہ علیہا السلام و حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی ارشاد نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔

اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے
خطاب اور ان کے لیے صیغہ مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس کی درمیانی آیت کو سیاق و
سباق سے کاٹ کر بیحد مذکور عتکم اور یطہرکم فرمانا بھی اس پر شدید قوی ہے کہ اس میں
صرف ازواج ہی داخل نہیں، کچھ رجال بھی ہیں۔ (۷۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۰۲ھ) لکھتے ہیں:

وعلى آل محمد وهم اتباع عند مالك كما تقدم وقال ابن عبد البر في الاستذكار قال بعض اهل العلم ان هذا كلام محتمل التاويل تفسيره حديث ابى حميد ومن تابعه، اللهم صلى على محمد وعلى اهل بيته لان لفظ الآل محتمل لوجوه، منها الاهل ومنها الاتباع، وان ما جملة مرة فسرہ اخرى (۷۳)

ترجمہ: اور "آل محمد" کا مصداق امام مالک کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروی کرنے والے ہیں اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے "استذکار" میں کہا ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک اس کی تفسیر حدیث ابی حمید میں بیان ہوئی ہے۔ آل کا مصداق آپ کی اتباع کرنے والے لوگ ہیں، اس روایت میں ہے، "اللہم صلی علی محمد وعلیٰ ازواجہ وذریتہ"۔ لفظ آل میں کئی احتمال پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک اہل ہے اور ایک احتمال اتباع کرنے والے ہیں، گویا کہ ایک لفظ "آل محمد" جمل تھا اور اس کی تفسیر "وعلیٰ ازواجہ وذریتہ" سے بیان کر دی ہے۔

خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام

امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) مفصل بحث کے اختتام پر بعنوان "خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام" رقم طراز ہیں۔ بعونہ تعالیٰ اس تفسیر سے دس باتیں قطعی طور پر واضح ہو گئیں:

- ۱۔ آیہ تطہیر میں لفظ اہل بیت سے مراد الہی ازواج مطہرات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسرا مرد ہو ہی نہیں سکتا۔
- ۲۔ محاورہ قرآنی میں کسی کا اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہا گیا اور اگر کسی مقام پر لفظ اہل بیت بغیر کسی کی طرف مضاف کیے ہوئے مستعمل ہوا ہے تو وہاں بھی اس گھر کے رہنے والے ہی مراد ہیں نہ کوئی اور۔
- ۳۔ لغت عرب میں بھی کسی شخص کا اہل بیت، سوا اس کی زوجہ کے، کسی کو نہیں کہتے۔

۴۔ مذکر کی ضمیریں، جو آیہ تطہیر میں ہیں، وہ ہرگز قرینہ اس بات کا نہیں بن سکتیں کہ اس آیت میں لفظ اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد نہیں، بلکہ کوئی اور مراد ہیں۔

۵۔ قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کے لیے ہر جگہ مذکر کے صیغے اور ضمیریں مستعمل ہوتی ہیں اور ان میں سے اکثر مقامات میں با اتفاق فریقین سوائے عورتوں کے کوئی مراد نہیں۔

۶۔ اہل بیت کا لفظ اگر حضرت علی و فاطمہ و حسین رضی اللہ عنہم کے لیے وارد ہوا ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے لیے بھی وارد ہوا ہے۔ بلکہ بعض ایسے حضرات کے لیے جو کسی طرح کی قربت نسبی یا صہری یا رضاعی نہ رکھتے تھے، یہی لفظ اہل بیت وارد ہوا ہے، جیسے سلمان فارسی۔ لہذا معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے سوا جن کو بھی اہل بیت فرمایا، وہ پیار و محبت کے طور پر مجازاً فرمایا گیا ہے۔

۷۔ اگر کچھ فرق حضرت سلمان کے اہل بیت ہونے میں اور اہل عباہ کے اہل بیت ہونے میں نکل بھی سکے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے لیے وہ فرق بھی نہیں نکل سکتا۔ وہ اہل عباہ بھی ہیں اور بالکل اسی طرح دعا بھی ان کے لیے ہے۔

۸۔ محققین اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتاً ازواج مطہرات ہیں اور حضرت علی و فاطمہ و حسین و حضرت عباس رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد بدعا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس فضیلت میں شامل کیے گئے ہیں۔

۹۔ ازواج مطہرات کے لیے قرآن کریم گواہی دے رہا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی طالب نہ تھیں، بلکہ اللہ اور رسول و دار آخرت کی طالب تھیں۔ وہ تمام ایمان والوں کی ماں ہیں۔ ان سے ابدی طور پر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح ممنوع ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا نے یہ اختیار سلب کر لیا کہ وہ اپنی ازواج کو طلاق دیں۔ یہ ایک بے نظیر بات ہے۔

۱۰۔ ازواج مطہرات کے برابر کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔ (۷۵)

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"الغرض یہ بات کہ ازواج مطہرات آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں، بلکہ اس لفظ کا اطلاق صرف آپ ﷺ کی ایک بیٹی، ایک داماد اور دونوں سے نہ

تو زبان کے لحاظ سے درست ہے، نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ بلکہ ایک خاص فرقہ کے فکاروں کی ہمازش کے نتیجہ میں اس غلطی نے امت میں عرف عام کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور ہماری سادہ دلی کی وجہ سے اس طرح کی بہت سی دوسری غلط باتوں کی طرح اس کو بھی قبول عام حاصل ہو گیا۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا، حالت یہ ہو گئی کہ ”اہل بیت“ کا لفظ سن کر ہمارے اچھے پڑھے لکھوں کا ذہن بھی ازواج مطہرات کی طرف نہیں جاتا، جو قرآن مجید کی رو سے اس لفظ کی اولین مصداق ہیں۔“ (۷۶)

آیہ تطہیر کا مصداق

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۱. (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے رجس کو دور کر دیں، اے اہل بیت! اور تمہیں اچھی طرح پاک صاف کر دیں۔

آیہ تطہیر میں ”اہل بیت“ سے مراد حضرات مفسرین کے نزدیک بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں۔

علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی (م ۳۷۵ھ) لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ کا قول ہے کہ اس کا نزول ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آیت کی ابتدا اور سلسلہ بیان کا تعلق ازواج مطہرات کے ساتھ ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ كُنَّ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنَ الْبَيْتِ وَالْحَكْمَةِ.

بعض حضرات کا قول ہے کہ آیت کا نزول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور ازواج مطہرات دونوں کے بارے میں ہے، کیونکہ لفظ میں ان سب کا احتمال موجود ہے۔ (۷۷)

امام محی السنہ ابی محمد الحسین بن محمود الفراء البغوی (م ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

واراد باهل البيت نساء النبي ﷺ لانهم في بيته وهو رواية سعيد

بن جبیر عن ابن عباس۔ وتلا قوله ”وَإِذْ كُنَّ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنَ الْبَيْتِ“ (۷۸)

ترجمہ: سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اہل البیت سے مراد نبی کریم ﷺ کی بیویاں ہیں، کیونکہ وہی آپ ﷺ کے گھر میں تھیں۔ اور ابن عباس نے اس کی دلیل میں یہ آیت تلاوت فرمائی: ”وَإِذْ كُنَّ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنَ الْبَيْتِ“۔ امام جبار اللہ محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وفي هذا دليل بين علي ان نساء النبي ﷺ من اهل بيته ثم ذكرهن ان بيوتهن مهابط الوحى وامرهن ان لا ينسبن مايتلى فيها من الكتاب الجامع بين امرين. (۷۹)

ترجمہ: اس آیت میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں اہل بیت ہیں۔ پھر اللہ جل شانہ نے انہیں یہ بات یاد دلائی کہ ان کے گھر نزول وحی کا مقام ہیں اور انہیں حکم دیا کہ جو کتاب دنیا و آخرت کی کامیابی کی جامع ہے اور ان کے گھروں میں پڑھی جاتی ہے، اُسے فراموش نہ کریں۔

امام ابی الفرج عبد الرحمن بن علی ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

”اهل البيت“، تین اقوال پائے جاتے ہیں:

أول: انهم نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم لانهم في بيته.

ترجمہ: بے شک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، اس لیے کہ وہی آپ ﷺ کے گھر میں رہتی تھیں۔

سعید بن جبیر نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے، اور ابی عکرمہ، ابن السائب اور مقاتل کا قول ہے، اور اس قول کی تائید اس آیت کے ماقبل اور مابعد سے ہوتی ہے، کیونکہ وہ تمام آیات ازواج مطہرات کے متعلق ہیں۔ اس قول پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر اس آیت سے پہلے اور بعد کی تمام آیات ازواج مطہرات کے متعلق ہیں تو پھر سب میں ضمیر مونث کی ہونی چاہیے تھی، جبکہ ”عَنْكُم“ اور ”وَيُطَهِّرْكُمْ“۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات بھی تو ازواج

مطہرات کے ساتھ ان کے گھروں میں سکونت پذیر تھے، اس لیے مذکر ضمیر استعمال ہوئی ہے۔

دوم: یہ آیت خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور یہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

سوم: اہل بیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ الضحاک کا یہی قول ہے۔ الزجاج کہتے ہیں، اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور آپ ﷺ کی آل کے مرد حضرات مراد ہیں۔ (۸۰)

امام فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین بن الحسن بن علی الرازی (م ۶۰۳ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ثم ان الله تعالى ترك خطاب المؤنثات، وخطاب بخطاب المذكرين. بقوله (لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ) ليدخل فيه نساء اهل بيته ورجالهم. واختلف الاقوال في اهل البيت، والاولى ان يقال هم اولاده وازواجه، والحسن والحسين منهم، وعلی منهم، لانه كانه من اهل بيته بسبب معاشرته ببنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ملازمته للنبی. (۸۱)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے مؤنث کا خطاب چھوڑ کر مذکر کا خطاب اختیار فرمایا، جیسا کہ ”عنکم“ ہے، تاکہ اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی عورتوں اور دیگر مردوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ اور ”اہل بیت“ کے مصداق میں مختلف اقوال ہیں۔ سب سے بہتر یہ قول ہے، وہ آپ ﷺ کی اولاد اور بیویاں مراد ہیں، اور حسن، حسین بھی ان میں شامل ہیں، اور علی بھی ان میں شامل ہیں۔ کیونکہ وہ بھی آپ ﷺ کی بیٹی کی نسبت سے آپ ﷺ کے گھر میں ہمیشہ رہائش پذیر رہے۔

امام ابو عبد اللہ بن احمد القرطبی (م ۶۷۲ھ) رقم طراز ہیں:

وقد اختلف اهل العلم في اهل البيت، من هم؟ فقال عطاء وعكرمة و ابن عباس، هم زوجاته خاصة. (۸۲)

ترجمہ: اہل بیت کون ہیں؟ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ عطاء، عکرمہ اور ابن عباس کہتے ہیں، اہل بیت صرف ازواج مطہرات ہیں۔

امام ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النفشانی (م ۷۰۱ھ) لکھتے ہیں:

وفيه دليل على ان نساؤه من اهل بيته. (۸۳)

ترجمہ: اور اس میں دلیل ہے کہ بیویاں اہل بیت سے ہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن حیان الشیمری بابی حیان (م ۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:

وقول عكرمة ومقاتل وابن السائب ان اهل البيت في هذه الآية بزوجهات و يظهر انهم زوجاته واهله فلا تخرج الزوجات عن اهل البيت، بل يظهر انهن احق بهذا الاسم لملازمتهم بيته عليه الصلاة السلام. وقال عطية، والذي يظهر ان زوجاته لا يخرجن عن ذلك البتة فهل البيت زوجاته وبنوه وبنوها وزوجها. وقال الزمخشري، وفي هذا دليل على ان نساء النبي ﷺ من اهل بيته. ثم ذكر لهن ان بيوتهن مهابط الوحى، وامرهن ان لا ينسبن ما ينلن فيها من الكتاب الجامع بين امرين. (۸۴)

ترجمہ: عکرمہ، مقاتل اور ابن السائب کہتے ہیں، اس آیت میں اہل بیت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں ہی آپ ﷺ کی آل تھیں، اس لیے بیویوں کو اہل بیت سے خارج نہ کرو، بلکہ وہی تو اہل بیت کہلانے کی زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ وہ ہمہ وقت آپ ﷺ کے گھر میں رہائش پذیر تھیں۔ اور عطیہ کا قول ہے کہ ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج نہ کیا جائے، البتہ آپ ﷺ کی ازواج اور آپ ﷺ کی بیٹی اور اس کے بیٹے اور اس کے شوہر بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ اور زمخشری کہتے ہیں، اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی اہل بیت ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے گھروں کو مہبط وحی قرار دیا، اور انہیں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تمہارے گھروں میں کتاب اللہ سے پڑھا جاتا ہے، اُسے نہ بھولنا۔

امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) نے اس آیت پر مفصل بحث فرمائی ہے، اور متعدد روایات سے واضح فرمایا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بطور نمونہ چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

۱۔ واخرج ابن ابی حاتم وابن عساکر من طریق عکرمہ رضی اللہ عنہ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قوله "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ" قال: نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصة. وقال عکرمہ رضی اللہ عنہ، من شاء باہلته انہا نزلت فی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

۲۔ واخرج ابن جریر وابن مردويه عن عکرمہ رضی اللہ عنہ فی قوله "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ" قال ليس بالذی تذهبون اليه، انما هو نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

۳۔ واخرج ابن سعد عن عروۃ رضی اللہ عنہ "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ" قال یعنی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۸۵) علامہ عماد الدین ابن کثیر (م ۷۷۷ھ) لکھتے ہیں:

یہ آیت اس بات پر نازل ہے کہ رسول خدا ﷺ کی بیویاں ان آیتوں میں اہل بیت میں داخل ہیں، اس لیے کہ یہ آیت اُن ہی کے بارے میں اتری ہے۔ آیت کا شان نزول تو آیت کے حکم میں داخل ہوتا ہی ہے، گو بعض کہتے ہیں کہ صرف وہی داخل ہوتا ہے، اور بعض کہتے ہیں وہ بھی اور اس کے سوا بھی، اور یہ دوسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔

حضرت عکرمہ تو بازاروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ یہ آیت نبی ﷺ کی بیویوں ہی کے بارے میں خاصہ نازل ہوئی ہے۔ (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت عکرمہؓ تو یہاں تک فرماتے ہیں، جو چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے، یہ آیت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

طویل بحث کے بعد مولانا موصوف فرماتے ہیں:

جس شخص کو نور معرفت حاصل ہو اور قرآن میں تدبر کرنے کی عادت ہو، وہ یقیناً بیک نگاه جان لے گا کہ اس آیت میں حضور ﷺ کی بیویاں بلا شک و شبہ داخل ہیں، اس لیے کہ گزشتہ کلام ہی

ان کے متعلق چل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ہی فرمایا کہ خدا کی آیتیں اور رسول اللہ ﷺ کی باتیں، جن کا درس تمہارے گھروں میں ہو رہا ہے، انہیں یاد رکھو اور اُن پر عمل کرو۔ (۸۶) علامہ آلوسی (م ۱۲۷۷ھ) لکھتے ہیں:

اہل سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں، سیاق و سباق کی آیات اسی پر بحث کرتی ہیں۔ ازواج مطہرات کے گھروں کے علاوہ آپ ﷺ کا کوئی گھر نہیں تھا جس میں آپ ﷺ سکونت اختیار فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص طور پر ازواج مطہرات کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت عکرمہؓ تو کہتے تھے، جو چاہے میرے ساتھ مباہلہ کر لے، یہ آیت ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن جریر نے یہ روایت بھی نقل کی ہے، بلکہ حضرت عکرمہؓ بازاروں میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ آیت تطہیر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور ابن سعد حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی بیویاں ہیں۔ (۸۷)

علامہ عبدالحق حقانی دہلوی (م ۱۳۳۵ھ) لکھتے ہیں:

اہل البیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں، اور اصطلاح میں، خصوصاً عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق نبوی پر ہوتا ہے۔ گو گھر میں بیٹا، بیٹی، نواسے، نواسی بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح نوکر چاکر، خادم بھی، اور اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ یہی اہل البیت کا لفظ خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبی پر بھی مستعمل ہوا ہے۔

أَفْضَحِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ.

اور عرب بولتے ہیں، "کیف اہلک"، یعنی گھر والی کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ہمارے عرف میں بھی اہل خانہ، گھر والی نبوی کو کہتے ہیں۔

اس لیے علماء اسلام کا ایک جم غفیر اس کا قائل ہوا ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ ابن عباسؓ و عکرمہؓ و عطاءؓ، و کلثمیؓ و مقاتلؓ و سعید بن جبیرؓ اسی کے قائل ہیں۔ عکرمہؓ کہتے ہیں، میں اس بات پر مباہلہ کر سکتا ہوں۔

وہ کہتے ہیں، اوّل میں بھی خطاب نبی کی بیویوں سے ہے، "کما قال قل ازواجک" اور یہاں تک ان ہی کے متعلق احکام چلے آتے ہیں۔ گھر میں بیٹھنا وغیرہ اور بعد میں ان ہی کی

طرف خطاب ہے، "وَأَذْكُرُونَ مَا يَنْتَلِي فِي يَوْمٍ يُبْعَثُونَ"۔ اور نیز اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے جو حضرت کی بیویوں کے رہنے کی جگہ ہے، جہاں آپ ﷺ شب باش ہوتے تھے۔ (۸۸)

حضرت العلامة مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۱۳۹۴ھ) نے اس آیت کی مفصل و مدلل اور اجتہادی تفسیر ارقام فرمائی ہے، جسے مکمل نقل کیا جاتا ہے۔ اس آیت کو آیت تطہیر کہا جاتا ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام، ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور آیت میں اہل بیت نبی سے آپ کی بیبیاں مراد ہیں۔ اور تطہیر سے تزکیہ نفس، تہذیب باطن اور تصفیہ قلب مراد ہے، جو تہذیب باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے، جس کے حصول کے بعد گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں، مگر انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہو جاتے۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت علی مرتضیٰ، فاطمہ الزہراءؑ اور حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں، اس لفظ سے سوائے ان کے کوئی مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خود اہل سنت کی صحیح ترین احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ، فاطمہ الزہراءؑ اور حسینؑ کو بلایا اور اپنی کمری ان چاروں پر ڈال دی اور فرمایا، "اللَّهُمَّ هُوَ لَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، فَأَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا"۔ "اے اللہ! یہ چاروں میرے اہل بیت ہیں، پس ان سے رجس، یعنی گندگی اور ناپاکی کو دور کر دے اور خوب پاک کر دے۔ نیز اس آیت میں لفظ منکم اور وسطہر کم میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں وہ صاف بتا رہی ہیں کہ اس آیت میں خطاب ازواج کو نہیں۔ معلوم ہوا کہ آیت میں لفظ اہل بیت سے یہی چار اشخاص مراد ہیں۔

دوسری بات اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اذہاب رجس اور تطہیر سے گناہوں سے پاک کر دینا، یعنی معصوم بنادینا مراد ہے، جس سے ان چار حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ شیعہ اہل بیت کی عصمت ثابت کرنے کے لیے آیت تطہیر کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

جواب: اہل تشیع کا یہ تمام استدلال دو باتوں پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ لفظ اہل بیت سے

صرف چار اشخاص مراد ہیں: حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسینؑ۔ دوم یہ کہ اذہاب رجس اور تطہیر سے معصوم بنادینا مراد ہے۔ جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں گی، شیعوں کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ مگر آج تک شیعہ ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکے۔

پہلی بات کا جواب

پہلی بات کے متعلق علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ لفظ "اہل بیت" اور لفظ "آل" لغت عربی میں دونوں ہم معنی ہیں۔ لغت میں اہل بیت کے معنی اہل خانہ کے ہیں، یعنی گھر والوں کے ہیں، جو مستقل طور پر گھر میں رہتے ہیں۔ جن میں ازواج اصلاء داخل ہیں اور اولاد اور ذریت بعد داخل ہیں۔ خدمتگاروں، لونڈیوں اور غلاموں پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ عرف میں اور محاورہ میں جب لفظ اہل خانہ بولا جاتا ہے تو ہر کس و نا کس اس کا یہی مطلب سمجھتا ہے کہ جو لوگ گھر میں رہتے ہیں اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے ہوں، اور ظاہر ہے کہ اس وصف میں اصل بیبیاں ہیں جو ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں۔ بیٹوں اور بیٹیوں کا ہمیشہ گھر میں رہنا خلاف عادت ہے، خاص کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ اور گھروں میں سوائے آپ ﷺ کی ازواج کے کوئی نہیں رہتا تھا۔ شادی ہونے کے بعد بیٹے خود اپنا مکان بنا لیتے ہیں۔ نکاح کے بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نہ تان و نطفہ فرض رہتا ہے اور نہ رہنے کا مکان اس کے ذمے واجب رہتا ہے، اور شادی ہونے کے بعد بیٹی داماد کے گھر چلی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہؑ حضرت علیؑ کے گھر میں رہتی تھیں۔ کہا جاتا ہے، "تاهل الرجل اذ تزوج، واهلك الله في الجنة اور فلان متاهل ای متزوج۔"

نیز قرآن کریم کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصلاء داخل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں جب ملائکہ نے ان کو تولد فرزند کی بشارت دی اور پیرانہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا تو فرشتوں نے یہ کہا:

قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَتِ اللَّهُ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں اہل بیت کے خطاب میں حضرت سارہ یقیناً داخل ہوئیں، کیونکہ اصل خطاب انہی سے ہے اور فرشتوں نے حضرت سارہ ہی کو اہل بیت سے خطاب کر کے ان کو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی دعائیں دی ہیں۔ شاید حضرات شیعہ فرشتوں پر کوئی تنقید کریں

کہ تم نے نبی کی زوجہ پر لفظ اہل البیت کا اطلاق کیسے کیا، اور پھر تم نے مؤنث کے لیے مذکر کی ضمیر کیسے استعمال کی اور نبی کی زوجہ مطہرہ کو تم نے رحمة اللہ و برکاتہ علیکم مذکر کے ساتھ کیوں خطاب کیا؟ تم کو چاہیے کہ علیکم کی بجائے علیکن کہتے۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت میں ازواج بھی داخل ہیں اور تعجبین کا اصل خطاب حضرت سارہ کو ہے، جو صغیرہ مؤنث کا ہے۔ اور اس کے بعد رحمة اللہ و برکاتہ علیکم اہل البیت میں اہل بیت کو لفظ مذکر علیکم خطاب کیا۔ اور علامہ زنجبیری نے لکھا ہے کہ اظہار محبت و کرامت کے لیے عورتوں کے لیے مذکر کی ضمیریں لانا کلام عرب میں شائع اور زرائع ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

فان شئت خومت النساء لواءکم

اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے، "قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا"۔ "ورنہ ظاہر کے مطابق "امْكُثِي يَا امْكُثْنِ" ہونا چاہیے تھا۔ اس قسم کے مواقع میں صغیرہ مذکر اور خطاب مذکر لفظ اہل کی رعایت سے لایا گیا ہے کہ وہ اصل میں مذکر ہے۔ اور علیٰ ہذا لفظ آل کے مفہوم اور مدلول میں بھی ازواج داخل ہیں، اس لیے کہ آل کی اصل لغت میں اہل ہے۔ لغت میں آل کا اطلاق اس شخص یا ان اشخاص پر آتا ہے جن کو کسی انسان سے ذاتی اختصاص حاصل ہو، خواہ قرابت قریبہ کی وجہ سے یا کسی خصوصی مولا قیادینی علاقہ کی وجہ سے۔ اہلیہ کو بیوی کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا

ترجمہ: اے آل داؤد! اللہ کا شکر بجالاؤ۔

یہاں لفظ آل میں ان کی ازواج اور اولاد سب ہی داخل ہیں۔

وقال تعالى قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلُنَا الضُّرُّ. وَسَارَ بِأَهْلِهِ. فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا

اس قسم کی آیت میں لفظ اہل کے مفہوم میں بیوی یقیناً داخل ہے۔ "وقال تعالى لَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسَّيِّئَاتِ" یہاں آل فرعون سے وہ تمام اشخاص مراد ہیں جو فرعون سے تعلق رکھتے ہیں۔ "وقال تعالى فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ" یعنی مؤنث کے تابوت کو آل فرعون نے اٹھا لیا۔ یہاں آل فرعون سے فرعون کا تمام اہل بیت مراد ہے، جن میں اس کی بیوی بھی داخل ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللهم جعل رزق آل محمد قوتا

ترجمہ: اے اللہ! آل محمد کا رزق بقدر قوت لایموت کر دے۔

اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے۔ اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

اس دعا سے یہ بھی مفہوم واضح ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کا سالانہ نفقہ قدر قوت سے زیادہ نہ تھا۔ اور پھر ازواج مطہرات سخی بھی تھیں، خصوصاً حضرت زینب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن کی سخاوت تو مشہور تھی۔ اور بخیل تو آپ ﷺ کی کوئی بی بی نہ تھی۔ اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم تو سخی تھے ہی اور اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز بھی تھے۔ پس اس سخاوت اور مہمان نوازی کے بعد تو زیادہ سامان بھی کفایت نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ قدر قوت اور قدر کفایت ان تمام ضروریات کے لیے ملتی ہو جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کس قدر قانع، تبارک الدنیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشق صادق تھیں کہ باوجود فقر و فاقہ کے حضور ﷺ کی زوجیت کو دنیا اور مافیہا سے بہتر اور لذیذ جانتی تھیں۔

فتح خمیر کے بعد ازواج مطہرات نے یہ درخواست کی کہ جس طرح آپ ﷺ دوسروں کو بے دریغ عطا فرما رہے ہیں، اسی طرح ہم کو بھی مالی غنیمت میں سے کچھ عطا فرمایا جائے۔ حضور نے انکار فرمادیا۔ ازواج مطہرات نے اصرار کیا تو اس پر آیت تحخیر کا نزول ہوا، جس میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ متاع دنیا کی طالب ہیں تو حضور ﷺ ان کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیں، اور اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کی طالب ہیں تو اسی حالت (فقر و فاقہ) پر راضی رہیں جس حالت کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔ اور وہ آیت تحخیر یہ ہے کہ جس کی مفصل تفسیر گزر چکی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُحِدْنَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا

فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأَسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا. وَإِن كُنْتُنَّ تُحِدْنَ اللَّهَ

وَزَوْجَهُ وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا

اس آیت تحخیر کے نزول کے بعد تمام ازواج نے حضور پر نور ﷺ ہی کو اختیار کیا، دنیا کو کسی

بی بی نے بھی اختیار نہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ محبت تھی کہ فقر و فاقہ اور تنگی سے رہنا منظور کیا، مگر حضور ﷺ سے علیحدگی منظور نہیں کی۔ چنانچہ اسی محبت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کو عذاب جہنم وغیرہ کی دھمکی نہیں دی، بلکہ اس سے ڈرایا کہ حضور ﷺ تم کو اپنی زوجیت سے علیحدہ نہ کر دیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ازواج مطہرات کے بارے میں اول آیت تخییر نازل ہوئی، پھر جب جب ازواج مطہرات نے اللہ، رسول اللہ ﷺ اور دار آخرت کو اختیار کر لیا تو ان کے بارے میں دوبارہ آیت تظہیر نازل ہوئی، جس سے ان کے شرف اور کرامت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اور اس آیت تظہیر میں جو لفظ اہل البیت آیا ہے، اُس سے اصلاً بلاشبہ و ریب قطعاً اور یقیناً ازواج نبی مراد ہیں۔ کیونکہ ان آیات کے سیاق و سباق میں ازاول تا آخر صراحتاً ازواج مطہرات ہی کو خطاب ہو رہا ہے۔ اور ایسا صریح ہے کہ جس میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ کیونکہ یَسَاءُ النَّبِیِّ لَسُنُّنٌ مَّا خَدَّیْہِ مِنَ النَّسَاءِ سے لے کر وَاطْعُنَ اللّٰہَ، بلکہ وَالْحِکْمَةُ تَنْبِیُّہِ ازواج مطہرات ہی کے متعلق کلام ہے، اور ازاول تا آخر خطاب مؤنث ہی کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ لَسُنُّنٌ اور فِیْ بُیُوتِکُنَّ اور وَاذْکُرْنَ مَا یَنْتَلٰی فِیْ بُیُوتِکُنَّ تک یہ تمام خطابات بہ ضمائر مؤنث ازواج مطہرات ہی کو ہیں، بلکہ اگر شروع کو "یَا نَبِیُّہَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِیْنَ الْحَیْوَۃَ الدُّنْیَا وَرِیْسَتَہَا فَتَعَالٰینَ اَمِیْعُکُنَّ وَاسْرَحِکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا" سے لے کر "اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا" تک تمام صیغوں اور ضمیروں پر نظر ڈالی جائے تو اول سے لے کر آخر تک چھبیس صیغے اور ضمیریں سب مؤنث کی ہیں جو بلا کسی تردد اور تاویل کے صرف ازواج مطہرات کے لیے ہیں اور یَسَاءُ النَّبِیِّ اور قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ کا لفظ تو اس قدر واضح ہے کہ اس میں حضرت علی، حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے دخول اور شمول کا عقلاً و نقلاً کوئی امکان ہی نہیں۔ اب حضرات شیعہ بتلائیں کہ اس کا کیا جواب ہے۔ کلام عرب میں اظہار محبت و عظمت کی غرض سے مؤنث کے لیے تو مذکر کا صیغہ استعمال ہو سکتا ہے مگر مذکر کے لیے مؤنث کا صیغہ اور مؤنث کی ضمیر کا استعمال کہیں سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

قال ابن عباس نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال عکرمۃ من شاء باہلہ۔ (۸۹)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور مکر مد رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں۔ (۹۰)

عترت رسول ﷺ

"عترت رسول ﷺ" کے مفہوم میں بھی بے جا درست اندازی کی گئی ہے، جس طرح آل رسول اور اہل بیت رسول کے مفہوم کو محدود کر دیا گیا۔ عام طور پر "چارتن" مراد لی جاتی ہے، ان ہی کو ذریت طیبہ اور سادات کا نام دیا جاتا ہے۔ جبکہ "عترت" کے معنی میں بیوی، خاندان، قوم، قبیلہ اور اولاد سب ہی داخل ہیں۔ انوی اعتبار سے بھی "عترت" کا اطلاق بیوی، اولاد اور تمام قرہبی رشتہ داروں پر ہوتا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

یا ایہا الناس انی ترکت فیکم من اخذتم بہ لن تضلوا، کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی۔ (۹۱)

ترجمہ: اے لوگو! میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جو کوئی ان کو مضبوطی سے تھامے گا، کبھی گمراہ نہ ہوگا: کتاب اللہ اور میری عترت، یعنی میرے اہل بیت۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی تبارک فیکم ما ان تمسککم بن لن تضلوا بعدی۔ احدهما اعظم من الآخر۔ کتاب اللہ، حبل ممدود من السماء الی الارض، وعترتی اہلبیتی، ولن یتفرقا حتی ید علی الحوض۔ (۹۲)

ترجمہ: میں تمہارے اندر چھوڑ رہا ہوں میرے بعد جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے، کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک ان میں سے عظیم تر ہے، وہ تو اللہ کی کتاب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف پھیلی ہوئی رشتی ہے۔ اور دوسری میری عترت بھی میرے گھر والے ہیں اور وہ الگ الگ نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر وہ میرے پاس آپہنچیں گے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے "عترت" کی تشریح و توضیح خود فرمادی ہے کہ اس سے مراد

میرے ”اہل بیت“ ہیں۔ اور ”اہل بیت“ کا وسیع تر اطلاق ازواج الطہار، بنات طہیات، خاندان نبوت اور ایماندار، متقی، پرہیزگار سب پر ہوتا ہے۔ مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی بن سلطان القاری رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) ”عترت“ کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

قال التوربشتی ”عترۃ الرجل“ اہل بیتہ و رھطہ الادنون۔
ولا تستعملہم العترۃ علی انحاء کثیرۃ بینہا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بقولہ اہل بیٹی۔ لیعلم انہ اراد بذلك نسلہ وعصابہ
الادنین وازواجہ۔ (۹۳)

ترجمہ: توربشتی کہتے ہیں، آدمی کی عترت اس کے گھر والے اور قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور یہ لفظ وسیع تر معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عترت کی تشریح ”اہل بیت“ سے فرمائی ہے، تاکہ ظاہر ہو جائے کہ عترت میں آدمی کا خاندان، قریبی گروہ اور بیویاں سب شامل ہوتی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:

”وعترت قوم و خویشان و نزدیکان مرد و اہل بیت و تفسیر کرد آن را بقول خود“..... مراد این جا از عترت اخص از قوم و اقرباست کہ اولاد جد قریب باشد، یعنی اولاد و ذریعت وی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۹۴)

ترجمہ: اور عترت سے مراد آدمی کی قوم اور قریبی رشتہ دار، خویش و اقارب ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر خود فرمائی ہے کہ اس سے میرے اہل بیت مراد ہیں۔ اور اس جگہ عترت سے مراد بالخصوص قوم، قبیلہ اور رشتہ دار ہیں، کیونکہ دادا کی اولاد ہی قریبی ہوتے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ذریعت۔

سید محمود آلوسی البغدادی رحمہ اللہ (۱۲۷۰ھ) سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں مذکورہ احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

العترۃ الرجل۔ کما فی الصحاح۔ نسلہ و رھطہ الادنون۔

وفی النہایۃ۔ ان عترۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو عبدالمطلب، وقیل

اہل بیتہ الاقربون۔

وہم اولادہ۔ وعلی واولادہ رضی اللہ عنہم۔
وقیل عترتہ۔ الاقربون والا بعدون منہم۔ والذی رجحہ القرطبی۔ انہم
من حرمۃ علیہم الزکاة۔ (۹۵)

ترجمہ: آدمی کی عترت، جیسا کہ صحاح میں ہے، اس کی نسل اور قریبی خاندان ہے۔

اور نہایہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت عبدالمطلب کی اولاد ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عترت سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں، اور وہ آپ ﷺ کی اولاد اور علی اور ان کی اولاد ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ عترت سے مراد قریبی اور دور کے رشتہ دار ہیں۔ اور قرطبی نے ترجیح دی ہے کہ عترت سے مراد آپ ﷺ کے وہ رشتہ دار ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے جن لوگوں پر صدقات اور زکوٰۃ لینا حرام ہے، وہ قوم قریش، بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث شامل ہیں۔ (۹۶)

علمائے اہل بیت بھی اس پر متفق ہیں کہ ”عترت“ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت، خاندان، قبیلہ اور اولاد مراد ہیں۔ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات یقینی طور پر آل، خاندان اور قبیلہ میں شامل ہیں۔

مشہور لغوی امام علامہ ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری رحمہ اللہ (۷۷۷ھ) ”عترت“ کی لغوی توضیح اور تحقیق اس طرح بیان کرتے ہیں:

وعترۃ الرجل۔ اقرباؤہ من ولد وغیرہ۔ وقیل ہم قومہ دنیا۔ وقیل ہم رھط و عشیرتہ الادنون من ماضی منہم و من عنبر۔ ومنہ قول ابی بکر رضی اللہ عنہ، نحن عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قال ابن الاثیر: لانہم من قریش۔ والعامۃ تظن انها ولد الرجل خاصۃ۔ وان عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد فاطمۃ رضی اللہ عنہا۔

هذا قول ابن سیدہ۔

- ❖ وقال الازهری رحمہ اللہ وفي حديث زيد بن ثابت قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اني تارك فيكم الثقلين خلفي. كتاب الله وعترتي. فانها لن يتفرقا حتى يردا علي الحوض. وقال، قال محمد ابن اسحاق، وهذا حديث صحيح.
- ❖ وفي بعضها، اني تارك فيكم الثقلين، كتاب الله، وعترتي اهل بيتي. فجعل العترة اهل البيت.
- ❖ وقال ابو عبيد وغيره، عترة الرجل واسرته وفصيلته وهطه الادنون ابن الاثير، عترة الرجل اخص اقاربه. وقال ابن الاعرابي، العترة ولد الرجل وذريته عقبه من صلبه.
- ❖ قال فعترة النبي صلى الله عليه وسلم، ولد فاطمة البتول عليها السلام.
- ❖ وروى عن ابي سعيد قال، العترة ساق الشجرة.
- ❖ قال وعترة النبي صلى الله عليه وسلم عبد المطلب وولده. وقيل، عترة اهل بيته الاقربون، وهم اولاد وعلی، واولاده. وقيل، عترة الاقربون والا بعدون منهم.
- ❖ وقيل، عترة الرجل اقرباؤه من ولد عمه دنیا. ومنه حديث ابي بكر رضي الله عنه، قال للنبي صلى الله عليه وسلم حين شاور اصحابه في اسارى بدر، عترتك وقومك. اراد بعترته العباس، ومن كان فيهم من بنی هاشم، وبقومه قريشا.
- ❖ والمشهور المعروف ان عترة اهل بيته، وهم الذين حرمت عليهم الزكاة والصدقة المفروضة، وهم ذوو القربى الذين لهم خمس الخمس المذكور في سورة الانفال. (۹۷)
- ترجمہ: کسی آدمی کی عترت سے مراد اُس کے رشتہ دار، قوم، کنبد، اولاد اور خاندان ہے، جیسا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، ”ہم عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“
- ❖ ابن اثیر کہتے ہیں، کیونکہ ابوبکر بھی قریشی تھے، عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ عترت سے

- مراد صرف اولاد ہے، اور یہ کہ عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے، یہ قول ابن سیدہ کا ہے۔
- ❖ زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، وہ چنانہ ہوں گی یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں۔ اور کہا کہ محمد ابن اسحاق نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔
- ❖ بعض روایات کے الفاظ اس طرح بھی ہیں، میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت، یعنی میرے اہل بیت۔ آپ ﷺ نے عترت کی تفسیر میں فرمایا، میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔
- ❖ اور ابو عبیدہ وغیرہ نے کہا، کسی آدمی کی عترت اس کے قریبی رشتہ دار اور کنبد ہوتے ہیں۔ ابن اثیر کہتے ہیں، آدمی کی عترت خاص کر اُس کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اور ابن عربی کہتے ہیں، آدمی کی اولاد اور اُس کی صلب سے پیدا ہونے والے عترت کہلاتے ہیں۔
- ❖ اور کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت سے مراد حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی اولاد ہیں۔ اور ابو سعید سے روایت ہے کہ عترت سے مراد درخت کا ٹٹنا ہے۔
- ❖ اور عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد عبد المطلب اور اُن کی اولاد ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عترت سے مراد آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں، اور وہ آپ ﷺ کی اولاد اور علی اور اُن کی اولاد ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عترت سے مراد قریب اور دور کے رشتہ دار ہیں۔
- ❖ اور کہا جاتا ہے کہ آدمی کی عترت اس کے چچا کی اولاد ہوتی ہے، جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا منہوم بھی یہی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ان میں آپ ﷺ کی عترت اور آپ ﷺ کی قوم کے لوگ ہیں۔ اور حضرت ابوبکر نے عترت سے حضرت عباس، بنو ہاشم اور قوم قریش کے دیگر افراد مراد لیے تھے۔
- ❖ اور زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ عترت رسول ﷺ سے مراد آپ ﷺ کے وہ اہل بیت ہیں جن

پر صدقہ اور زکوٰۃ واجبہ حرام ہے، اور وہ ذوی القربی ہیں (یعنی بنو ہاشم اور بنو مطلب)، جن کے لیے سورۃ انفال میں خمس الخمس مذکور ہے۔

مشہور لغوی امام محمد بن یعقوب الفیر وز آبادی رحمہ اللہ (م ۸۱ھ) لکھتے ہیں:
العترۃ نسل الرجل، ورہطہ وعشیرتہ الادنون۔ (۹۸)

ترجمہ: عترت سے مراد آدمی کا خاندان اور قریبی رشتہ دار ہیں۔

مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی مدظلہ لکھتے ہیں:

”العترۃ بڑا لقبہ جس سے بہت سے قبیلے نکلتے ہوں۔ قبیلہ ایک باپ دادا کی اولاد کو کہتے ہیں۔ یہ عترۃ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ آدمی کی نسل، اولاد، چھوٹا کنبدہ، ایک باپ کی قریبی اولاد۔“ (۹۹)

محمد غیاث الدین بن جلال الدین لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”عترت، خویشاں و نزدیکان و فرزندان، از منتخب و مدار و مؤید۔“ (۱۰۰)

ترجمہ: عترت، رشتہ دار قریبی رشتہ والے، اولاد اور معاون و مددگار لوگ۔“

نواب قطب الدین الدہلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۸۹ھ) مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”عترت سے مراد آپ ﷺ کی اولاد ہے۔ اور اہل بیت سے مراد آپ ﷺ کے

قرابت دار اور جد قریب کی اولاد بھی ہے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بھی۔

رضوان اللہ علیہم۔“ (۱۰۱)

ان تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ”عترت رسول“ اپنے

وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے قوم قریش، بنو ہاشم، بنو مطلب، آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل

اور آل حارث، سب پر محیط ہے۔ یہ چار کے عدد میں محدود نہیں اور نہ ہی ”چار“ ہی کی تصریح

قرآن، حدیث، لغت اور تاریخ کے دامن تابدار میں کہیں دکھائی دیتی ہے۔ جس طرح اہل بیت

کے مصداق میں بعض لوگوں نے تنگ نظری کا مظاہرہ کیا ہے، اسی طرح ”عترت رسول“ کے

مصداق میں بھی سرقہ کی جسارت کی ہے۔ اب یہ لوگ براہین و دلائل کے آفتاب عالمیت کے

سامنے سرا سیمانظر آتے ہیں۔

آل بیت نسبی

اقسام آل

قرآن، حدیث اور لغت عرب کی روش سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ لفظ ”آل“ ایک کثیر المعنی لفظ ہے، اور اس کا اطلاق حسب ذیل شخصیات پر ہوتا ہے:

- ۱۔ رسول اللہ ﷺ کی اپنی شخصیت
- ۲۔ اولیٰں مصداق ازواج مطہرات
- ۳۔ اولاد اور ذریت طیبہ
- ۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل ایمان قرابت دار
- ۵۔ جنہیں علم و معرفت کے لحاظ سے آپ ﷺ کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔
- ۶۔ شریعت اسلامیہ کے کماحقہ پابند
- ۷۔ ہاشم اور مطلب کی ساری اولاد، جن پر صدقات حرام ہیں۔
- ۸۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے آزاد کردہ غلام
- ۹۔ قوم اور وارث
- ۱۰۔ آپ ﷺ کے اتباع و انصار، امت مسلمہ، فرزندانِ توحید

زیر بحث آل محمد کی تین اقسام قرار پائی ہیں:

- ۱۔ آل بیت نسبی
- ۲۔ آل بیت سکنی
- ۳۔ آل بیت ولادت

اهل بیتہ من حرم الصدقة بعده

آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس

(مسلم، ج ۲، ص ۳۹۹)

۱۔ نزل

جنگ بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا، فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ۔ عرض کی، یا رسول اللہ! میرے پاس فدیہ کے لیے کوئی چیز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جدہ والے نیزے فدیہ میں دے دو۔ اس کے جواب میں انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کا اعتراف کیا اور ایک ہزار نیزے فدیہ میں پیش کر دیے۔ اسلام کے بعد مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور غزوہ خندق یا فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لائے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۲۵ھ میں وفات پائی۔ امیر المومنین نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں آسودۂ خواب ہوئے۔ متعدد بیٹے اور بیٹیاں چھوڑیں۔ (۳)

۲۔ عبد اللہ

عبد اللہ بن حارث فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا نام عبد اللہ بن حارث تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبد اللہ نام رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ (۴)

۳۔ ربیعہ

اپنے چچا عباس سے دو سال بڑے تھے۔ جنگ احزاب کے موقع پر حضرت عباسؓ وغیرہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ابواء کے مقام پر پہنچ کر واپس مکہ لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ نازل فرمایا، اُس شرک کدہ میں کہاں جاتے ہو، جہاں کے آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے اور اُن کی تکذیب کرتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے اور اُن کے صحابہ کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے، ہمارے ساتھ چلے چلو۔ بہر حال یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

ان کا ایک بچہ شیر خوارگی کے عالم میں دشمنوں نے قتل کر دیا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

وَأُولَٰ ذِمَّ أَصْحَابُهُ دِمَّ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ.

ترجمہ: خون کا پہلا مطالبہ جسے میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث بن

آلِ نبی

عبد المطلب بن ہاشم

عبد المطلب بن ہاشم کے گیارہ بیٹے تھے:

۱۔ حارث	۲۔ زبیر	۳۔ ابوطالب
۴۔ حمزہ	۵۔ عباس	۶۔ مقوم
۷۔ عبد اللہ	۸۔ ضرار	۹۔ حنظلہ
۱۰۔ عبد العزیٰ	۱۱۔ عبد الکعبہ (۱)	

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں

۱۔ عاتکہ	۲۔ صفیہ	۳۔ اروی
۴۔ امیہ	۵۔ مہ	۶۔ بیضاء (۲)

مسلمان چچا

۱۔ عباسؓ	۲۔ حمزہؓ
----------	----------

حارث بن عبد المطلب

عبد المطلب کے سب سے بڑے بیٹے ہیں، اور ان ہی کے نام سے عبد المطلب کی کنیت ”ابو الحارث“ تھی۔

حارث بن عبد المطلب کے چار بیٹے تھے: نوفل، عبد اللہ، ربیعہ اور ابوسفیان مغیرہ۔

چاروں اسلام اور شرف صحابیت سے مشرف ہوئے۔

عبدال مطلب کا مطالبہ ہے۔ (۵)

خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں ۲۳ھ کو وفات ہوئی۔

۳۔ ابوسفیان

ان کا نام مغیرہ بن حارثہ بن عبدالمطلب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچرا بھائی ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھا۔ انہوں نے بھی سیدہ حلیمہ سعیدہ کا دودھ پیا تھا۔ عرب کے مشہور شاعر اور صحابی ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ غزوہ حنین میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی باگ انہی کے ہاتھ میں تھی۔ ثابت قدم رہے، ایک لمحہ کے لیے بھی رکاب نبوی سے الگ نہیں ہوئے۔

حضرت معاویہ کے دور خلافت میں وفات ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا تھا، ابوسفیان اخی و خیر اہلی۔ (۶)

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

نام حمزہ، ابو یعلیٰ اور ابوعمارہ کنیت، اسد اللہ لقب تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے، یعنی ابولہب کی باندی ثویبہؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ سن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برس بڑے تھے۔ (۷)

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ۶ نبوی میں اسلام قبول کیا۔ (۸)

شمیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی بچپن ہی سے شوق تھا۔ غزوہ بدر میں شجاعت و بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ کفار کے بڑے بڑے سوراخوں کو خاک و خون میں ترپایا۔ غزوہ احد میں بھی بے جگرگی سے لڑے۔ کفر کی نڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پستے لگا دیے۔ آخر جام شہادت نوش کر لیا، اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے "سید الشہداء" کا خطاب ملا۔

شہادت

جنگ بدر میں کفار کے نامی گرامی سردار سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں واصل جہنم

ہوئے تھے، اس لیے تمام قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے۔ چنانچہ جبیر بن مطعم نے اپنے غلام "وحشی" کو کہا کہ اگر تم حمزہ کو قتل کر دو تو تمہیں آزادی مل جائے گی۔ "وحشی" احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ جب حضرت حمزہ قریب سے گزرے تو اس نے اچانک حملہ کر دیا، جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

اس شیر خدا کی شہادت پر قریش کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ناک، کان کٹ کر ہار بنایا۔ شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چپایا، پھر تھوک دیا۔ (۹)

جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، انتہائی کربناک منظر دیکھ کر بے اختیار رول بھرا آیا۔ مخاطب ہو کر فرمایا، "تم پر خدا کی رحمت ہو۔ تم رشتہ داروں کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ اگر مجھے صفیہؓ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح بے گور و کفن چھوڑ دیتا۔ درندے اور پرندے کھا جاتے اور تم قیامت کے دن ان کے شکم سے اٹھائے جاتے۔ بخدا! مجھ پر تمہارا انتقام لازم ہے۔ میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مسئلہ کروں گا۔"

لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وحی الہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی۔ اس لیے قسم کا کفارہ ادا کر کے صبر و حکیمانی اختیار فرمائی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔ بھائی کی شہادت کا حال سن کر دو چادریں کفن کی لے آئیں۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پہلو میں ایک انصاری صحابی کی لاش بھی بے گور و کفن دیکھی، اس لیے ان دونوں شہیدانِ ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی۔ اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں مل جاتے، پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چادر سے سر اور چہرہ چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو۔ غرض اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا۔ (۱۰)

اولاد

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاں دو فرزند (عمارہ، یعلیٰ) اور دو بیٹیاں (ام فضل اور امامہ) پیدا ہوئیں۔

یعلیٰ ہی سے آپ کی کنیت ابو یعلیٰ تھی۔ عمارہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام بھی حمزہ

رکھا گیا۔ اور یعلیٰ بن حمزہ کے پانچ لڑکے تولد ہوئے، مگر ان کی نسل آگے نہ چل سکی۔ ان کے نام یہ تھے: عمارہ، فضل، زبیر، عقیل اور محمد۔ تمام بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ اس طرح سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسل شروع ہی میں منقطع ہو گیا۔

آپ کی بیٹی امامہ نے، فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ روانہ ہونے لگے تو آپ کو بھائی کہہ کر مخاطب کیا۔ حضرت حمزہ کے رشتہ داروں میں حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم نے ان کی پرورش کے متعلق بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔ لیکن آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا، کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس امامہ کی حقیقی خالہ تھیں۔

بعد ازاں امامہ کا نکاح ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند سلمہ کے ساتھ ہوا تھا۔ (۱۱)

ابولہب بن عبدالمطلب

ابولہب کا نام عبد العزیٰ اور کنیت ابو عتبہ تھی۔ اس کے حسین و جمیل ہونے کی وجہ سے آپ نے اسے ابولہب کہا اور پھر اسی نام سے مشہور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔ عارضہ طاعون میں ہلاک ہوا۔

اس کے تین بیٹے تھے عتبہ، عتبہ، عتبہ، عتبہ۔ اور ایک بیٹی ذرہ تھی۔ عتبہ اور عتبہ فتح مکہ کے دن فرار ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو انہیں لانے کے لیے بھیجا۔ وہ دونوں حاضر خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوہ حنین اور طائف میں شرکت کی اور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے۔ (۱۲)

ذرہ بھی نور ایمان سے منور ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلی گئیں۔ حارث بن نوفل بن حارث سے عقد ہوا۔ عتبہ اور ولید دو بیٹے پیدا ہوئے۔ (۱۳)

سیدنا عباس بن عبدالمطلب

عباس نام، ابو الفضل کنیت، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام ثیلہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔ (۱۴)

زمانہ جاہلیت میں قریش کے ایک سربراہ آورہ رئیس تھے۔ بیت اللہ کا اہتمام و انصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا منصب انہیں اپنے والد عبدالمطلب سے وراثت میں ملا تھا۔ (۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے میں بظاہر تاخیر سے کام لیا، لیکن دل سے اس تحریک کے حامی تھے۔ بیعت عقبہ کے موقع پر بھی موجود تھے۔

غزوہ بدر میں مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکہ میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت حال سے آگاہ تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ہدایت فرمائی کہ اثنائے جنگ میں عباس اور دیگر بنی ہاشم کو قتل نہ کرنا۔ (۱۶) دیگر قیدیوں کے ہمراہ گرفتار ہوئے۔ حضرت عباس کی مشکلیں اس قدر گسی ہوئی تھیں کہ دردناک آواز سے کراہ رہے تھے۔ ان کی کربناک آواز نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اچاٹ کر دی۔ صحابہ کرام کو معلوم ہوا تو ان کی مشکلیں ڈھیلی کر دیں۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام قیدیوں کی ترسیاں ڈھیلی کر دیں۔ (۱۷)

قید سے رہائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کا فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ فرمایا۔ چونکہ حضرت عباس کی والدہ ماجدہ انصار کے قبیلہ خزاع سے تھیں، اس لیے انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، عباس ہمارے بھانجے ہیں، ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا کر گوارا نہیں فرمایا، اور دولت مند ہونے کی وجہ سے ان سے معقول رقم طلب فرمائی۔ (۱۸)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ناداری کا عذر پیش کیا، اور کہا کہ میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، لیکن قوم نے مجھے جبراً جنگ میں شریک کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دل کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر آپ کا دعویٰ سچا ہے تو اللہ تعالیٰ آجروے گا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی۔ ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں، کیونکہ مجھے معلوم ہے آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس بہت بڑی رقم رکھ آئے ہو۔

حضرت عباس کو سن کر سخت تعجب ہوا، اور کہنے لگے، خدا کی قسم! مکہ الی رقم میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر انہوں نے اپنا اور

اپنے بھتیجے عقیل اور نوفل بن حارث کا فدیہ یہ بیس اوقیہ سونا (ایک اوقیہ کا وزن ساڑھے دس تولہ بنتا ہے) ادا کر کے رہائی حاصل کی۔ (۱۹)

تاخیر اسلام اور قیام مکہ

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا ایک عرصہ تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہنا اور دائرہ اسلام میں علانیہ داخل نہ ہونا ایک مصلحت پر مبنی تھا، کہ وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے راز ہائے سر بست کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے۔ علاوہ ازیں اس سر زمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے، ان کے لیے مجاہد مادی تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی حضرت عباسؓ نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے اجازت نہ دی اور فرمایا، ”آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے، اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا۔“ (۲۰)

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ہجرت کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ وہ مع اہل و عیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور پر مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

بارگاہ نبوت میں اعزاز

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی بیحد تعظیم و توقیر فرماتے تھے۔ ان کی معمولی سی تکلیف سے بھی آپؐ پریشان ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب بھی باہم ملے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برسی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشارت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْإِيمَانَ، حَتَّى يُحِبَّكُمْ اللَّهُ وَلِرَسُولِهِ.

ثم قال ايها الناس من اذى عمي فقد اذاني، فانما عم الرجل صنواً
بيہ. (۲۱)

ترجمہ: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جو شخص اللہ اور رسول کے

لیے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا، اس کے دل میں نور ایمان نہیں ہوگا۔
لوگو! جو شخص میرے چچا کو ستائے گا، وہ مجھے ستائے گا، اس لیے کہ چچا باپ کے مانند ہوتا ہے۔

ایک انصاری نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے باپ کے متعلق کوئی نازیبا بات کہہ دی تو عباسؓ نے اسے چاٹنا مار دیا۔ اس کی قوم نے قسم کھائی کہ ہم عباس سے بدلہ لیں گے۔ اور وہ لوگ تلواریں لے کر نکل آئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

ايها الناس، اي اهل الارض اكرم على الله.

ترجمہ: لوگو! اے زمین پر بسنے والو! اللہ کی طرف سے تم پر میری عزت کرنا لازم ہے۔

لوگوں نے کہا، کیا آپ یا رسول اللہ؟

آپؐ نے فرمایا، فان العباس مني وانا منه. لا تسبوا اموالنا، فتؤذي

احيانا.

ترجمہ: بے شک عباس مجھ سے ہے اور میں عباس سے ہوں۔ تم مُردوں کو بُرا نہ کہو، اس

سے زندوں کو اذیت پہنچے گی۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

وان عم الرجل صنواً ابیه. من اذى العباس فقد اذاني. (۲۲)

ترجمہ: چچا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جو شخص عباس کو تکلیف دے گا، اُس نے مجھے

اذیت دی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں

صدقات وصول کرنے پر مقرر فرمایا۔ انہوں نے حسب قاعدہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی رقم

طلب کی۔ انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا۔ جب اس بات کا علم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

واقسا العباس فهي علي ومثلها معها. ثم قال: يا عمر! اما شعرت ان

عم الرجل صنواً ابیه. (۲۳)

ترجمہ: اے عباس! ان کی زکوٰۃ اور اس کا دو گنا میرے ذمہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اے عمر! کیا تم نہیں جانتے کہ بچپناپ کے برابر ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، پیر کے روز صبح کے وقت میرے پاس آنا، تاکہ میں تمہارے لیے دعا کروں، جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو نفع دے۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کے ساتھ پیر کے دن صبح کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اپنی چادر ڈال دی اور یوں دعا فرمائی:

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِّلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً. لَا تَعْدِلْ ذَنْبًا.
اللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِي وَلَدِهِ هَذَا. (۲۳)

ترجمہ: اے اللہ! عباس کو اور اس کی اولاد کو بخش دے۔ ظاہر اور باطن دونوں حالتوں میں ان کو پاک کر دے اور ان کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ باقی نہ رہے، اور ان کی اولاد کی حفاظت فرما۔
اولاد

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی متعدد بیویاں تھیں، جن سے کئی بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں:
فضل، عبداللہ، عبید اللہ، قثم، عبدالرحمن، معبد، الحارث، کثیر، عون۔ (۲۵)
تمام، صفیہ، امیہ، ام حبیبہ۔ (۲۶)

اخلاق

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحمدل تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ عباس عم رسول ہیں۔ یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست ہیں اور اپنے رشتہ داروں کا بہت خیال رکھنے والے ہیں۔“ (۲۷)

وفات

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اٹھاسی (۸۸) برس کی عمر پا کر ۳۲ھ میں رجب یا رمضان المبارک بروز جمعہ المبارک رجب بن عالم جاوداں ہوئے۔ خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی

اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قبر میں اتار کر سپرد خاک کیا، اور جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہیں۔ (۲۸)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ

نام فضل، کنیت ابو محمد، ہر کا ب رسول لقب، سلسلہ نسب فضل بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم، والدہ کا نام ”لبابہ“ تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان ہی کے نام سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی ”ابو الفضل“ کنیت تھی۔ یہ سب سے بڑے بیٹے تھے۔ (۲۹)

غزوہ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے، لیکن مشرکین کے خوف کی وجہ سے اعلان نہیں کیا۔ فتح مکہ سے کچھ دن پہلے اپنے والد بزرگوار حضرت عباسؓ کے ساتھ ہجرت کی۔ غزوہ فتح مکہ میں شمولیت کی، بعد ازاں حنین کے محرکہ میں بھی شامل ہوئے اور غیر معمولی جاں فروشی دکھائی۔

حجۃ الوداع میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس شان سے نکلے کہ آپ ﷺ کی سواری پر رونق افروز تھے۔ اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ”ہر کا ب رسول“ کا لقب عطا فرمایا تھا۔ (۳۰)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کی سعادت بھی حاصل ہے۔ جو حضرات غسل دینے میں شریک تھے، ان میں فضل بھی شامل تھے۔ یہ پانی ڈال رہے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہلاتے تھے۔ (۳۱)

عارضہ طاعون میں وفات ہوئی۔ ان سے ۱۲۳ احادیث مروی ہیں۔

عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

نام عبید اللہ، کنیت ابو محمد، والد کا نام عباس بن عبدالمطلب اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا۔ فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے ”اجود الناس“ مشہور تھے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں یمن کا حاکم بنایا تھا۔ امیر الحجاج کے فرائض بھی انجام دیے۔

اپنے والد گرامی قدر اور بھائیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ کی ہجرت کی تھی۔ ان کے بھائی عبید اللہ کو اللہ تعالیٰ نے علم میں وسعت عطا فرمائی اور انہیں (عبید اللہ کو) لوگوں کو کھانا کھلانے میں

وسعت عنایت فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔ (۳۲)

تھم بن عباس رضی اللہ عنہ

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے "تھم" ہاشمی قریشی ہیں۔ والدہ کا نام ام الفضل لبابہ بنت الحارث ہے۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور حضرت عباسؓ کے بیٹے عبداللہ اور تھمؓ اکٹھے کھیل رہے تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے مجھے سواری پر اپنے آگے بٹھالیا اور تھمؓ کو اپنے پیچھے، اور عبید اللہؓ جو اپنے باپ کو تھمؓ سے بھی زیادہ محبوب تھے، چھوڑ دیا۔ (۳۳)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں مکہ مکرمہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ آخر دم تک اس منصب پر فائز رہے۔ سعید بن عثمان بن عفان کے ہمراہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سرحد کے جہاد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش جان فرمایا۔ (۳۴)

عبداللہ بن عباسؓ

عبداللہ نام، ابو العباس کنیت، والدہ کا نام عباس اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ ام الفضل، سیدہ میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہجرت سے تین یا پانچ سال پہلے مکہ مکرمہ کی اُس گھاٹی یعنی شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے، جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو بارگاہ نبوت میں لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔ (۳۵)

فتح مکہ کے بعد اپنے والد گرامی قدر کے ساتھ اسلام قبول کیا، اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت حضرت عبداللہ کی عمر گیارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

لیکن اپنے والد کے حکم سے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن انہوں نے گھر واپس آ کر بتایا، "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے آدمی کو دیکھا جسے میں نہیں جانتا ہوں۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپؐ نے عبداللہ کو بلا کر فرط محبت سے اپنے آغوشِ عاطفت میں بٹھایا اور سر پر ہاتھ مبارک پھیر کر دعا فرمائی، اللھم علمہ الکتاب۔ (۳۶)

عہد طفولیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گو فطر تا دین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا، وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے۔ عبداللہ خود بیان کرتے ہیں:

میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے گھر کے دروازے میں چھپ گیا۔ لیکن آپؐ نے مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا، "چلیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یاد فرما رہے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے۔" (۳۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اُس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے۔ ان کی ذات ایسی زندہ کتب خانہ تھی، جس میں تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری وغیرہ میں یدِ طولی حاصل تھا۔

قرآنی علوم میں علم الفتح کی اہمیت بالکل واضح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس بحرِ خوار کے بھی شاعر تھے۔ تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں محفوظ تھے۔ اور یہ سب کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعاؤں کا نتیجہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر اپنا دست مبارک رکھا اور دعا دی:

اللھم فقهہ فی الدنئی، وَعَلِمَہُ التَّوْبِیْل۔ (۳۸)

ترجمہ: اے اللہ! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا۔
ایک روایت میں ہے:

نعم ترجمان القرآن انت۔ (۳۹)

ترجمہ: آپ کتنے اچھے ترجمان قرآن ہیں۔

ایک روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اللہم علمہ الحکمہ۔ (۴۰)

اے اللہ! اسے دانائی اور حکمت سکھا۔

اللہم بارک فیہ، وانشر منہ، واجعله من عبادک الصالحین۔ (۴۱)

ترجمہ: اے اللہ! اسے برکت عطا فرما۔ اسے دین کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنا اور اسے

اپنے نیک صالح بندوں میں سے کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعادی:

اللہم زدہ علماً وفقہاً۔ (۴۲)

ترجمہ: اے اللہ! اسے علم اور فقہت میں زیادہ کر دے۔

ایک روایت میں ہے:

اللہم اخش جوفہ حکماً وعلماً۔ (۴۳)

وفات

۶۸ھ میں پانچ سو سال لبریز ہو گیا۔ چند روزہ علالت کے بعد طاعون روح مقفیس غصری سے

پردہ از کر گیا۔ محمد بن حنفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سپرد خاک کر کے کہا:

”خدا کی قسم! آج دنیا سے حیر امت اٹھ گیا۔“

وصال کے وقت عمر ستر سال تھی، اور طائف میں انتقال ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔ (۴۴)

اولاد

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد امجاد حسب ذیل تھی:

عباس، علی، فضل، محمد، عبید اللہ، اُبابہ اور اسماء۔

ابوطالب بن عبد المطلب

آپ کا نام عبد مناف بن عبد المطلب بن ہاشم ہے، لیکن ”ابوطالب“ کنیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ۳۵ سال پہلے پیدا ہوئے۔ حضرت عبد المطلب نے اپنے وصال کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی وصیت کی تھی، اسی بنا پر ابوطالب مدۃ العمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کرتے رہے اور مشکل مراحل میں ان کا تعاون آپ ﷺ کے ساتھ رہا۔ اور قریش مکہ کے مظالم کے مواقع میں بھی آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی کرتے رہے اور قوم کی ایذا و رسائی کی صورت میں آپ مدافعت بھی کرتے۔

ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف سیدنا علی المرتضیٰ کی والدہ مکرمہ اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی تھیں۔ ابو عمرو کا بیان ہے، وہ ہاشمی خاندان کی پہلی خاتون ہیں جن کے بطن سے ایک ہاشمی پیدا ہوا۔ یعنی ہاشمی خاتون کا بیٹا سیدنا علی پہلے ہاشمی خلیفہ تھے۔ (۴۶)

فاطمہ بنت اسد اسلام سے مشرف ہوئیں اور مدینہ منورہ ہجرت کی۔ جب ان کا وصال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گرتا ان کے کفن میں عطا فرمایا۔ ان کی قبر میں پہلے خود اندر جا کر لیٹے، یہ ان کی خدمات اور شفقت کا اعتراف اور ان کی عزت و تعظیم کا اظہار تھا۔ (۴۷)

مولانا محمد نافع مدظلہ لکھتے ہیں:

”بعض لوگ مسئلہ کفالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تجاوز کرتے ہوئے اس بات

پر مصر ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل ابوطالب نہیں تھے بلکہ زبیر بن

عبد المطلب تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا ذمہ لے

رکھا تھا۔ مگر یہ مسئلہ تحقیق کے مطابق نہیں اور علماء کرام نے زبیر بن عبد المطلب

کے کفیل ہونے کی بجائے ابوطالب کی کفالت کو صحیح قرار دیا ہے، اور اسی کو ترجیح

دی ہے۔ اس مسئلہ میں مقامات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

- ۱۔ انساب الاشراف للبیہا ذری، ج ۱، ص ۸۵، تحت بحث کفالت
- ۲۔ سیرۃ حلبیہ، ج ۱، ص ۱۳۳-۱۳۵، تحت باب وفات عبد المطلب

۳۔ تاریخ الخلفاء، ج ۱ ص ۲۵۳، تحت کفالت ابی طالب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، (۲۸)

امام ابن ہشام (م ۲۱۸ھ) نے سیرت النبویہ، ص ۲۱۶، تحت کفالت ابی طالب لرسول اللہ؛ امام محمد بن سعد بن معین الزہری (م ۲۴۰ھ) نے طبقات الکبریٰ، ج ۱ ص ۵۶، تحت وفاة عبدالمطلب؛ امام ابن کثیر الدمشقی (م ۷۷۴ھ) نے البدایہ والنہایہ، ج ۲ ص ۲۸۲؛ علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے الاصابہ، ج ۲ ص ۱۱۵ میں بھی ابوطالب ہی کی کفالت کا ذکر کیا ہے۔ ابوطالب کے ایمان کے متعلق جمہور علمائے مفسرین، محدثین، فقہاء، اہل سیر اور اہل تاریخ یہی لکھتے ہیں کہ وہ ملت عبدالمطلب پر فوت ہوئے اور ایمان نہیں لائے۔ قرآن مجید کی یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ. (سورة القصص: ۵۶)

ترجمہ: آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، اور لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔ اور وہی خوب جانتا ہے جو ہدایت حاصل کریں گے۔

(۱) امام محی السنہ ابی محمد حسین بن مسعود القراء البغوی رحمہ اللہ (م ۵۱۶ھ) اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:

نزلت فی ابی طالب. (۳۹)

(۲) امام جواد اللہ محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۲۸ھ) بھی لکھتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (۵۰)

(۳) امام ابو الفرج عبد الرحمن بن علی ابن الجوزی رحمہ اللہ (م ۸۹۷ھ) لکھتے ہیں:

قال الزجاج: اجمع المفسرون انها نزلت فی ابی طالب. (۵۱)

(۴) امام فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین بن الحسن بن علی الرازی (م ۶۰۳ھ) لکھتے

ہیں:

قال الزجاج: اجمع المسلمون علی انها نزلت فی ابی طالب. (۵۲)

(۵) امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی (م ۶۷۲ھ) رقم طراز ہیں:

قلت: والصواب ان يقال اجمع جل المفسرين علی انها نزلت فی شان ابی طالب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وهو نص فی حدیث البخاری و مسلم. (۵۳)

(۶) امام البیہقی عبد اللہ بن احمد بن محمود البیہقی (م ۷۰۸ھ) نے بھی لکھا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ (۵۴)

(۷) امام محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الشیخ بانی حیان (م ۵۴۲ھ) نے بھی اس آیت کو ابوطالب کے متعلق قرار دیا ہے۔ (۵۵)

علامہ غماد الدین ابن کثیر (م ۷۴۳ھ) رقم طراز ہیں:

وقد ثبت فی الصحيحین انها نزلت فی ابی طالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. وقد كان يحوطه وينصره، ويقوم في صفه، ويحبه حباً شديداً طبعياً لا شرعياً. فلما حضرته الوفاة وحان اجله. دعاه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الى الايمان والدخول فی الاسلام. فسبق القدر فيه. واختطف من ايده فاستمر علی ما كان عليه من الكفر. ولله الحکمة التامة. (۵۶)

ترجمہ: صحیحین میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے بارے میں اتری ہے، جو آپ ﷺ کا بہت طرفدار تھا۔ اور ہر موقع پر آپ ﷺ کی مدد کرتا تھا۔ اور آپ ﷺ کا ساتھ دیتا تھا۔ اور دل سے محبت کرتا تھا۔ لیکن یہ محبت بوجہ رشتہ داری کے طبعی تھی، شرعاً نہ تھی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو حضور ﷺ نے اسے اسلام میں آنے کی دعوت دی اور ایمان لانے کی رغبت دلائی۔ لیکن تقدیر کا لکھا اور خدا کا چاہا غالب آیا، یہ ہاتھوں میں سے بچل گیا اور اپنے کفر پر اڑا رہا۔ (ترجمہ از تفسیر ابن کثیر اردو، ج ۳ ص ۳۵، سورة القصص)

(۹) امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

”مسلم، ترمذی، ابن ابی حاتم، ابن مردودہ، بیہقی، ابن ابی شیبہ، امام احمد، بخاری، نسائی وغیرہ نے اس آیت کا شان نزول ابوطالب کے حق میں بیان کیا ہے۔“ (۵۷)

(۱۰) علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم الحازن نے بھی تفسیر خازن، ج ۳، ص ۴۳۶ میں اس آیت کو ابوطالب کے متعلق بیان کیا ہے۔

تقریباً تمام مفسرین اسی تفسیر پر متفق ہیں، کسی نے اس سے اعراض نہیں کیا۔ البتہ سورۃ توبہ کی آیت ۱۱۳ کے متعلق تمام مفسرین نے ”ابوطالب“ بھی مراد لی ہے، اور کئی دیگر روایات بھی ذکر کی ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَئِي قُرْبَىٰ مِنْكُمْ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّكُمْ أَصْحَابُ الْحَجِيمِ.

امام ابی جعفر محمد بن جریر الطبری (م ۲۰۱ھ) نے متعدد روایات نقل کی ہیں، جن میں سے بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ (۵۸)

ابوطالب کی وفات کا جب وقت قریب آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت وہاں ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا، چچا! ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے، تاکہ میں اللہ کی بارگاہ میں اس کلمہ کی وجہ سے آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔

اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے، ابوطالب! کیا عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر ان کے سامنے دین اسلام پیش کرتے رہے۔ ابو جہل اور ابن ابی امیہ بھی اپنی بات دہراتے رہے۔ ابوطالب کی آخری بات یہ تھی کہ وہ عبد المطلب کے دین پر ہیں۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں آپ کے لیے طلب مغفرت کرتا رہوں گا، تاکہ مجھے منع کر دیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَئِي قُرْبَىٰ. (سورۃ التوبہ: ۱۱۳) (۵۹)

اولاد

ابوطالب کے چار فرزند تھے: طالب، عقیل، جعفر اور علی المرتضیٰ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے چھوٹے تھے۔

مورخین نے اس مقام پر ایک تاریخی انجوبہ ذکر کیا ہے کہ ان چاروں بھائیوں کی ولادت کے درمیان دس دس برس کا وقفہ ہے، یعنی چاروں بھائی ایک دوسرے سے دس دس برس بعد پیدا ہوئے۔ (۶۰)

ابوطالب کی دو بیٹیاں تھیں: ام ہانی اور حمانہ۔

ابوطالب کی یہ ساری اولاد قاطعہ بنت اسد سے پیدا ہوئی تھی۔ (۶۱)

طالب

طالب بن ابی طالب اپنے برادران میں سب سے بڑے تھے۔ وہ غزوہ بدر میں کفار کی طرف سے شامل تھے۔ ان کی موت کفریہ ہوئی۔ (۶۲)

عقیل

عقیل بن ابوطالب باقی تین بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ان کی کنیت ابو یزید تھی۔ عقیل غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کی طرف سے شامل ہوئے تھے۔ یہ بھی بدر کے قیدیوں میں شامل تھے۔ حضرت عباسؓ نے ان کا زہر فدیہ ادا کر کے خلاصی کرائی تھی۔ (۶۳)

صلح حدیبیہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور غزوہ موتہ میں شریک ہوئے تھے۔ (۶۴) عقیل رضی اللہ عنہ اسباب قریش اور احوال قریش کے بہت زیادہ ماہر تھے۔ مکالمات میں بڑے حاضر جواب تھے۔ لوگ ان سے مسائل میں رجوع کرتے تھے۔ (۶۵)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض دفعہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے جاتے اور کئی دن قیام پذیر رہتے۔ سیدنا معاویہ بھی ان کی بڑی قدروانی فرماتے اور عزت افزائی کرتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پچاس ہزار درہم عطا فرمائے تھے تاکہ یہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ (۶۶)

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخر میں، یایزید کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی۔ (۶۷)

جعفر الطیار رضی اللہ عنہ

جعفر نام، والد ابوطالب یعنی عبد مناف، کنیت ابو عبد اللہ، اور القاب ”الطیار“، ”ذوالجناحین“ اور ”ابو الساکین“، والدہ مکرمہ فاطمہ بنت اسد تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی اور عمر میں ان سے دس سال بڑے تھے۔

اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت علیؑ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابوطالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہِ صمدیت میں سرِ بچہ دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا۔ اپنے صاحبزادے حضرت جعفرؑ کی طرف دیکھ کر کہا، جعفر! تم بھی اپنے چچا زاد کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت جعفرؑ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ ان کو خدا نے الیزال کی عبادت و پرستش میں کچھ مزہ آیا کہ وہ بہت جلد ہمیشہ کے لیے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے۔ جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین بھی نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک صرف اکتیس بتیس آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے۔

ہجرت حبشہ

مشرکین مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر جب مسلمانوں کی جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ملک حبشہ کی راہ لی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ لیکن قریش نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں مکہ سے گراں قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے شاہ کے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ”ہماری قوم کے چندنا سمجھو جو ان اپنے باپ دادا کے مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کے قلمروے حکومت میں آ گئے ہیں، انہوں نے ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جسے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ ہمیں ان نو جوانوں کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور والا ان کو ہمارے ساتھ مکہ واپس کر دیں۔“

دربار یوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی۔ لیکن بادشاہ نے مسلمانوں کو

نہا کر اس نئے مذہب سے آگاہی چاہی، جس کی خاطر انہوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا ہے۔

شاہی دربار میں حضرت جعفر کا خطاب

مسلمانوں نے شاہ نجاشی سے گفتگو کے لیے اپنا نمائندہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ انہوں نے اس طرح خطاب فرمایا:

”بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی۔ ہم بتوں کے پجاری تھے۔ مردار کھاتے، بدکاریاں کرتے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، اور طاقتور کمزور کو کھاجاتا تھا۔ غرض ہم اسی بدبختی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے اپنا ایک رسول بھیجا۔ ہم اس کی شرافت، راست بازی، دیانتداری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے۔

اس نے ہمیں شرک، بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی۔ راست بازی، امانت داری، ہمسائیوں اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق سکھایا۔ اس کی نورانی تعلیمات کی ہدایات ہیں کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بلاوجہ خونریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ کر ایک خدا کے عبادت گزار بن جائیں۔“

قریشی وفد نے بادشاہ کو گمراہ کرنے کی ایک اور ناکام کوشش بھی کی۔ چونکہ بادشاہ عیسائی مذہب رکھتا تھا، اس لیے کہا کہ یہ لوگ مسیحی علیہ السلام کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے۔ بادشاہ نے مسلمانوں سے اس کی وضاحت چاہی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کی آیات کی تلاوت ایسے پُر سوز لہجہ میں فرمائی کہ نجاشی حید متاثر ہوا۔ اس طرح قریش کی سفارت ناکام و نامراد واپس ہوئی۔ (۶۸)

حبشہ سے مدینہ

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت کے چھ سال بعد حبشہ میں حبشہ سے مدینہ منورہ آئے۔ ان ہی دنوں خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اس کی خوشیاں منا رہے تھے اور مسلمانوں کو اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی حاصل ہوئی۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے

انہیں گلے لگایا اور پیشانی چومی۔ پھر فرمایا:

ما ادری بایتهما انا الفرح، بقدم جعفر او بفتح خیر۔ (۶۹)

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفرؑ کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیر فتح ہونے کی۔

۸ھ میں موت پر فوج کشی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کو عطا فرمایا۔ اور فرمایا، اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر، اور جعفر بھی جام شہادت نوش کر لیں تو عبد اللہ بن رواحہ میری فوج ہوں گے۔ (۷۰)

شہادت

موت پہنچ کر معرکہ کارزار گرم ہوا۔ تین ہزار عازیان اسلام کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ مڑی دل لشکر تھا۔ امیر فوج حضرت زید رضی اللہ عنہ نے خلعت شہادت زیب تن فرمائی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ گھوڑے سے کود پڑے۔ علم کو استقبال کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ دشمنوں کا ہر طرف زحف تھا۔ تیغ و تبر، تیر و سناں کی بارش ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے چھلکی ہو گیا۔ دونوں ہاتھ بھی یکے بعد دیگرہ راہ خدا میں شہید ہو کر جسم سے جدا ہو چکے تھے، مگر اس جانباز نے اس حالت میں بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ بالآخر جب شہید ہو کر گر گئے تو عبد اللہ بن رواحہ نے اور ان کے بعد خالد بن ولید نے علم ہاتھ میں لیا۔ (۷۱)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، میں نے شہداء میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا، دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام زخموں کا شمار تو سے بھی متجاوز تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک زخم پشت پر نہ تھا۔ (۷۲)

رسول اللہ کا حزن و ملال

شہداء غزوہ موتہ کی خبر مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی اللہ جل مجدہ نے اپنے نبی کو اطلاع فرما دی۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور روئے انور پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ (۷۳)

آپ ﷺ کو ایک عرصہ تک شدید غم رہا۔ بالآخر روح الامین علیہ السلام نے یہ بشارت سنائی:

”اللہ تعالیٰ نے جعفرؑ کو دو کھٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے دو نئے بازو عطا فرمائے

ہیں، جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہیں۔“

ان لجعفر بن ابی طالب جناحین یطیر بہما فی الجنة مع الملائكة۔ (۷۴)

اولاد

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے تین صاحبزادے تھے: عبد اللہ، محمد اور عون۔ تینوں کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس بن معبد تھیں۔ اور تینوں کی ولادت ہجرت حبشہ یعنی قیام حبشہ کے دوران ہوئی۔ (۷۵)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

علی نام، ابو الحسن اور ابو تراب کنیت، اور حیدر (شیر) لقب تھا۔

قال انا الذی سمتنی امی حیدر۔ (۷۶)

باپ کا نام ابو طالب اور والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔

خاندان ہاشم کو عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت اور عظمت حاصل تھی، وہ محتاج بیان نہیں۔ خاندان کعبہ کی حرمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا۔ اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ابو طالب نہایت کثیر العیال تھے اور معاشی تنگی سے سخت پریشان تھے۔

اسلام

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابھی دس برس کے تھے کہ ان کے شفیق مربی کو دربار خداوندی سے خلعت نبوت عطا ہوئی۔ چونکہ حضرت علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لیے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے۔

ایک روز سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو مصروف عبادت دیکھا۔ روح پرور منظر نے اپنا اثر دکھایا۔ طفلانہ استعجاب کے ساتھ علیؑ نے پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے ہیں؟ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی

رہے۔ چوتھے سال اعلان عام کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ کو سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تبلیغ کا حکم ہوا:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ.

ترجمہ: اپنے قریبی اعزہ کو عذاب الہی سے ڈراؤ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت چودہ پندرہ برس کی تھی، لیکن وہ بھی اس مجمع اقرباء میں شریک تھے۔

ہجرت

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے۔ لیکن مشرکین کا بغض و عناد برابر جاری رہا۔ آپ ﷺ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثروں کو اسیر و غنیمت دیکھ کر انہیں مدینہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، جس کے نتیجہ میں چند نفوس قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔

اس ہجرت سے مشرکین کا غیض و غضب بہت بڑھ گیا۔ انہوں نے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کا حتمی فیصلہ کر کے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن مشیت ایزدی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پُر نور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کا نور ہو جائے، اس لیے وحی الہی نے آپ ﷺ کو مشرکین کے ناپاک عزائم کی اطلاع کر دی اور ہجرت مدینہ باسکینہ کا پروانہ بھی جاری کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یار غار اور جاں نثار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور ہجرت کو روانہ ہو گئے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے فرش اطہر پر استراحت کا حکم دیا۔

اگرچہ اس وقت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر بائیس تیس سال کی تھی، اس عصفوان شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لیے پیش کرنا فدائیت و جاں نثاری کا عدیم الظہیر کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا، اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ سو خواب رہا۔

اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی۔

حضرت علیؑ کے کان ایسی باتوں سے نا آشنا تھے۔ متحیر ہو کر عرض کیا، اپنے والد ابو طالب سے اس کے متعلق دریافت کروں؟ چونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا، اس لیے فرمایا، اگر تمہیں تاہل ہے تو خود غور و فکر کر لو، لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔

چونکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الہی شامل ہوئی، اس لیے زیادہ غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (۷۷)

اس معاملہ میں مختلف احادیث پائی جاتی ہیں کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا؟ بعض روایات کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، بعض روایات میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعض کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایمان سب پر مقدم ہے۔

ان مختلف روایات میں سب سے عمدہ تطبیق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے، جسے علامہ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے:

”آزاد مردوں میں سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ خواتین میں پہلے سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید مسلمان ہوئے۔ اور نوخیز جوانوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان قبول کرنے میں مقدم ہیں۔“ (۷۸)

مکی زندگی

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے۔ چونکہ وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش تربیت ہی میں تھے، اس لیے آپ ﷺ کی تعلیم و ارشاد کی مجالس، مشورہ و غیرہ کی محافل، کفار و مشرکین سے مباحث اور معبود حقیقی کی پرستش و عبادت کے مواقع میں، غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب نبوت عطا ہونے کے بعد تین برس تک اعلان دعوت اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی، بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے

صبح ہوتے ہی مشرکین اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لیے گھر میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر وہ سخت حیرت زدہ ہو گئے کہ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہ اردو۔ ان کے بستر پر ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لیے سر بکف سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی اس ناکامی پر سخت برہم ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اصل مقصد کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دو تین دن مکہ میں مقیم رہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق جن لوگوں سے لین دین تھا، اُن کے معاملات سے فارغ ہو کر وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر عازمِ مدینہ ہوئے۔ اس زمانے میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان تھے، اس لیے حضرت علیؑ بھی ان ہی کے ہاں فروکش ہوئے۔ (۷۹)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ (۸۰)

غزوات

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تقریباً تمام غزوات میں بھرپور حصہ لیا، اور ہر ایک غزوہ میں شجاعت و بہادری کے جوہر خوب دکھائے۔ غزوہ بدر میں مہاجرین کا علم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، اور انصار کے علمبردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (۸۱)

غزوہ اُحد میں لشکر کی ترتیب یوں تھی، اس کے میمنہ کے امیر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور میسرہ کے امیر سیدنا المنذر بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ، جبکہ قلبِ لشکر کے امیر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس غزوہ مہاجرین کا پرچم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ جب مشرکین رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھنے لگے تو حضرت مصعبؓ سیدِ راہ بن گئے۔ جب انہوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا تو حیدرِ کرار نے بڑھ کر پرچم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ داعِ شجاعت دی۔ (۸۲)

۵۵ھ میں کفار اپنی پوری تیاری اور طاقت کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے مدینہ سے باہر حقائقِ تدبیر کے طور پر خندق کھودی تھی۔ قبیلہ بن عامر کا عمرو بن عبدود مشہور شجاع تھا، بہادری کے غرور میں اُس نے مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن سے مقابلہ کے لیے میدانِ کارزار میں نکلے، دونوں میں سخت قتال ہوا۔ تھوڑی دیر

تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقارِ حیدری نے اسے واصلِ جہنم کر دیا۔ آخر مسلمانوں کی پامردی اور استقلال کے آگے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور فتحِ مجاہدین کا مقدر بن گئی۔ (۸۳)

بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود اُن کے مقابلہ میں قریش کا ساتھ دیا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ اس لیے غزوہ خندق سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس مہم میں بھی پرچم اسلام سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ (۸۴)

۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد یہود خیبر کی امداد کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک سو مجاہدین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمائے۔ شعبان میں مجاہدین نے حملہ کر کے بنو سعد کو منتشر کر دیا، اور پانچ اونٹ اور دو ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں لائے۔ (۸۵)

صلح حدیبیہ

۶ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مقام حدیبیہ پہنچنے پر مشرکین مکہ نے مزاحمت کی اور عمرہ کرنے سے روک دیا۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ مشرکین نے انہیں روک لیا۔ ادھر یہ خبر مشہور ہوئی کہ وہ شہید کر دیے گئے ہیں۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی۔ اس بیعت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط اور جھوٹی تھی۔ اس سے مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا اور طرفین نے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے حسب دستور:

هذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتداء کی۔ مشرکین نے ”رسول اللہ“ کے لفظ پر اعتراض کیا کہ ہمیں اگر رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس لفظ کو مٹا دو۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیرتِ ایمانی نے گوارا نہ کیا اور عرض کیا، ”خدا کی قسم! میں اس کو مٹا نہیں سکتا۔“

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے منادیا، اور مشرکین کی تجویز سے ”محمد بن عبد اللہ“ تحریر کروایا۔^(۸۶)

غزوہ خیبر

مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں ستر میل کے فاصلہ پر خیبر ایک یہودی کالونی تھی، جہاں متعدد مضبوط قلعے تھے، اور یہ جگہ یہودیوں کا جنگی مورچہ بلکہ جزیرۃ العرب میں ان کی تمام چھاؤنیوں میں آخری اور مضبوط ترین چھاؤنی تھی۔

۶ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی۔ مجاہدین کی کل تعداد چودہ سو تھی۔ ایک ایک قلعہ فتح ہوتا رہا، لیکن ”القوص“ کا قلعہ مسلمانوں کے لیے ناقابلِ تسخیر معلوم ہو رہا تھا۔ کئی دن قلعہ کا محاصرہ جاری رہا، لیکن مجاہدین کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے، اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ پر مقدر ہے۔“

صبح ہوئی تو ہر ایک مجاہد متنبی تھا کہ کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر جتا۔ لیکن یہ دولت گراں مایہ حیدر کرار کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے جاں نثار اپنا نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام پکارا۔ یہ آواز غیر متوقع تھی، کیونکہ حضرت علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب و بہن ان کی آنکھوں میں لگا دیا، جس سے یہ شکایت کا فور ہو گئی۔^(۸۷)

فتح مکہ

رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ مکرمہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ ابھی مجاہدین روانہ نہیں ہوئے تھے، معلوم ہوا ایک عورت یہاں کے حالات سے مطلع کرنے کے لیے روانہ ہو گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو اس عورت کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یہ تینوں تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ روضۃ الخاخ کے مقام میں اسے گرفتار کر کے خط طلب کیا۔ پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی، بالآخر خط دے دیا۔

یہ لوگ خط لے کر مدینہ منورہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تفتیش پر معلوم ہوا کہ

وہ خط بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا۔

۱۰ھ رمضان المبارک ۸ھ کو دس ہزار قدسیوں کے جلو میں رسول الشقیں صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے، جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی کسپری کے عالم میں نکالے گئے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے پرچم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں۔ آج مکہ بلا کی خونریزی کے تسخیر ہو گیا۔ اور وہ وقت آ گیا کہ غلیل بیت شکن کی یادگار ”خانہ کعبہ“ کو نبیوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے۔ حضرت علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بتوں کو توڑنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔^(۸۸)

صدمہ جانگاہ

۱۰ھ میں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ادا فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی یمن سے آکر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

حج سے واپسی پر ربیع الاول ۱۱ھ کے ابتدائی ایام میں یمن میں یحییٰ بن حسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہایت تندی اور جانفشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمت گزاروں کی کافریں انجام دیا۔ دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول ووشنبہ کے روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جاں نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا۔ چونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن رکین تھے، اس لیے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراحل میں برابر شریک رہے۔^(۸۹)

عہد خلفاء ثلاثہ

شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچہ ارتحال کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا۔ تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی خلافت صدیق رضوانہ رغبت قبول فرما کر بیعت کر لی تھی۔

سوا دو برس کی خلافت کے بعد امیر المومنین، خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واصل باللہ ہوئے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مندرجہ آراء خلافت ہوئے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑی بڑی مہمات میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے

تھے، اور حضرت علیؑ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔

۱۵ھ میں جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے تاریخی سفر پر گئے تو کاروبار خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر گئے۔ (۹۰)

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اتحاد و یکجہت کا مظاہرہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے، دونوں نے باہم رشتہ مصابرت قائم کر کے دنیا کو بنادیا کہ ایک جان دو قالب ہیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر، خاتون جنت سیدہ زہرہ کی نور نظر، نواسی رسول اقلین صلی اللہ علیہ وسلم، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت خلافت اسلامیہ کے تحفظ اور بقا کے لیے بارہ کنفی مجلس شوریٰ منتخب فرمائی، جس میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

خلیفہ ثالث امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جب مستأد آئے خلافت ہوئے تو جس طرح خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی کے ادوار میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فیصلہ اور قضاء کے معاملات میں تعاون کرتے تھے، اسی طرح خلافت عثمان میں سیدنا علیؑ ان مسائل کے حل میں شریک و شامل رہے۔

جب امیر المومنین خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ و فساد شروع ہوا تو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے رفع کرنے میں مخلصانہ کردار ادا کیا۔ جب مصری بلوائیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آب و دانہ سے بھی محروم کر دیا تو سیدنا علیؑ نے ان لوگوں کو کہا، تمہارا یہ طریقہ عمل نہ صرف اسلامی روح کے خلاف ہے بلکہ انسانیت کی تذلیل و تحقیر کے مترادف بھی ہے۔ کفار بھی مسلمان قیدیوں کو آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے ہیں۔ اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو تم ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ اس سفارش سے محاصرہ میں قدرے نرمی کر دی گئی۔ (۹۱)

بالآخر ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں اسلام دشمن عناصر نے خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شیعہ حیات بجا دی۔ اس بے کسی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا۔ کائنات ارضی

و ساوئی نے اس خونِ ناحق پر آنسو بہائے۔

امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۲۱ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز دوشنبہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مستنصرین خلافت ہوئے۔ پُر آشوب اور سخت نامساعد حالات میں خلافت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ۱۷ رمضان ۴۰ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ برس تھی۔

اولاد

موزنین کے بیان کے مطابق خلیفہ رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے چودہ تھے: حسن، حسین، عباس، جعفر، عبداللہ، عثمان، عبید اللہ، ابوبکر، یحییٰ، محمد الاصفہر، عون، عمر، محمد الاوسط، محمد الاکبر رضی اللہ عنہما۔ اور بیٹیوں کی تعداد سترہ ذکر کی ہے۔ (۹۲)

محمد بن حنفیہ

نام و نسب

محمد نام، ابو القاسم کنیت، امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند اور سیدنا حسن و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے سوتیلے بھائی تھے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خاتون جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد کئی شادیاں کیں۔ ان بیویوں میں سے ایک خاتون خولہ المعروف بہ حنفیہ تھیں۔ خولہ کے بطن سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش ۳۱ یا ۳۲ھ میں ہوئی۔ (۹۳)

محمد بن حنفیہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے مجمع العلم باپ کے فرزند تھے، اس لیے علم کی دولت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ امام ابن سعد انہیں بہت بڑا صاحب علم لکھتے ہیں۔ (۹۴)

علم کے ساتھ قوت و شجاعت میں بھی اپنے والد بزرگوار اسد اللہ الغالب کے خلف الصدق تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے ہمیشہ دست راست اور پشت پناہ رہے، ہر میدان میں ان کے دوش بدوش داؤ شجاعت دیتے رہے۔

آپ نے متعدد شادیاں کیں اور بہت سی اولاد ہوئی؛ ابوباسم، عبداللہ، حمزہ، علی، جعفر اکبر۔

یہ ایک، اردو کے بطن سے تھے۔

حسن، ابراہیم، قاسم، عبدالرحمن، جعفر اصغر، عون، عبداللہ اصغر۔ (۹۵)

امامہانی رضی اللہ عنہا

فاخت نام، ام ہانی کنیت، ابوطالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں۔ ماں کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ یہ حضرت علی، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما کی حقیقی بہن تھیں۔

۸۔ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، مسلمان ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں غسل کیا اور آٹھ رکعت نماز پڑھ لی تھی۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے دو عزیز رشتہ دار شریکین کو پناہ دی، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا۔ (۹۶)

تذکرہ اہل بیت اطہار

کہا کہ میں علی کا نام اور کنیت دونوں ایک ساتھ برواشت نہیں کر سکتا، ان میں سے ایک بدل دو۔ چنانچہ کنیت ابی الحسن چھوڑ کر ابو محمد رکھ لی گئی۔ (۱۰۲)

اپنے زمانہ کے بڑے عابد و متاقت بزرگ تھے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے ”سجاد“ لقب پڑ گیا تھا۔ دن رات میں ایک ہزار رکعات پڑھتے تھے۔ عبادت کا یہ ذوق و انتہاک آخر لمحہ حیات تک قائم رہا۔ (۱۰۳)

۱۱ھ یا ۱۸ھ میں وصال ہوا۔ ابن سعد لکھتے ہیں، نہایت حسین و جمیل تھے۔ روئے زمین پر ایسا حسین و جمیل قریشی نہیں تھا۔ (۱۰۴)

بچے اور بچیاں ۲۹ تھیں۔ علی کی اولاد اس کثرت سے پہلی پھولی، عباسی خلفاء ان ہی کی نسل سے تھے۔ (۱۰۵)

عباس بن عبد اللہ

عباس بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب۔ والدہ کا نام زرعہ تھا۔ یہ بڑے بیٹے تھے۔ اولاد میں تین بیٹے ہوئے: عبد اللہ، عون، محمد۔ (۱۰۶)

آل بیت سکنی

www.jmmpak.com

امّ المؤمنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا

پاک دامن خاتون

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے والد کا نام ”خوید بن اسد بن عبد العزیٰ“ تھا۔ عبد العزیٰ، عبد مناف کے بھائی تھے، جبکہ عبد مناف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے۔ عبد العزیٰ اور عبد مناف کے والد قحطی بن کلاب تھے۔ اس طرح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب چوتھی پشت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے والد خوید زمانہ جاہلیت میں عربوں کے سپہ سالاروں میں سے تھے۔ انہوں نے ”حرب فجار“ نامی لڑائی میں بھی قیادت کی تھی، اور جب ”بنی“ حجر اسود کو اکٹھے کر کے لے گیا تھا تو اس کی بازیابی میں خوید نے بڑی جدوجہد اور کوشش کی تھی۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ کا نام ”فاطمہ“ بنت زائدہ بن الاصم بن عاصم بن لوی تھا۔ اور ان کی نانی کا نام ”ہالہ بنت عبد مناف“ تھا۔

سیدہ کی نشوونما

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے ایسے گھرانے میں پرورش پائی جو اپنی عمدہ عادات، دینداری میں مشہور تھا، اور ان لغویات اور فضولیات سے دور تھا جو عام قریشی گھرانوں میں سرایت کر چکی تھیں۔

کتب تاریخ حضرت خدیجہ کے بچپن کے حالات سے خاموش ہیں۔ لیکن اتنی بات ضرور کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بچپن کا ابتدائی حصہ نعمتوں سے بھرپور مالدار گھرانے میں گزارا۔ زندگی کی تمام سہولیات انہیں میسر تھیں۔ ان کا خاندان بھوکوں کو کھانا کھلانے اور محتاج و نادار لوگوں کی مدد کرنے کے اعتبار سے مشہور تھا۔

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

اہل بیت کی حقیقی مصداق ”اہل بیت سکنی“

یعنی ازواج مطہرات ہی ہیں،

جو دن رات ان گھروں میں قیام پذیر تھیں،

جن گھروں کا تذکرہ وحی خداوندی کی زینت بنا۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ. مَا يُبْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ. لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ.

اللہ رب العزت نے اپنی عنایت خاصہ اور حکمت بالغہ کے پیش نظر بچپن ہی سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نگرانی و تربیت فرمائی، کیونکہ وہ ام المومنین کا درجہ حاصل کرنے والی تھیں۔ اور ہر عورت اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ ام المومنین بن سکے۔

اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور خصوصی توجہ نے پیدائش کے بعد سے نشو و نما تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حفاظت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خصوصی مقام عطا کرنے کے لیے جن لیا تھا، تمام ازواج مطہرات کے سلسلہ میں آپ ﷺ صرف اسی خاتون کو قبول فرماتے تھے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور رہنمائی ہوتی تھی۔ خواہ کوئی عورت دنیوی اعتبار سے کتنے ہی اونچے درجے کی کیوں نہ ہو، بغیر حکم الہی کے اسے قبول نہیں فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ

(سورۃ الاحزاب: ۵۰)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی بیویاں حلال کر دیں، جن کے آپ مہر ادا کر چکے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ

(سورۃ الاحزاب: ۵۲)

ترجمہ: اس کے بعد آپ کے لیے عورتیں حلال نہیں، اور نہ یہ کہ آپ ان سے اور عورتیں تبدیل کریں۔

اولیس ازدواجی زندگی

قریش کے اعلیٰ خاندانوں میں یہ دستور تھا کہ وہ جوان ہوتے ہی لڑکی کی شادی کر دیا کرتے تھے۔ جونہی اس کی عمر دس سال سے زیادہ ہوتی، اس کے لیے رشتے آنا شروع ہو جاتے۔ اعلیٰ خاندانوں میں رشتہ مانگنے کی جرأت وہی شخص کر سکتا تھا جو خود بھی اعلیٰ حسب و نسب کا حامل ہو۔

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عمر جونہی دس سال سے زیادہ ہوئی، عتیق بن عابد مخزومی سے ان کا نکاح ہو گیا، اور ان کے ہاں عبد اللہ نامی بچہ کی پیدائش ہوئی۔ پھر عتیق بن عابد کا انتقال ہو گیا۔ ابھی ان کی بیوی کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ انہیں ابوہالہ ہند بن زرارہ بن النباش تمیمی نے

پیغام نکاح بھیجا۔ ہند بن ہالہ سے ان کے ہاں دو لڑکے (ہند اور حارث) اور ایک لڑکی (نسب) پیدا ہوئی۔

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تو عبد اللہ بن قتیق کی عمر دس سال سے زائد تھی، اور ہند اور دوسرے بچے ابھی دو طفولیت ہی میں تھے۔ یہ سارے بچے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، الفت اور پدرانہ ہمدردیاں محسوس کرتے تھے اور ”والد“ کہہ کر پکارتے تھے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے دوسرے خاوند ابوہالہ نباش کی وفات کے بعد اپنے بچوں کی تربیت کی واحد نگران تھیں۔ بچوں کی دیکھ بھال، پرورش اور تعلیم و تربیت انہی کے ذمہ تھی۔ اس عظیم خاتون کے زیر نگرانی بچوں نے اچھی تربیت پائی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود کو بچوں کے لیے فارغ کر دیا تھا اور شادی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ انہیں کئی قریشی سرداروں نے پیغام نکاح بھیجا، لیکن انہوں نے سب کو انکار کر دیا اور کسی سے رضامندی کا اظہار نہیں کیا، اور خود کو بچوں کی تربیت میں مشغول رکھا۔

شغل تجارت

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے فارغ اوقات کو اپنے مال کثیر کے ذریعہ تجارت کروانے میں صرف کرتی تھیں۔ وہ اپنے مال تجارت کو ان قافلوں میں روانہ کرتیں جو تجارت کے لیے مکہ سے جایا کرتے تھے۔ اور وہ ان قریشی لوگوں پر نگاہ رکھتی تھیں جو قافلہ کے ساتھ تجارت کے لیے جایا کرتے تھے تاکہ انہیں امانت دار اور کھرا آدمی سمجھ سکیں۔ اس سلسلے میں وہ اکثر اپنے بھتیجے حزام (جو حکیم کے نام سے معروف تھے) سے مدد لیا کرتی تھیں۔ وہ انتہائی ذہین آدمی تھے اور اپنی قوم میں ان کا ایک بلند مقام تھا۔ ان کی تجارت بڑی وسیع تھی۔ ان کے قافلے جزیرہ عرب کے اندر اور باہر، شام اور ایران وغیرہ میں مال تجارت کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے۔ اکثر ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ رائے اور عمل میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ (یاد رہے کہ یہ حکیم وہی شخص ہے جس نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بطور ہدیہ پیش کیا، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا)۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ جس شخص کو وہ اجرت پر بطور تاجر کے رکھتی تھیں، وہ اپنے عمل میں امانتداری، سچائی اور اخلاص کو اپنانے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی وسیع و عریض تجارت اور بے شمار منافع کے باوجود کسی موقع پر تجارت کی غرض سے باہر نہ نکلتیں اور نہ انہیں تاجروں سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ وہ کسی ایسے شخص کو مقرر کر دیتی تھیں جو انہیں تجارتی امور سے بے نیاز کر دیتا۔ اور ہم بھی دیکھتے ہیں کہ وہ ہمد تن گوش ہو کر نہ تو مکمل طور پر تجارتی امور میں مصروف ہوتیں اور نہ ہر وقت اپنے دل و دماغ میں تجارتی افکار کو غلبہ دیتیں۔ گویا کہ وہ ان چیزوں سے بہت مطمئن تھیں۔ ان کا دل و عقل ایک روحانی امر کے بارے میں غور و فکر کرنے میں مصروف تھے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ محض انہوں نے اپنے خاوند محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں علامات نبوت کو دیکھ کر سب کچھ چھوڑ دیا اور وہ ان چیزوں سے الگ ہو گئی تھیں جب وہ پختہ ایمان باللہ میں زندگی گزارنے لگیں تھیں۔

فکر و نظر کی پاکیزگی

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک عظیم کام نے مصروف کر رکھا تھا۔ وہ نہ بتوں کی عبادت کرتی تھیں نہ ہی کھڑے ہو کر انہیں دیکھنا پسند کرتی تھیں۔ ان کے بعض مقربین نے انہیں اس بات کی ترغیب بھی دی کہ وہ اپنے گھر میں بت رکھ لیں، یا وہ مورتیاں رکھ لیں جن کی اہل مکہ تقدیس و پرستش کیا کرتے تھے۔ لیکن وہ انہیں مذاق کے انداز میں مسکرا کر رد کر دیا کرتی تھیں۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان معبودوں کی حیثیت کیا ہے! اور انہیں علم تھا کہ یہ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پر قادر ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کتب سماوی کو سن کر بہت زیادہ فرحت و سرور اور اطمینان و تسلی محسوس کرتیں۔ جب ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل انہیں تو رات اور انجیل پڑھ کر سناتے تو وہ جھوم جاتیں۔ ورقہ بن نوفل جب انہیں اس عجیب و غریب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتاتے، جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا اور اپنی قوم کے ساتھ لیے جھگڑے کے بعد دین کو غلبہ عطا ہونا تھا، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کافی دیر تک خاموشی کے ساتھ ان کی باتوں کو سماعت کرتیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کریں۔ اور وہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ انہیں اس عجیب و غریب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب ہو اور یہ اُس کی نصرت کے راستے میں اپنی ہر چیز چھوڑ کر دیں۔ شاید کہ ان کے صاف و شفاف ذہن میں اس کامل انسان کی صورت کا نقشہ ابھر رہا تھا، جس صورت میں خالق تعالیٰ نے بغیر نمونہ کے اسے نقش عطا فرمائے تھے۔

سیدہ عالمہ سے اولیں معاملہ

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی مبارک تجارت مالی کثیر اور خیر عظیم کا ذریعہ تھی۔ ان کی مہمان نوازی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ رشتہ دار، عزیز و اقرباء، مسافر اور ان کی سہیلیاں سیدہ کی ضیافت سے نفع حاصل کرتے تھے۔ وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتیں، ناداروں کو کپڑے پہناتیں، فقیروں کی مدد کرتیں۔ اکثر اوقات ان کی رشتہ دار بچیاں ان کی خدمت میں حاضر ہوتیں، سیدہ کی ہم نشینی اختیار کرتیں اور ان کی خیرات سے وافر حصہ وصول کرتیں، اور کعبہ روانگی اور وہاں سے لوٹنے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہتیں اور ان کے آگے پیچھے چلا کرتی تھیں۔ گویا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بے تاج ملکہ تھیں۔ مشکلات میں ان سے مشورہ لیا جاتا اور انہیں کو ان کی پختہ رائے سے حل کیا جاتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب سے یہ ساری باتیں پوشیدہ یا مخفی نہ تھیں۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی کام کی ضرورت ہے اور حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اس سلسلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کر سکتی ہیں۔ ابوطالب اس بات کو اپنے بھتیجے کے سامنے بیان کرنا چاہ رہے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے پاس تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خندہ پیشانی کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا۔ ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا، "اے محمد! میں تو ایک نادار آدمی ہوں، میرے حالات بڑے سخت ہیں، ہم پر بڑی تنگی کے سال گزر رہے ہیں۔ خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ عنہا) آپ کی قوم کے لوگوں کو قافلہ میں بھیجتی ہیں، وہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے لیے اُس کے مال میں تجارت کرتے ہیں اور خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کے پاس جائیں اور خود کو ان کے حوالہ کریں تو وہ یقیناً آپ کو فوراً نہ

صرف قبول کریں گی بلکہ آپ کو دوسرے لوگوں پر ترجیح بھی دیں گی، کیونکہ آپ کی صداقت اور پاکیزگی کے بارے میں انہیں علم ہے۔“ (۱)

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و خصائل کا تذکرہ سن رکھا تھا۔ اس سیرت طیبہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و شہادی۔ اگر تاریخی واقعات (جو اس مذکورہ بات کی تائید کرتے ہیں) موجود نہ بھی ہوں، تب بھی ایسے دلائل و شواہد موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و شمائل اور محاسن و صفات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام دے کر اپنے ہاں تشریف آوری کی دعوت دی، تاکہ انہیں ان کی ذمہ داریوں اور معاوضہ پر متفق کر لیں اور ان سے امور تجارت طے کر لیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے عرض کیا، ”مجھے جس چیز نے آپ کو بلوانے پر ابھارا ہے، وہ آپ کی سچائی، امانتداری اور حسن اخلاق و عادات ہے، اور میں آپ کو دوسرے لوگوں کی بہ نسبت دو گنا مال عطا کروں گی۔“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے روانہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اپنے چچا کے ہاں تشریف لائے اور انہیں ساری بات سے مطلع فرمایا۔ ابوطالب مسرت و شادابی سے جھوم اٹھے اور آپ کو حوصلہ دیتے ہوئے گویا ہوئے:

”یہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔“ (۲)

پہلا تجارتی سفر

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئے امر کی تیاری فرمائی۔ عنقریب وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے اُن کے مال میں تجارت کرنے والے تھے۔

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تہامہ رواگلی کے لیے تیار ہو گئے، تاکہ سوق حباشہ پہنچ جائیں۔ سوق حباشہ زمانہ جاہلیت کا آٹھ روزہ بازار تھا، جو تہامہ میں لگتا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مالی تجارت فروخت کیا اور خرید و فروخت میں رائج اشیاء کو خریدا۔ جب بازار کے آٹھ دن پورے ہوئے تو واپس مکہ لوٹ آئے۔ ان کے ساتھ حضرت

خدیجہ رضی اللہ عنہا کا خادم میسرہ بھی تھا۔ جب میسرہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور سچائی کا مشاہدہ کیا تو اُس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت گھر گرائی، اور وہ ان کے ہاتھوں کی برکت پر حیران رہ گیا۔ جونہی وہ مکہ واپس پہنچا، فوراً حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، تاکہ انہیں اُن حالات سے آگاہ کرے جو اُس نے دیکھے اور سنے تھے۔ اور وہ اُس عظیم آدمی کی صفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا۔

ابن زبالہ فرماتے ہیں، ”جب اونٹوں کا قافلہ واپس آیا تو میسرہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اشارہ کیا کہ ان کی طرف آئیں، تاکہ وہ اس بادل کو دیکھ لیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا ہوا تھا اور اُن کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور اونٹنی کا نوزائیدہ بچہ دیا جائے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعلق ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تھا۔“

دوسرا تجارتی سفر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوق حباشہ کی طرف جانا تو محض ایک عنوان تھا، جس سے ان کی ایک خوبی ظاہر ہوئی کہ وہ کام کاج اور تجارت پر قدرت رکھتے ہیں اور اعلیٰ ذہانت کے مالک ہیں۔ اور اس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف کا علم ہو گیا جو وہ پہلے نہ جانتی تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سفر کی تیاری کرنے کی فرمائش کی۔ اس مرتبہ کا سفر شام کی طرف تھا۔ عرب تاجر مشرق کی بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس میں ہر اُس چیز کو ساتھ لے جاتے تھے جو زیادہ نفع کا باعث بن سکتی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شام میں کس چیز کی مانگ زیادہ ہے۔

جب قافلہ کوچ کرنے کی تیاری کرتا اور اُس کے روانہ ہونے کا وقت آتا تو مکہ کے بزرگ اور سردار اپنی عادت اور رواج کے مطابق جانے والوں کو رخصت کرتے۔ اس موقع پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چچا حضرات اور خاص طور پر ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ کو رخصت کرنے اور حوصلہ دینے کے لیے موجود تھے اور انہیں خرید و فروخت کے متعلق قیمتی امور پر

مطلع کرتے تھے۔ پھر وہ قافلہ ان لوگوں سے ہدایات لینے کے بعد روانہ ہو گیا جنہیں پہلے بھی ان سفروں سے واسطہ پڑ چکا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محنت اور جدوجہد کے ساتھ عمل میں مصروف رہتے۔ سامان کو ترتیب سے رکھتے اور تمام چیزوں کی قابل اطمینان نگرانی فرماتے۔

قافلہ شام کے جنوب میں مقام ”بصری“ پہنچ گیا۔ تاجروں نے اپنے سامان کو بیچنے کے لیے پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار کا دورہ فرمایا، تاکہ لوگوں کے احوال معلوم کر لیں، پھر اپنے سامان کو بیچنے کے لیے پیش کیا۔ اس موقع پر آپ کی خوبیاں اور خرید و فروخت اور لوگوں سے ملاقات میں آپ کی قدرت ظاہر ہوئی۔ شام کے ایک آدمی کا کسی بات پر آپ ﷺ سے اختلاف ہو گیا۔ اس نے کہا: ”اے اللہ اور عزیٰ کی قسم کھا!“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا، ”میں نے ان کی قسم کبھی نہیں کھائی، میں جب بھی گزرتا ہوں تو ان سے اعراض کر لیتا ہوں۔“ اس آدمی نے کہا، ”تیرا قول ہی معتبر ہے۔“

عظمت محمدی کا مشاہدہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا سامان بیچ دیا اور وہ چیزیں خرید لیں جو اہل مکہ کی ضرورت تھیں، اور مکہ واپس جانے کی تیاری فرمائی۔ جب آپ ﷺ مکہ کے قریب ”مر الظهران“ نامی وادی میں پہنچے تو میسرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جلدی جا کر انہیں سامان، سفر، تجارت کے حالات سے آگاہ کرے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و فضائل، اخلاق و معاملات اور آپ کے ذریعہ حاصل ہونے والی برکتوں کی نشاندہی کرے۔

جب یہ قافلہ مکہ کے دروازوں پر پہنچا تو لوگ اس کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ عورتیں اپنے اہل و اقارب کے دیدار کے لیے گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی وادی بطناء میں موجود اپنے گھر کے بالا خانے پر تشریف لے گئیں، اور دیکھا کہ فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ سیدہ نے جب بالا خانے سے آپ ﷺ کو اس شان کے ساتھ آتے دیکھا اور پاس والی عورتوں کو بھی دکھایا تو تمام خواتین حیرت و استعجاب سے اس حیرت افزا

واقعہ کا نظارہ کرنے لگیں۔

سیدہ کے قلبی لگاؤ میں اضافہ ہو گیا اور ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ اور دوسرے اہل قافلہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنا اور ان کے اوصاف حمیدہ اور خصائل جمیلہ پر مطلع ہوئیں تو ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت راسخ ہو گئی، اور انہیں یہ تمنا ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا رشتہ مضبوط ہو جائے اور وہ انہیں قریب سے دیکھ سکیں۔ کیونکہ تجارت کا زمانہ اس تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے کافی نہ تھا، وہ تو اب مضبوط تعلق چاہتی تھیں جس کے ذریعے یہ ان کے شریک حیات بن سکیں۔ لہذا انہوں نے اس مضبوط تعلق کی بنیاد ڈالنے کے لیے غور و فکر کیا اور اس نتیجہ پر پہنچیں کہ یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں اور یہ قریب شادی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ (۳)

حریم نبوی میں آمد

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم شباب اپنے عروج کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ وہ اللہ کی نگاہ کی حفاظت میں تھے۔ نظر کو پاکدامن رکھنے والے اور زبان کو لغزشوں سے بچانے والے تھے۔ صرف وہی گفتگو فرماتے تھے جہاں آپ سے بات کرنے کو چاہا جاتا تھا۔ جب گفتگو فرماتے تو اس میں کسی انسان کے لیے یہ پہلو نہ ہوتا کہ اپنی کسی ذاتی غرض یا خواہش کی بنا پر یہ بات فرما رہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے معاملہ میں پیش رفت عورتوں کی طرف سے ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے کام کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور اوصاف و خصائل نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، اور وہ ایک امید بھری زندگی گزارنے لگی تھیں۔ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ کے دوران آپ ﷺ کے آداب، نظر، کلام اور تعميرات کا مشاہدہ کیا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی کہ وہ آپ ﷺ سے نکاح کی خواہش نہ کریں۔ اس خواہش میں کوئی التو کھاپن اور غراہت تو نہ تھی، لیکن انکار کا خوف انہیں کھائے جا رہا تھا۔ امید بھری زندگی کڑی حقیقت سے بہت آسان ہوتی ہے، حقائق کے انکشاف سے پہلے

غیر واضح امور میں صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔

ہالہ کی تنگ و دو

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس بات کا فیصلہ کر چکی تھیں کہ نکاح نہ کریں گی اور انہوں نے قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور مالداروں کو انکار کر دیا تھا اور ان کے پیغام نکاح کو قبول نہ کیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں گفتگو یا سوچنے کی گنجائش نہ چھوڑی تھی اور تمام لوگ ان کے جواب کو سن کر ناامید ہو چکے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے چچا زاد بھائیوں کے دلوں میں ان کے احترام اور مرتبہ میں اضافہ ہو گیا تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قریبی رشتہ دار خواتین نے اس بات کو محسوس کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں رغبت ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ کی خواہش تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو جائے۔ حضرت خالد کا گمان تھا کہ جو نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی بات کی جائے گی، وہ فوراً قبول کر لیں گے۔

حضرت ہالہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ تیزی سے ان دونوں حضرات کے پیچھے پہنچیں، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب و ہیبت نے انہیں زبان کھولنے سے روک دیا۔ بالآخر انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور کہا، ”اپنے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ کیا اسے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی رغبت ہے؟“

حضرت ہالہ یہ سوچ کر واپس چلی گئیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے یہ پیغام سنیں گے تو فوراً ان کی بہن کے پاس پہنچ جائیں گے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”کیوں نہیں؟“ اگرچہ آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہیں گئے اور اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پہلے کی طرح گزرتی رہی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن حضرت ہالہ کو اس طرز عمل سے ملامت کی کہ ”کیا راستہ میں، ناواقف اور غیر آدمی سے، ناپسندیدہ ترین طریقہ پر اتنا اہم پیغام دینا، کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان لوگوں سے اس انداز میں گفتگو کی جاتی ہے؟“

حضرت ہالہ خاموش رہیں اور اپنی بہن کو کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قریبی کنبلی نفیسہ بنت منبہ نے ملامت کے سلسلہ کو منقطع کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا، وہ اس سلسلہ میں حکیمانہ رائے رکھتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف جارہے تھے۔ نفیسہ کی آواز سنائی دی، آپ ﷺ اُدھر متوجہ ہوئے۔

”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟“ نفیسہ گویا ہوئیں۔ اس سوال سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی میں رغبت تھی یا آپ ﷺ اس سے اعراض کرتے تھے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک معقول سبب بیان فرمایا تو ان کے لیے مزید سوالوں کی گنجائش نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، ”میرے پاس کیا ہے جس کے بدلے میں شادی کروں؟“

یہ جواب سن کر نفیسہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شادی نہ کرنے کا سبب معلوم ہو گیا، لہذا وہ فوراً قبولیت کی طرف متوجہ ہوئیں، جس سے معاملہ واضح ہو جاتا تھا۔ لہذا عرض کیا:

”اگر آپ کے لیے موجودہ مال کافی ہو اور آپ کو مال و جمال و عزت و مرتبہ اور برابری کی غور کی دعوت دی جائے تو آپ قبول نہ کریں گے؟“
”وہ کون ہے؟“ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا۔

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں کسی مخصوص بیوی کا خیال نہ تھا، اور نہ ہی وہ کسی خاص موضوع کے لیے کوشش و جدوجہد فرما رہے تھے۔
”خدیجہ! نفیسہ نے جواب دیا۔

امانت و صداقت کے پیکر کے لبوں کو جنبش ہوئی، ”میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے؟“
نفیسہ نے کہا، ”جب آپ راضی ہیں اور موافقت کرتے ہیں تو اس معاملہ کو میں سنبھال لوں گی۔“

سرورِ دو عالم ﷺ سے سیدہ کا عقد
نفیسہ خوشی و مسرت سے سرشار اپنی عزیز دوست کو مبارکباد دینے پہنچ گئیں۔ ان کا مقصد

پورا ہو چکا تھا اور وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نصیب کے اس اقدام پر خوشی و مسرت سے جھوم اٹھیں۔ (۴)

نکاح کے لیے حمزہ، ابوطالب اور دیگر معزز بن خاندان سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے۔ ابوطالب نے، جو عمر میں بزرگ تھے، خطبہ نکاح پڑھا، اور ۵۰۰ درہم چاندی مہر مقرر ہوا۔ (۵)

خصائص نبوت کا ظہور

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانے کے بعد ان کے گھر منتقل ہو گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی خوشیوں سے بھر گئی۔ ان کا گھر سعادت اور نیک بختی کا مرکز بن گیا۔ انہوں نے اپنے سامنے ایک ایسی شخصیت کا وجود پایا جس نے ان کے ذہن سے تفکرات اور اندیشوں کو مٹا دیا۔ اگر اعلیٰ اخلاق اور ان کے حامل لوگوں کا ذکر کیا جائے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انسانی کمال کے رتبہ پر فائز نظر آتے ہیں۔ اگر مردانگی، دانشمندی اور دانائی کا تذکرہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ان صفات کا حامل ہو سکتا ہے۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے احساس اور شعور میں یہ یقین اور ایمان بیٹھنے لگا کہ ان کے خاوند ہی اس امت کے نبی ہیں، جن کے متعلق انہوں نے اپنے بچپن اور قدیم روزگار سے سن رکھا ہے۔ لیکن یہ کب ہوگا؟ آپ ﷺ اور آپ کے رب کے درمیان اتصال کب ہوگا؟ وہ کون سے خلافِ عادت امور ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوں گے؟ یہ ایسے سوالات تھے جن کا جواب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ تھا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خلوت اختیار کر کے خارجہ میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے لگے۔ آخر کار اللہ کا امر نازل ہوا۔ امین الوقی جبرئیل کی آمد ہوئی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خارجہ سے کانپتے ہوئے تشریف لائے اور حکم فرمایا، ”مجھے چادر اوڑھا دو۔۔۔۔۔ مجھے چادر اوڑھا دو۔۔۔۔۔ مجھے کھیل دے دو، مجھے کھیل دے دو۔“ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہمیشہ باقی رہنے والا کلام فرمایا:

”ہرگز نہیں۔۔۔۔۔ خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں،

کمزور کی مدد کرتے ہیں اور مظلوم کی تکلیف دُور کرتے ہیں۔“ (۶)

اسلام کی خاتونِ اول

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو اقصائے عالم سے ایک آواز بھی آپ ﷺ کی تائید و تصدیق میں بلند نہ ہوئی۔ صرف ایک آواز فضا کے مکہ میں گونج رہی تھی، اور یہ دل آویز آواز سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔

ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والوں میں سیدہ خدیجہ پہلی خاتون ہیں۔ (۷)

بنو ہاشم کا بایکات

قریش کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کی دشمنی میں حد سے تجاوز کیا اور مشہور مقاطعہ پیش آیا، جب قریش نے تمام مسلمانوں سے قطعِ تعلقی کا فیصلہ کیا اور ایک دستاویز لکھ کر کعبہ پر لٹکا دی۔ اس دستاویز میں قریش نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ بنی ہاشم کی مخالفت کرو، ان کو مکہ سے نکال دو اور شعب ابی طالب میں رہنے پر مجبور کر دو۔ اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ان سے شادی کریں گے نہ ان کی شادی کروائیں گے، نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے نہ بیچیں گے۔ ان سے صلہ کریں گے اور نہ ہی ان کے معاملہ میں کوئی نرمی کریں گے، یہاں تک کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے نہ کریں۔

اس حالت میں مسلمانوں کی شعب ابی طالب میں نظر بندی کو تین سال کا عرصہ گزر گیا۔ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان لوگوں میں سے تھیں جو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شعب ابی طالب میں داخل ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف اور سختیوں میں شریک رہیں اور ان کے ساتھ زندگی کے دکھ اور تنگیوں کو جیٹنا گوارا کیا۔ لیکن سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان والے ابھی تک ایمان نہ لائے تھے، اور انہیں چھوڑا بھی نہ تھا۔ ابو جہل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام سے ملا، ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا جس نے گندم اٹھا رکھی تھی اور وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا رہے تھے۔ ابو جہل نے ان کو آواز دی اور کہا، ”کیا تو بنی ہاشم کے پاس کھانا لے کر جا رہا ہے؟ ان کے پاس کھانا ملے گا نہ جانا، ورنہ میں تجھے مکہ میں رسوا کر دوں گا۔“

اس موقع پر حکیم بن حزام کے دوست ابوالختری نے جواب دیا: ”یہ کھانا تو حکیم کی پھوپھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہے، کیا تم انہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس اُن کا کھانا لے جائے؟“ لہذا ابو جہل نے حکیم کا راستہ چھوڑ دیا۔

پھر وہ دونوں لڑنے لگے۔ ابوالختری نے اونٹ کی ہڈی پکڑی اور ابو جہل کو زوردار ضرب رسید کی۔

لوگوں کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی برکت نے ڈھانپ لیا، یہاں تک کہ قریش والوں نے دستاویز کو پھاڑ دیا اور مسلمان تین سال بعد مکہ واپس لوٹ آئے۔ اس عرصہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مالدار اور تو گھری کے باوجود مشقت سے بھرپور زندگی گزاری۔ وہ اپنے گھر تو واپس آ گئیں، لیکن شعب ابی طالب میں ان کو لاحق ہو جانے والی بیماری اور مشقت نے ان پر گہرا اثر ڈالا، اور اُن کی نشاط بھری زندگی میں اب کچھ خفت اور کمزوری پیدا ہو چکی تھی۔ (۸)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مرض کا شکار ہو گئیں اور بیماری کے ہاتھوں لاچار ہو گئیں۔ وہ آنکھیں کھولتیں تو اپنے سامنے اپنے باوفا خاوند صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر انوار چہرہ دیکھتیں، جس سے محبت و اپنائیت جھلک رہی ہوتی۔ لیکن آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے بارگاہ خداوندی میں دعا ہی کر سکتے تھے۔

سانچہ ارتحال

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شعب بنو مطلب سے باہر آئی تھیں۔ پے در پے تکالیف و مصائب کے باعث سیدہ کی صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ بالآخر رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۲۵ سال رفاقت کے بعد رمضان المبارک یا شوال ۱۰ انبوی میں، یعنی ہجرت سے تین سال پہلے اپنے شوہر نامدار کو داغ مفارقت دے گئیں۔ چند دنوں کے وقفے سے ابوطالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال پُر طال ہوا۔ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار و نمکسار کے بعد دیگرے دونوں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خود مصائب و آلام میں مبتلا تھے۔ (۹)

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے وقت عمر مبارک ۶۴ سال، ۶۰ ماہ تھی۔ چونکہ اس وقت تک نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی، لہذا سیدہ کو بھی اسی طرح دفن کر دیا گیا تھا۔ رحمت

عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کی قبر میں اترے اور اپنی نمکسار و چال خوار و جبرہ مکرمہ کو قبر کی آغوش میں رکھا۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی قبر جنت المعلىٰ میں مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔ (۱۰)

ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہر مشکل گھڑی میں اپنے شوہر نامدار کے ساتھ رہیں۔ وہ ہر ایسے موقع پر آپ ﷺ کی تسکین خاطر کا موجب بنتیں اور اپنی دل ربا دادوں سے غم غلط کرو جیتی تھیں۔

كانت خديجة وزيرة صدق على الاسلام. وكان رسول الله ليسكن اليها.
ترجمہ: سیدہ خدیجہ آپ ﷺ کی وزیر اور مشیر تھیں، اسلام کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تسکین قلبی حاصل کرتے تھے۔

رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بوقت نکاح ۲۵ سال تھی اور سیدہ کی عمر چالیس سال تھی۔ ۲۵ سال حضور ﷺ کے ساتھ بسر فرمائے اور ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ (۱۱)

جنت کی نوید

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے خصائص و فضائل اور منقبت و عظمت میں سے یہ بھی ایک عظیم المرتبت اور عظیم الشان خصوصیت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے انہیں جنت کی نوید جلا فرما اور اللہ تعالیٰ کے سلام سے نوازا گیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بشر خديجة ببیت فی الجنة من قصب. (۱۲)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں موتیوں کے عایشان محل کی خوشخبری سنائی۔

ایک روایت میں ہے:

ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بشر خديجة ببیت فی الجنة من قصب لا صخب فيه ولا نصب. (۱۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایسا محل ملنے کی بشارت دی جو موتیوں کا ہوگا، اور جس میں شور و غل اور محنت و مشقت نہ ہوگی۔

سیدنا عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

امرو ان ابشر خدیجۃ بیعت من قصب لا صخب فیہ ولا نصب (۱۳)

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خدیجہ طاہرہؓ کو جنت میں ایک ایسے محل کی بشارت سنا دوں جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور و غل اور محنت و مشقت نہ ہوگی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م ۷۴۷ھ) فرماتے ہیں:

امام حاکمی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں موتیوں سے تیار شدہ محل کی بشارت دی۔ کیونکہ ان کے پاس ایمان لانے سے پہلے خالص موتی تھے اور وہ بڑے بڑے بے جوڑ تھے۔

اور جنت میں ان کو ہر سکون محل کی بشارت اس لیے دی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و احترام کی وجہ سے آپ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز بھی بلند نہیں ہونے دی تھی۔ (۱۵)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۱ھ) اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وہی فضیلتها لاتعرف لامرأة سواھا (۱۶)

ترجمہ: یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو آپ کے سوا کسی اور عورت کو میسر نہیں ہوئی۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں:

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں یہ بھی ایک خاص فضیلت شمار ہوتی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حین حیات کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے قلب اطہر میں سیدہ کی بیحد اُلفت اور محبت جاگزین تھی، اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ ﷺ سے بے پناہ اُنس تھا۔ چنانچہ طبرانی نے اس بات کو بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

خصائص وفضائل

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پاکیزہ اخلاق، بلند پایہ محاسن اور قابل رشک سیرت و کردار کی حامل تھیں۔ جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کفر و شرک کی منکرات اور گمراہی کے عالمگیر اندھیروں سے نکال کر توحید خداوندی کی روشن شاہراہ پر چلانے کے لیے

مکہ مکرمہ کے گلی کوچوں میں آواز حق بلند فرما رہے تھے تو کسی بھی جانب سے آپ ﷺ کی تائید و توثیق میں آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ تمام جزیرہ عرب ایک خاموش تماشائی کی طرح معنی خیز خاموشی کا پیکر بنا ہوا تھا۔ اس عالمگیر خاموشی میں ایک دل آویز آواز اُٹھتی ہے، جو فضائے مکہ میں پھیل پھا کر دیتی ہے۔ اور وہ مونس و ہمگسار آواز سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی تھی، جو ان کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے بلند ہوتی تھی اور جو اس ظلمت کدہ کفر و منکرات میں انوار الہی کی جھلکی گاہ تھی۔

یہ خاتون جنت زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے نفور اور ذور تھیں۔ ایک مرتبہ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، تم بخدا! میں کبھی بھی لات و عزنی کی پرستش نہ کروں گا۔ سیدہ نے جواباً عرض کیا، لات کو جانے دیجیے، عزنی کو چھوڑیے۔ یعنی ان کا تو ذکر ہی نہ کیجیے۔ (۱۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہنے لگے، یا رسول اللہ! خدیجہ حاضر خدمت ہو رہی ہیں اور آپ ﷺ کے لیے برتن میں کھانے کی کوئی چیز لا رہی ہیں۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کا اور میر اسلام پہنچا دیجیے، اور انہیں جنت میں موتیوں کے عالیشان محل کی خوشخبری سنا دیجیے، جس میں نہ شور و غل ہوگا اور نہ ہی کوئی تکلیف۔ (۱۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ شاید سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہتے ہیں۔ سیدہ نے یہ سن کر فرمایا، حق تعالیٰ جل مجدہ خود ”سلام“ ہیں اور جبرئیل پر بھی سلام ہو اور آپ ﷺ پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے کہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ سے فرمایا، ”یہ خدیجہ ہیں۔“ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا، انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میرا سلام کہہ دیجیے۔ (۱۹)

امام عزالدین ابوالحسن بن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں وہ پہلی شخصیت ہیں جو اسلام لائیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والی خدیجہؓ تھیں اور اس معاملہ میں کوئی مرد یا عورت ان کے مرتبہ و مقام کو نہیں پہنچ سکا۔ اور یہ انتہائی عظیم منقبت ہے، جس میں ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا کوئی ثانی نہیں۔ (۲۰)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں ولادت ہوئی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ و برج سعادت تھا، جہاں خورشید اسلام کی نورانی شعاعیں سب سے پہلے پرتو لگن ہوئیں۔ بنا بریں ”عائشہ“ اسلام کی ان مایہ ناز برگزیدہ شخصیتوں میں سے ہیں، جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی قبیح آواز نہیں سنی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں:

”جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا، اُن کو مسلمان پایا۔“ (۲۱)

نام و نسب

نام نامی اسم گرامی عائشہ، صدیقہ لقب، ام المومنین خطاب، ام عبد اللہ (۲۲) کنیت، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمیرا (۲۳) اور بنت الصدیق کے لقب سے بھی خطاب فرمایا۔ (۲۴)

والد مکرم کی طرف سے نسب

عبد اللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لؤی القرشی النخعی، ابو بکر صدیق بن ابوقافہ، خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲۵)

والدہ کا اسم گرامی زینب اور ام رومان کنیت تھی۔ ان کے والد کا نام عامر بن عویم بن عبد شمس بن خطاب بن ازیہ بن سبیح ابن وحمان بن الحارث بن غنم بن مالک تھا۔ (۲۶)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا باپ کی طرف سے قریشیہ، تیمیہ اور ماں کی طرف سے کنانیہ ہیں۔ اس نسب نامہ کی رُو سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نسب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتویں یا آٹھویں پشت پر، اور والدہ کی طرف سے گیارھویں بارھویں

پشت پر مل جاتا ہے۔

کنیت

عرب میں کنیت شرافت و نجابت کا امتیازی نشان سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے ہر مرد و زن اپنی کنیت ضرور رکھتا تھا۔ چونکہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا اولاد کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوئی تھیں، اس لیے کنیت کے اعزاز سے محروم تھیں۔ ایک مرتبہ سیدہ الکوین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حسرت کے ساتھ عرض پر از ہوئیں کہ آپ ﷺ کی دوسری بیویوں نے تو اپنی سابق اولاد کے نام پر اپنی اپنی کنیت رکھ لی ہے، لیکن میں اپنی کنیت کس کے نام پر رکھوں؟

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم اپنے بھائے عبد اللہ بن زبیر کے نام پر کنیت رکھ لو۔ چنانچہ اسی دن سے ”ام عبد اللہ“ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت قرار پائی۔ (۲۷)

ایک روایت میں ہے، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں انہیں گود میں اٹھا کر سرور و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئی۔ آپ ﷺ نے اپنے دین مبارک میں کجھور چبا کر ان کے منہ میں ڈالی، اور یہ پہلی مقدس چیز تھی جو پیدا ہونے کے بعد ان کے پیٹ میں گئی۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هَذَا عَبْدُ اللَّهِ وَ أَنْتَ امُّ عَبْدِ اللَّهِ. (۲۸)

ترجمہ: اس کا نام عبد اللہ ہے اور آپ ام عبد اللہ ہیں۔

ابوبکر بن خثیمہ سے روایت ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! میری تمام ساتھیوں کی کنیتیں ہیں، آپ میری بھی کوئی کنیت مقرر فرما دیں۔ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تو بھی اپنے بیٹے عبد اللہ بن زبیر کے نام پر اپنی کنیت رکھ لے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ نے اپنی کنیت ام عبد اللہ رکھ لی، جو آپ کی وفات تک رہی۔ (۲۹)

”حمیرا“ لقب کے متعلق سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۲ء) لکھتے ہیں:

جن روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لقب ”حمیرا“ (گوری) ہے، محدثین کے نزدیک وہ سنداً ثابت نہیں ہیں۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں حمیرا ہے، جھوٹی اور

من گھڑت ہے۔ (۳۰)

بہر حال مصنفین کتب رجال نے ”حمیرا“ آپ کا لقب لکھا ہے اور لغات الحدیث، مثلاً مجمع البحار اور نہایہ وغیرہ میں بھی زیر لفظ ”حمرا“ اس کی تصریح ملتی ہے۔ (۳۱)

علامہ محمد طاہر الصدیقی (م ۹۸۶ھ) لکھتے ہیں:

”خذوا شطر دينكم من الحميراء يعني عائشة تصغير ”الحمراء“ بريد البيضاء. (۳۲)

امام الجرح والتعديل شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

”وكانت امرأة بيضاء جميلة ومن ثم يقال لها، الحميراء. (۳۳)

امام الخافض ابی نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی (م ۴۳۶ھ) سیدہ کا تعارف اس طرح کراتے ہیں:

ومنهم الصديقة بنت الصديق، العتيقة بنت العتيق حبيبة الحبيب،

وأيفة القريب سيدة المرسلين محمد الخطيب، المبرأة من

العيوب، المعرة من ارباب القلوب، لو فيتها جبريل، رسول علام

الغيوب، عائشة ام المومنين رضي الله عنها. (۳۴)

ترجمہ: اور ان میں سے صدیق کی بیٹی صدیقہ عتیقہ بنت عتیق، الحبيب کی محبوبہ،

سید المرسلین محمد الخطیب سے محبت کرنے والی، لوگوں کے شکوک سے عاری، علام الغیوب کے قاصد

جبرئیل کو دیکھنے والی، عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

امام شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) سیدہ کا حسب و نسب یوں بیان فرماتے ہیں:

بنت الامام الصديق الاكبر، خليفة رسول الله صلى الله عليه

وسلم ابی بكر عبد الله بن ابی قحافة عثمان بن عامر بن عمرو بن

كعب بن سعد بن تيم بن مره بن كعب بن لوى. القرشي، النضجة،

المكية، النبوية، ام المومنين زوجة النبي صلى الله عليه وسلم

الفقه نساء الامة على الاطلاق. (۳۵)

حریم نبوت میں آمد

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا حریم نبوی میں داخل ہونا اور عقد

مسنون کے وقت عمر مبارک کے سلسلہ میں امام محمد بن یوسف دمشقی برد اللہ مسجد (م ۹۴۲ھ) کی بیان کردہ روایات اسی ترتیب سے شامل کتاب کی جارہی ہیں، تاکہ سیدہ کی عمر کے متعلق جو شبہات پائے جاتے ہیں، ان کا موثر ازالہ ہو جائے۔

جب ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو بعد میں حضرت خولہ بنت حکیم زوجہ مکرمہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں۔ یا رسول اللہ! آپ دوسرا نکاح کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کس نے؟ حضرت خولہؓ نے کہا، بیوہ اور دو شیزہ دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں، جس کو آپ ﷺ پسند فرمائیں۔

حضرت خولہؓ نے عرض کیا، و شیزہ تو آپ ﷺ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عاتشہؓ ہے، اور بیوہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ ہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لائیں ہیں اور آپ ﷺ کی اطاعت گزار ہیں۔ ارشاد ہوا، بہتر ہے کہ تم ان دونوں کی نسبت گفتگو کرو۔

حضرت خولہؓ ام رومانؓ کے پاس گئیں اور کہا، اے ام رومان! اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھر میں خیر و برکت کے نزول کا ارادہ فرمایا ہے۔ ام رومانؓ نے عرض کیا، وہ کیسے؟ خولہؓ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاتشہؓ کے لیے پیغام دیا ہے۔ ام رومانؓ نے اس پر اپنی خوشی اور رضا کا اظہار کیا اور کہنے لگیں، ابو بکرؓ کا انتظار کر لیا جائے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے تشریف لانے پر حضرت خولہؓ نے پیغام دیا۔ جاہلیت کا دستور تھا کہ جس طرح گئے بھائی کی اولاد سے نکاح جائز نہیں، عرب اپنے منہ بولے بھائی کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے۔ اس بنا پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، خولہؓ! عاتشہؓ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہے۔ آپ ﷺ سے اس کا نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟

حضرت خولہؓ نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر استفسار کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابو بکرؓ میرے دینی بھائی ہیں، دینی بھائی کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔

لیکن اس سے پہلے حضرت عاتشہؓ بنیر بن مطعم سے منسوب ہو چکی تھی، اس لیے ام رومانؓ

نے حضرت خولہؓ سے کہا کہ مطعم بن عدی نے بھی اپنے بیٹے کے لیے عاتشہؓ کی بات کی تھی، اور بخدا! ابو بکرؓ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مطعم بن عدی کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت اس کے پاس اس کی بیوی ”ام الفقی“ بھی موجود تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا، تم نے عاتشہؓ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی، اب کیا ارادہ ہے؟ مطعمؓ اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے پوچھا، کیا خیال ہے؟ بیوی نے کہا، اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آگئی تو ہمارا لڑکا بد دین ہو جائے گا (اس لیے یہ رشتہ ہمیں منظور نہیں)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مطعمؓ کو مخاطب کر کے فرمایا، آپ بتائیں، آپ کی رائے کیا ہے؟ اس نے کہا، آپ نے جواب تو سن لیا ہے۔

اب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وہاں سے لوٹ آئے اور انہیں خلاف ورزی کا اندیشہ نہ رہا۔ گھر آ کر حضرت خولہؓ سے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنی صاحبزادی کا آپ ﷺ سے نکاح کر دیا۔

ام المومنین سیدہ عاتشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میرا نکاح کر دیا گیا، پھر میں دو سال (والدین کے گھر) رہی۔ پھر جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور دار بنی الحارث بن الخزرج میں ٹھہرے، پیاری کی وجہ سے میرے بال جھڑ گئے اور بہت چھوٹے ہو گئے تھے۔ اس وقت میری عمر نو سال تھی۔ والدہ نے میرا منہ ہاتھ دھلایا اور بال درست کیے۔ پھر مجھے ساتھ لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر آئیں۔ مجھے آپ ﷺ کے پاس پہنچایا۔ اس وقت آپ ﷺ کے حجرہ مبارک میں مردوں اور عورتوں کا اجتماع تھا۔ مجھے حجرہ میں بٹھا دیا۔

حضرت خولہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کی المیہ محترمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں اور اسے آپ ﷺ سے برکت عطا فرمائے۔

جب لوگ چلے گئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ قسم بخدا! انہ تو میرے نکاح کے موقع پر کوئی اونٹ یا بکری ذبح کی گئی، سو اس کے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے ایک بڑے پیالے میں کھانا آیا تھا۔ (۳۶)

عاتشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب خاتون ہیں جنہوں نے اپنے والدین سے سچائی کا دودھ نوش جان کیا اور خوالہ نبوی سے غذا پائی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خواتین میں یکتا اور رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت کا محور تھیں، جو ہر طرف سے خیر کی تمام صفات کے ساتھ متصف تھیں، اسی لیے انہیں "صدیقہ" کا عظیم الشان لقب عطا ہوا۔

ہجرت

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک مکہ ہی میں رہیں۔ دو برس تین مہینے مکہ میں اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں۔ (۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد صحابہ کے مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے جانے کے بعد جب کچھ اطمینان ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے اہل و عیال کو لانے کے لیے حضرت زید بن حارثہ اور اپنے غلام ابورافع کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک آدمی بھیج دیا۔

چنانچہ زید بن حارثہ، ان کے فرزند حضرت اسامہ اور ان کی بیوی ام ایمن اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں سیدہ فاطمہ اور سیدہ ام کلثوم اور آپ کی زوجہ مکرمہ سیدہ عائشہ اور سیدہ سودہ اور حضرت عائشہ کی والدہ مکرمہ ام رومان اور حضرت عائشہ کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر اور ان کے بھائی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہم اجمعین پر مشتمل مختصر سا قافلہ مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ (۳۸)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں کے ساتھ بنو حارثہ بن خزرج کے محلہ میں اتریں اور سات آٹھ ماہ یہیں اپنی والدہ مکرمہ کے ساتھ قیام پذیر ہوئیں۔ (۳۹)

منامی بشارت

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو یہ منفرد نوعیت کا اعزاز بھی حاصل ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبلاء عقد میں آنے سے پہلے اللہ جل مجدہ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی تصویر خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی اور یہ ایمان افروز مژدہ بھی سنایا کہ دنیا و عقبیٰ میں آپ ﷺ کی رفیقہ حیات ہے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، نکاح سے پہلے تو مجھے تین رات دکھائی گئی۔ جبرئیل ایک ریشمی کپڑے میں کوئی چیز لپیٹ کر لائے اور کہا، یہ آپ کی بیوی ہیں۔ تو میں نے اسے کھولا تو دیکھا کہ وہ تم ہو۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا فرمائے گا۔ (۴۰)

مسند احمد اور بخاری شریف کی روایت میں "اربتک فی المنام مرتین" کے الفاظ ہیں، اور مسلم شریف کی روایت میں "ثلث لیل" کے الفاظ ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن عائشہ ان جبرئیل جاء بصورتها فی خرقۃ حریر حضراء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان هذه زوجتك فی الدنیا والآخرة. (۴۱)

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر سبز ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے اور کہا، یہ آپ ﷺ کی بیوی ہیں، دنیا اور آخرت میں۔

بخاری شریف کی روایت اس طرح ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربتک فی المنام مرتین اذا رجل یحملک فی سرقۃ حریر، فیکول هذه امراتک. فاکشفها فاذا هی انت. فاقول ان یکن هذا من عند اللہ یمضه. (۴۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے تم خواب میں دو مرتبہ دکھائی گئیں۔ ایک شخص تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے لے جا رہا ہے، اس نے مجھ سے کہا، یہ آپ کی بیوی ہیں۔ اس کے چہرے سے پردہ ہٹایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ تم ہی تھیں۔

بخاری کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن عائشہ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربتک قبل ان اتزوجک مرتین. رایت المملک یحملک فی سرقۃ من حریر. فقلت له اکشف فاذا کشف فاذا هو انت. فقلت ان یکن هذا من عند اللہ یمضه. ثم اربتک یحملک فی سرقۃ من حریر. فقلت اکشف فکشف فاذا ہی انت. فقلت ان یک هذا من

عند اللہ یمضنه (۳۳)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم سے شادی کرنے سے پہلے مجھے تم دو مرتبہ دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا، ایک فرشتہ تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے ہوئے ہے۔ میں نے اس سے کہا، اسے کھولو۔ اس نے کھولا تو وہ تم تھیں۔ میں نے کہا، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا۔ تم مجھے دوبارہ دکھائی گئیں۔ فرشتہ تجھے ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لایا۔ میں نے کہا، اسے کھولو۔ فرشتے نے کھولا تو تم ہی تھی۔ میں نے دل میں کہا، اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ پورا کر دے گا۔

علامہ ذرقانی (م ۱۲۲ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر دیکھ کر یہ کہنا، ”اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا“، آپ ﷺ نے کچھ شک کا اظہار فرمایا ہے۔

علامہ طبری کہتے ہیں، یہ ”شرط“ ثبوت کو یقینی طور پر تحقق کرنے کے لیے عائد کی گئی ہے، جس طرح کوئی بادشاہ کسی سے انتقام لینا چاہے اور یوں کہے:

ان كنت سلطانا انتقم منك.

یعنی: میرا بادشاہ ہونا مقتضی ہے انتقام لینے پر۔

اور قاضی عیاض کہتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خواب بعثت سے پہلے دیکھا ہو، اس لیے کوئی اشکال وارد نہیں ہوا۔ اور اگر نبوت کے بعد دیکھا ہو تو پھر ترہ و کا اظہار اس بنا پر ہوا کہ عائشہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں میری زوجہ ہوگی یا صرف آخرت میں۔

اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ لفظ ”ان“ ”بلغ معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ گویا یہ ”تجامل عارفانہ“ کا اظہار تھا۔ بظاہر لفظ شک کا بول کر یقین کو واضح فرمایا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ لفظ ”ان“ اس لیے استعمال فرمایا ہو کہ یہ خواب ظاہر اور حقیقتاً وحی ہے یا خواب تو وحی ہی ہے، مگر اس کی تعبیر درکار ہے۔ یہ دونوں احتمال انبیاء کے حق میں جائز ہیں۔ (۳۴)

جنت میں رفاقت کی بشارت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہیں جنت میں

بھی رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کی بشارت دنیا میں ہی سنا دی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عائشہ زوجتی فی الجنة. (۳۵)

ترجمہ: عائشہ جنت میں بھی میری بیوی ہوں گی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں آپ ﷺ کی کون سی بیویاں ہوں گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تو بھی ان میں سے ایک ہے۔ (۳۶)

امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی توثیق فرمائی ہے۔ (۳۷)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہی زوجتہ فی الدنيا والاخرة. (۳۸)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بہت زیادہ تعریف فرمائی۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اور میں! آپ ﷺ نے فرمایا:

اما تر ضین ان تكونی زوجتی فی الدنيا والاخرة. (۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے عائشہ! تو قیامت کے دن میری آل میں سے اٹھائی جائے گی۔ (۴۰)

حبابہ عقد میں آنے کی تاریخ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبابہ عقد میں کب آئیں، از دواج کی تاریخ کون سی تھی؟ مختلف روایات میں حسب ذیل تصریحات بیان کی گئی ہیں:

ولقد هلك قبل ان يتزوجني بثلاث سنين. (مسند، ج ۲، ص ۵۸)

توفیت خدیجہ قبل مخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدينه

بثلاث سنين، فلبث سنتين او قریباً من ذلك و نکح عائشہ.

علامہ ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) بیان کرتے ہیں کہ ابو عبیدہ کہتے ہیں:

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دو سال قبل ہجرت عقد فرمایا تھا، اور یہ کنواری تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تین سال پہلے نکاح فرمایا۔ اور حضرت زبیرؓ کا قول ہے کہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے تین سال بعد نکاح کیا گیا، اور سیدہ خدیجہ کا انتقال ہجرت سے تین سال پہلے ہوا تھا۔ (۵۱)

مکارم اخلاق

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ، صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا اخلاق و کردار کی پاکیزگی، زہد و قورع، جود و سخا، راست گفتاری، شیریں کلامی، فصیح و بلیغ طرز اداء، ژرف نگاہی، و قیقتہ بخشی، زبردست حافظہ، ملکہ استنباط مسائل و حل مشکلات، مجتہدہ بصیرت و علمی فیضان میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھیں۔ علم تفسیر حدیث، فقہ، کلام، تصوف و اخلاق، سیر و تاریخ اور شعر و ادب ہر گوشہ و شعبہ علم میں ائمہ فن آپ کی عبقریت و عظمت اور جلال و امامت کے معترف نظر آتے ہیں۔

آپ کا بچپن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آغوش میں گزرا، جن کا دولت کدہ دور جاہلی اور ابتدائے عہد اسلامی میں مادی و روحانی غذا کا مرکز تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول:

”سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ سے قریش دو گونہ صفات علم و طعام کی وجہ سے مانوس تھے۔ چنانچہ وہ جب اسلام لائے تو ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بھی سب مسلمان ہو گئے تھے۔“ (۵۲)

عنفوان شباب کا زمانہ کاشانہ نبویؐ میں بسر ہوا، جو اسلام کی دعوت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و ہدایت کا معدن و سرچشمہ تھا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بقیہ زندگی یاد الہی اور علم و دین کی خدمت میں گزری۔ انہی وجوہ کی بنا پر موزنین اور تذکرہ نگاروں نے آپ کا تذکرہ نہایت شاندار الفاظ میں کیا ہے۔

زہد و قناعت

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سید الزاہدین تھے۔ پیٹ بھرنے اور خوش ذائقہ چیزیں حاصل کرنے اور جمع کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

سے فرمایا کہ اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کی کمر کعبہ تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو عام بندوں کی طرح بندہ اور نبی بن کر رہیں، اور اگر چاہیں تو نبی اور بادشاہ بن کر رہیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف مشورہ لینے کے طور پر دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تو امیص اختیار کریں۔ لہذا میں نے جواب دیا کہ میں نبی ہوتے ہوئے عام بندوں کی طرح رہنا پسند کرتا ہوں۔

پھر سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر لگا کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے، میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے، اور اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیار کیا تھا۔ اگرچہ آپ ﷺ اپنی حیات طیبہ کے آخری تین چار سال ازواج مطہرات کے لیے ایک سال کے لیے خرچ کا انتظام فرمایا کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ کی صحبت کے اثر سے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بھی اسے خیرات کر دیتی تھیں اور خود تکلیف برداشت کر لیتی تھیں۔

حضرت مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے میرے لیے کھانا منگوایا۔ پھر ارشاد فرمایا، اگر میں پیٹ بھر کر کھا لوں اور اس کے بعد روٹا چاہوں تو رو سکتی ہوں۔ میں نے عرض کیا، آخر کیوں؟ فرمایا، میں اس حال کو یاد کرتی ہوں جس حال میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اللہ کی قسم! کسی دن بھی دوسرے آپ ﷺ نے گوشت روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔ (۵۳)

ایک روایت میں ہے:

”اگر ہم چاہتے تو پیٹ بھر کر کھا لیتے، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔“ (۵۴)

سیدنا ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر چراغ روشن کیے بغیر اور چولہے میں آگ جلانے بغیر کئی ماہ گزر جاتے تھے۔ اگر زیتون کا تیل مل جاتا (جس سے چراغ روشن کیے جاتے تھے) تو تھوڑا ہونے کی وجہ سے چراغ روشن کرنے کے

بجائے بدن یا سر پر مل لیتے اور چربی مل جاتی تو اسے کھانے میں لے آتے تھے۔ (۵۵)

ام المومنین فرماتی ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تین صاع گجھ کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔ (۵۶)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا دنیا سے اعراض اور عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے زہد کے اعلیٰ درجات پر فائز ہو چکی تھیں۔ جیسا کہ امام ابو نعیم اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سیدہ دنیا سے بیزار اور اُس کی رنگینیوں سے بے خبر اور اپنی محبوب چیز یعنی اعمال کے کھو جانے پر رونے والی تھیں۔“ (۵۷)

سیدہ زہد میں بھی اسی طرح ضرب المثل تھیں، جس طرح وہ سخاوت میں ضرب المثل تھیں۔

جو دو سخا

اخلاقی حیثیت سے بھی سیدہ انتہائی بلند مرتبہ رکھتی تھیں۔ وہ نہایت قانع تھیں۔ غیبت سے احتراز کرتی تھیں۔ احسان کو قبول کرتیں۔ اگرچہ خود ستائی پسند نہ تھیں تاہم نہایت خوددار تھیں۔ شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔ لیکن ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا سب سے نمایاں وصف جو دو سخا تھا۔ نہایت فیاض، غریب پرور اور مہمان نواز تھیں۔ سیدہ عائشہ اور ان کی ہم شیرہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہن دونوں نہایت کریم النفس اور فیاض تھیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، میں نے ان دونوں سے بڑھ کر بخشنے اور صاحب کرم کسی کو نہیں دیکھا۔ لیکن ان دونوں کی سخاوت میں ایک فرق تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھوڑا تھوڑا جمع کرتی رہتی تھیں، جب کچھ رقم اکٹھی ہو جاتی تھی، اُسے راہِ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔ اور سیدہ اسماء کے ہاتھ جو کچھ آتا تھا، فوراً خیرات کر دیتی تھیں، جمع نہیں کرتی تھیں۔ (۵۸)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا اکثر مقروض رہتی تھیں۔ ادھر ادھر سے قرض لیتیں اور لوگوں کی حاجات پوری فرماتی تھیں۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا، آپ کو قرض لینے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی قرض ادا کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اعانت فرماتا ہے، اور میں اللہ تعالیٰ کی اس اعانت ہی کی تلاشی ہوں۔ (۵۹)

خیرات میں تھوڑے بہت کا لحاظ نہ کرتیں، جو موجود ہوتا سائل کی نذر کر دیتیں۔ ایک دفعہ ایک سائلہ آئی جس کی گود میں دو ننھے منے بچے تھے۔ اتفاق سے اس وقت گھر میں کھجور کے ایک دانہ کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ سیدہ نے وہی دے دی۔ اس عورت نے اسی کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دیے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو ماجرا عرض کیا۔ (۶۰)

سانچہ ارتحال

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ کو نماز وتر کے بعد ۶۶ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ (۶۱)

سید سلیمان نووی رحمہ اللہ عیسوی تاریخ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

۱۳ جون ۶۷۸ء، نماز وتر کے بعد رات کے وقت وفات پائی۔ (۶۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں علم و عرفان کا یہ مہتاب عالم تاب قبر کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔

(۶۵) ہو گیا۔

حرمِ نبوت میں آمد

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا شوہر کے وصال کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں آئیں۔ موزنین کرام کی تصریحات کے مطابق ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سب سے پہلی خاتون جسے ”ام المومنین“ ہونے کا شرف حاصل ہوا، وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

امام ابن سعد (م ۲۴۰ھ) رقم طراز ہیں:

فكانت أول امرأة تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد خديجة. (۶۶)

ترجمہ: حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد سب سے پہلی عورت جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا، وہ سودہ تھیں۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رسول الله صلى الله عليه وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رمضان المبارک دس نبوی میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے نکاح کیا۔ اور حضرت سودہ مکہ ہی میں آپ ﷺ کے گھر آئیں اور مدینہ منورہ ہجرت کی۔ (۶۷)

سیدہ خدیجہ کے وصال کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ اور حضرت سودہ سے نکاح فرمایا تھا۔ ان دونوں میں سے پہلے کس سے نکاح فرمایا؟ سیرت نگاروں نے اس میں دو قول نقل فرمائے ہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ بعض موزنین کے نزدیک پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا اور بعد میں حضرت عائشہ سے عقد فرمایا، لیکن حافظ ابن کثیر (م ۷۴۷ھ) نے مسند امام احمد کی ایک روایت سے استدلال فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہ کے وصال کے بعد آپ ﷺ نے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرماتی ہیں:

وكانت أول امرأة تزوجها بعدى. (۶۸)

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

آپ کا نام نامی اسم گرامی سودہ تھا۔ قریش کے ایک مشہور قبیلہ، عامر بن لوئی سے تعلق تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلہ نسب اس طرح ہے، سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عید و بن نصر بن مالک بن حصیل بن عامر بن لوئی۔ والدہ کی طرف سے نسب یوں ہے، اشوس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خدّاش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔ (۶۹)

شموس کی والدہ خویبہ عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو بن زید کے بھائی کی بیٹی تھی، اس وجہ سے بنو نجار سے تعلق تھا۔ اور سیدہ سودہ کی کنیت ”ام الاسود“ تھی۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں آنے سے قبل سکران بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود کے نکاح میں تھیں۔ سکران، حضرت سودہ کے والد کے چچا زاد بھائی تھے، اور سمیل بن عامر بن لوئی حاطب اور سلیم کے بھائی تھے۔ (۷۰)

قبولِ اسلام

ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان کے ساتھ ان کے شوہر نامہ دار نے بھی دعوتِ اسلام پر لبیک کہا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس بنا پر دونوں میاں بیوی کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہ اور ان کے شوہر مکہ مکرمہ میں اقامت گزریں رہے اور قریش مکہ کی سختیاں جھیلتے رہے۔ لیکن جب مشرکین کا ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد حبشہ کی ہجرت پر آمادہ ہو گئی۔ ان میں سیدہ سودہ اور ان کے شوہر سکران بھی شامل تھے۔ کئی برس حبشہ میں گزارنے کے بعد جب سیدہ سودہ اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس آئیں تو ان کے خاوند سکران کا مکہ مکرمہ میں انتقال

نبی اشارہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جب سکران کے نکاح میں تھیں تو انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لارہے ہیں اور آکر ان کی گردن کو چھوا ہے۔ یہ خواب انہوں نے اپنے خاوند سکران سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا، اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میرا انتقال ہو جائے گا اور تیرا نکاح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ پھر خواب میں دیکھا کہ وہ سوئی ہوئی ہیں اور چاند ٹوٹ کر ان پر گر گیا ہے۔ یہ خواب بھی انہوں نے شوہر سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا، اگر تمہارا خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں عنقریب انتقال کر جاؤں گا۔ چنانچہ اسی روز سکران بیمار پڑے اور کچھ دنوں بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گئی۔

ہجرت

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک مکہ معظمہ میں اقامت گزیر رہے۔ پھر جب اللہ جل شانہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور دونوں حضرات اپنے اہل و عیال کو مکہ میں چھوڑ گئے، جن میں سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

مدینہ پہنچ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور ابو رافع کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر بھیجا اور فرمایا، ایک اونٹ قدید کے مقام سے خرید لینا، تاکہ حضرت فاطمہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت سودہ کو لے آئیں۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے کنبہ کو اپنے ساتھ مدینہ لے کر گئے، جن میں سیدہ صدیقہ اور ان کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہن بھی تھیں۔ (۷۰)

زہد و تقویٰ

ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں بلند شان کی حامل تھیں۔ علامہ ابن کثیر (م ۷۴۱ھ) رقم طراز ہیں:

ترجمہ: میرے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ نے جس سے نکاح کیا، وہ سودہ تھیں۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں سودہ کے والد کے پاس گئی جو نہایت بوڑھے تھے اور انہیں جاہلیت کے طریقہ کے مطابق ”انعم صباحاً“ کہہ کر سلام کیا۔ انہوں نے دریافت کیا، کون ہے؟ میں نے جواباً عرض کیا، ”خولہ“۔ انہوں نے کہا، مرحبا! کیسے آنا ہوا؟

حضرت خولہؓ نے جواب دیا، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کی طرف سے آپ کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام لائی ہوں۔ انہوں نے سن کر کہا، ہاں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک شریف کفو ہیں (ہو کفو کریم) لیکن معلوم نہیں سودہ کی کیا رائے ہے؟ حضرت خولہؓ نے کہا، اسے یہ پیشکش قبول ہے۔

حضرت سودہ کے والد ماجد نے کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائیں۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری پر زمعہ نے اپنی صاحبزادی سودہ سے نکاح کی اجازت طلب کی۔ ان کے مبارک الفاظ اس طرح ہیں:

ای سودة رفعت هذه ان محمد بن عبد الله بن عبد المطلب

بخطبك، وهو كفو كريم الفتيبين ان ازوجه. قالت نعم.

ترجمہ: اے جان پدرا! یہ خولہ کہتی ہیں کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے تجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے، میرے نزدیک انتہائی عزت دار گھرانہ ہے، کیا تو راضی ہے کہ تیرا نکاح ان سے کر دوں؟ حضرت سودہؓ نے کہا، جی ہاں، میری رائے بھی یہی ہے۔

غرض اس طرح بحسن و خوبی اور خوش آسلوبی سے تمام مراحل طے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے اور حضرت سودہ کے والد گرامی قدر نے نکاح پڑھایا اور چار سو درہم مقرر ہوا۔

نکاح ہو جانے کے بعد حضرت سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ، جو اُس وقت تک دولت ایمان سے محروم تھے، آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ سودہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہے تو اُسے سخت رنج ہوا۔ اور اپنے غم و الم کا اظہار سر میں خاک ڈال کر کیا۔ بعد ازاں جب وہ دولت ایمان سے سرفراز ہوئے تو ساری زندگی اپنی اس حماقت پر افسوس کرتے اور کب حسرت ملتے رہے۔ (۶۹)

وكانت ذات عبادة وورع و زهادة. (۷۱)

ترجمہ: حضرت سیدہ سودة عبادت، تقویٰ اور زہد والی خاتون تھیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا۔ اس پر سیدہ سودة رضی اللہ عنہا نے اس سختی سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کو بھی نہ گئیں۔ فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں، اب رسول خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔ (۷۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد سب ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کے انتقال کے بعد کئی حج کیے، لیکن سیدہ زینب بنت جحش اور سیدہ سودة بنت زمعہ نے آپ ﷺ کے بعد کوئی حج نہیں کیا اور برابر گھر میں رہیں۔ اور فرمایا کرتی تھیں، ”بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد ہم اپنی جگہ سے نہیں ملیں گی۔“ (۷۳)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما من امرأة احب الى ان اكون في مسلحها من سودة الا ان فيها حدة تسوع منها. (۷۴)

ترجمہ: حضرت سودة کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔ ان میں صرف اتنی بات تھی کہ مزاج میں تیزی تھی، جو ظاہر ہو جاتی تھی اور جلد چلی جاتی تھی۔

ظرافت

ام المومنین سیدہ سودة رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ظرافت بھی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی ہنسا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ عرض کرنے لگیں کہ کل رات میں نے آپ ﷺ کے پیچھے نفل نماز پڑھی۔ باوجودیکہ میں ساتھ تھی، آپ ﷺ نے اتنا لمبا رکوع کیا، جس سے مجھے تکسیر پھوٹ جانے کا خوف ہوا اور میں نے اس ڈر سے اپنی ناک پکڑ لی۔ یہ سن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ (۷۵)

حکم حجاب

عرب کے قدیم طرز کے مطابق عورتیں قضاء حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھیں۔ سیدنا

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس بات کے خواہشمند تھے کہ عورتوں کے لیے پردہ کا حکم نازل ہو جائے، خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پردہ کے بہت ہی خواہاں تھے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے بغیر حکم جاری نہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی بیویاں بھی دیگر صحابیات کی طرح رات کے وقت قضاء حاجت کے لیے جنگل جایا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ سیدہ سودة رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کو جا رہی تھیں کہ راستے میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا۔ سیدہ کے دراز قد ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو پہچان لیا۔ اگرچہ وہ کپڑوں میں اچھی طرح لپیٹی ہوئی تھیں، پھر بھی قد کی وجہ سے پہچان ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے آواز دی، اے سودة! ہم تمہیں پہچان گئے۔ اور ان کی خواہش یہ تھی کہ پردہ کا حکم نازل ہو جائے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم نازل فرمادیا۔ (۷۶)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ایک رات سیدہ سودة رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے نکلیں۔ راستے میں حضرت عمرؓ مل گئے۔ سیدہ سودة دراز قد اور فرید اندام تھیں۔ جو انہیں جانتا تھا، اُس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے پہچان لیا اور بولے، سودة! ہاں خدا کی قسم! آپ ہم سے اپنے آپ کو نہیں چھپا سکتیں۔ دیکھئے آپ کس طرح باہر نکلی ہیں۔ حضرت سودة رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری۔ اُسے پاؤں وہاں سے واپس آ گئیں۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے حجرہ میں تشریف فرما تھے اور رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں اس گوشت کی ایک ہڈی تھی۔ حضرت سودة نے داخل ہوتے ہی عمر کی شکایت کرتے ہوئے کہا، یا رسول اللہ! میں قضاء حاجت کے لیے نکلی تو عمرؓ نے مجھے یہ باتیں کیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پروجی کا نزول شروع ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ اب بھی ہڈی آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی، آپ ﷺ نے اسے رکھا نہیں تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں قضاء حاجت کے لیے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ (۷۷)

سانحہ ارتحال

ایک مرتبہ ازواج مطہراتؑ بارگاہ رسالت پناہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ عرض کرنے لگیں، یا رسول اللہ! ہم میں سب سے پہلے کس کا انتقال ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اسمر عن لحوقابی اطول لکن یداً۔

ترجمہ: تم میں سب سے پہلے وہ مجھ سے ملے گی، جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔

انہوں نے ظاہری ہاتھ کی لمبائی سمجھی۔ ہاتھ تاپے گئے تو سب سے زیادہ دراز ہاتھ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ لیکن جب سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ ﷺ کی مراد سخاوت اور فیاضی تھی۔ (۷۸)

امام ابن سعد (م ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

توفیت مسودة بنت زمعة بالمدينة في شوال سنة اربع وخمسين في خلافة معاوية ابن ابي سفيان، (۷۹)

علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیان کی ہے۔ اور یہی قول علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابن ابی خثیمہ سے نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے:

ويقال ماتت سنة اربع وخمسين، ورجحه الواقدي، (۸۰)

ترجمہ: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۵۴ھ میں وفات پائی، اور واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن جوزیؒ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی وفات ۵۴ھ ہی ذکر کی ہے۔ اور آخر میں ابن خثیمہ کا قول بھی نقل کر دیا ہے:

توفيت في اخر خلافة عمر بن الخطاب والله تعالى اعلم، (۸۱)

اولاد

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پہلے شوہر سکرانؓ سے ایک لڑکا عبد الرحمن پیدا ہوا۔ انہوں نے جنگ جملاء (فارس میں) جام شہادت نوش فرمایا۔ لیکن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ﷺ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (۸۲)

مرویات حدیث

حریم نبوت میں رہنے کی وجہ سے ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دن رات ارشادات نبوت سے مستفید ہوتی تھیں۔ تاہم کتب احادیث میں ان سے صرف پانچ احادیث مروی ہیں، جن میں سے بخاری میں صرف ایک حدیث ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عبد اللہ بن زبیر، سیدنا یحییٰ بن عبد الرحمن بن زرارہ رضی اللہ عنہم نے ان سے روایت کی ہے۔ (۸۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت ابوبکر بن جبر رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔

جب غزوہ بدر ہوا تو قبیلہ بنو سہم کے افراد میں سے صرف حضرت خنیس بن حذافہ میں شریک ہوئے۔ یہ بھی اللہ کا کلمہ بلند کرنے والے مجاہدین شہسواروں میں سے تھے، اور بے جگری سے لڑے اور شدید زخمی ہوئے۔ لیکن زخمی ہونے کے باوجود آخر دم تک لڑے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔ جب مسلمان مدینہ منورہ لوٹے تو حضرت خنیسؓ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا عین جوانی میں بیوہ ہو گئیں اور انہیں اپنے شوہر نامدار کی وفات کا شدید رنج ہوا، جس کے آثار ان کے چہرے کے حسن پر نمایاں تھے۔ لیکن انہوں نے صبر و استقلال اور ایمان کے ساتھ اس غم کو برداشت کیا۔ ان کے والد گرامی قدر ان کے پاس تشریف لاتے اور ان کے غم و الم کو ہلکا کرنے کی کوشش فرماتے اور اپنی محبت و شفقت سے ان کا دل بہلاتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے احساس، فراست اور شعور سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ بیٹی بڑی شان والی قرار پائے گی۔

حرم نبویؐ میں آمد

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا عبادت گزار اور متقی خواتین میں سے صاحب فضیلت خاتون تھیں، اور ان کا شمار ان پاکیزہ یقین والی صابر خواتین میں ہوتا تھا، جنہوں نے عبادت و ریاضت کے میدان میں بلند مثالیں قائم کیں۔

ان کے والد اپنی عفت و تاب صاحبزادی میں یہ صفات دیکھ کر بہت خوش بھی ہوتے، مگر ساتھ ہی اس کی نوعمری میں بیوگی سے رنجیدہ خاطر بھی ہوتے۔ انہیں اپنے گرد و پیش حفصہؓ کے رتبے کے آدمی کی تلاش بھی تھی۔ بالآخر ان کی نظر انتخاب ایک ایسے مرد صالح پر پڑی جو سابقہ اہل اولوں کی صفت سے متصف تھا (یعنی حضرت عثمانؓ)، جو اپنی رفیعہ حیات حضرت رقیہؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اکیلے رہ گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ ان کے ہاں تعزیت کرنے اور ان کے غم و اندوہ کو ہلکا کرنے تشریف لے گئے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی بیٹی کی نسبت کی پیشکش بھی کر دی کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارا نکاح حفصہؓ سے کر دوں۔

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

نام حفصہ، والد کا نام عمر بن الخطاب۔ سلسلہ نسب یہ ہے، حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قریظ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی۔ والدہ کا نام زینب بنت مضعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن نجح۔ سیدہ حفصہؓ کی والدہ محترمہ زینب، مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ کی حقیقی ہمسرہ تھیں۔ (۸۴) سیدہ حفصہؓ اور عبد اللہ بن عمر حقیقی بہن بھائی ہیں، یعنی دونوں کی والدہ حضرت زینب ہیں۔

ولادت باسعادت

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت نبویؐ سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس وقت قریش بیت اللہ شریف کی تعمیر میں مصروف تھے۔ (۸۵)

ازدواجی زندگی

جب سیدہ جوان ہوئیں اور نسوانیت کامل ہوئی تو ان کا نکاح خنیس بن حذافہ بن قیس السہمی سے ہو گیا۔ ان کی خوش نصیبی کہ حضرت خنیسؓ بھی سابقین اولین میں سے ہیں۔ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ”دارالارقم“ منتقل ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر مسلمان ہو گئے تھے۔

ہجرت

جب مسلمانوں پر قریش کے مظالم بڑھ گئے تو حضرت خنیس رضی اللہ عنہ بھی حبشہ ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کر گئے اور پھر مکہ مکرمہ لوٹے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ وہاں رفاعہ بن عبد المذکر رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے، اور

حضرت عثمانؓ نے فرمایا، میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ دن انتظار کے بعد پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے تو انہوں نے بتایا کہ وہ فی الحال شادی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس جواب سے ملال ہوا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے رشتے کی بات کی۔ مگر وہ خاموش رہے اور جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے توجہی سے کچھ رنج ہوا۔ بعد میں خود سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی اور نکاح ہو گیا۔ کچھ روز بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے کہا، عمر! چند دن قبل تم نے مجھے حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی اور میں تمہاری بات سن کر خاموش رہا اور تمہیں میری خاموشی، بلکہ بے التفاتی کا گوارا گزری۔ لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرمایا اور میں آپ ﷺ کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (۸۶)

ابن سعد وغیرہ کی روایت میں ہے:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب جنیسؓ بن حذافہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے تو میں نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی، لیکن انہوں نے میری اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں نے عثمانؓ سے حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی، لیکن انہوں نے بے التفاتی سے کام لیا اور میری پیشکش ٹھکرادی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اللہ جل شانہ نے عثمانؓ کا نکاح تیری بیٹی سے بہتر عورت سے کر دیا اور تیری بیٹی

کا نکاح عثمانؓ سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا۔“

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ پیشکش اس وقت کی جبکہ اُن کی اہلیہ

محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تھا، اور ان دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش تھی کہ سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح ہو جائے۔ اس لیے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیشکش سے اعراض کیا تھا۔ چنانچہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حوالہ عقد میں لے لیا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ (۸۷)

عبادت و ریاضت

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ان نیک سرشت اور پاک طینت عبادت گزار خواتین میں شمار ہوتی ہیں جو ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں منہمک رہتی ہیں۔ سیدہ کثرت سے صوم و صلوة میں مشہور تھیں اور یہ دونوں صفات عبادت کی اعلیٰ اور اہم منزلیں ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان صفات کی حامل خواتین سے نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا، ”دین دار خاتون تلاش کرو۔“

ایک روایت میں ان کی عبادت گزاری کا یوں تعارف کرایا گیا ہے:

أَنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ. (۸۸)

ترجمہ: سیدہ حفصہؓ صائمہ النارا اور قائم اللیل ہیں۔

دوسری روایت میں ہے:

كَانَتْ حَفْصَةُ حَتَّى مَا تُقَطِّرُ. (۸۹)

ترجمہ: حضرت حفصہؓ نے اس حالی میں وفات پائی کہ روزے پر روزے رکھتی جاتی تھیں۔

كَانَتْ صَالِحَةً. (۹۰)

ترجمہ: وہ نیکو کار خاتون تھیں۔

تفقہ فی الدین

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو مصاحبت نبویؐ سے علمی فیوض و برکات سے بھی وافر حصہ حاصل ہوا۔ سیدہ سے ۶۰ احادیث مروی ہیں جو انہوں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد اکرم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سنی تھیں۔

سیدہ میں تعلیم کا ذوق بھی پایا جاتا تھا۔ اسی شوق کا اثر تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت شفاعدویہ رضی اللہ عنہا کو جیونٹی کے کانٹے کا منتر آتا تھا۔ ایک دن وہ آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تم حصہ کو منتر سکھا دو۔ (۹۱)

تفقد فی الدین کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے:

حضرت ام بشر انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت حصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، اس اثنا میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے کوئی بھی وزن میں نہ جائے گا جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اور حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے مجھ سے بیعت کی۔ یہ سن کر سیدہ حصہؓ نے تعجب سے کہا، اچھا! (یہ آپ ﷺ نے کیسے فرمایا؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بات پر حیرت زدہ کر دیا۔

علمی فضیلت

ام المومنین سیدہ حصہ رضی اللہ عنہا علم فقہ میں اچھی شہرت کی مالک تھیں، اور ان ہی صفات نے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑے محترم مقام پر فائز کر دیا تھا۔ ان کی فقیہی آراء کو معتبر مانا جاتا تھا۔

ام المومنین بے شمار صحابہ کے لیے علم حدیث کا مرکز و منبع تھیں۔ خود ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بیٹا اعمال کی تفصیلات دریافت کرتے رہتے تھے۔

امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ حصہ رضی اللہ عنہا کو ازواج مطہرات میں سے حفاظت قرآن کے لیے چنا تھا، اس لیے کہ یہ قرآن کی حافظہ بھی تھیں اور ممکن ہے کہ ان کی علمی برتری، تقویٰ و زہد اور عبادت و ریاضت میں ممتاز ہونے کی وجہ سے ان کا انتخاب فرمایا ہو۔

قرآن کی محافظہ

ام المومنین سیدہ حصہ رضی اللہ عنہا کی اس امانت کا بار احسان مسلمانوں کی گردنوں پر قیامت تک رہے گا۔ جب بھی ہم تلاوت قرآن مجید سے لطف اندوز ہوں گے تو سیدہ کی اس قرآن پاک کی اپنے گھر میں حفاظت کی فضیلت یاد آتی رہے گی۔

یوں ہی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ احسان بھی ہمیشہ یاد رہے گا جن کی تحریک اور تجویز

پر امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن مجید کو یکجا جمع کرنے پر آمادہ ہوئے۔ انہوں نے اس مشورہ سے اتفاق کیا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ تم جو ان، عقل مند آدمی ہو اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہ چکے ہو، لہذا اب قرآن کے متفرق اوراق تلاش کر کے جمع کرو۔

چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے چمڑے کے ٹکڑوں، تختیوں اور پتھروں پر لکھی متفرق آیات کو محنت شاقہ اور عرق ریزی سے جمع کیا۔ اس طرح وہ صحیفہ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ ان کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس یہ امانت رہی۔ پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس عظیم امانت کی حفاظت کے لیے ام المومنین سیدہ حصہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب فرمایا، اور یہ نسخہ انہی کے پاس محفوظ رہا، یہاں تک کہ جب دور عثمانی میں اس کی نقول کی ضرورت پیش آئی تو ان سے خلیفہ المسلمین نے وہ قرآن طلب فرمایا۔ اس سے دوسرے نسخے تیار کر لینے کے بعد سیدہ حصہؓ قرآن کی محافظہ — کو ان کا نسخہ واپس کر دیا۔ ام المومنینؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد یہ قرآن مجید میرے بھائی عبداللہ کی تحویل میں دے دیا جائے۔

سابقہ احوال

آخر وہ وقت آ گیا جس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں۔ زوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین، محافظہ قرآن سیدہ حصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان المعظم ۳۵ھ میں ۶۰ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی۔ یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس وقت کے والی مدینہ مروان بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنازہ کو کا ندھا دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جنت البقیع میں لے گئے اور ان کے بھائی عاصم اور عبداللہ، اور عبداللہ کے بہن بیٹے، سالم، عبداللہ اور حمزہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے قبر کے سپرد کیا۔ (۹۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بن جحش کے نکاح میں تھیں اور عبد اللہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ۳ھ میں نکاح فرمایا۔ (۹۶)

طبرانی کی روایت میں ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں آنے سے پہلے حصین یا طفیل بن الحارث کے نکاح میں تھیں۔ (۹۷)

عبد اللہ کی شہادت

حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ ۳ ہجری میں حضرت عبد اللہ نے غزوہ احد کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ دعا مانگی تھی:

”اے خالق کون و مکان! مجھے ایسا مدد مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور غضبناک ہو۔ میں تیری راہ میں لڑتا ہوں اُس کے ہاتھوں قتل کر دیا جاؤں، اور وہ میرے ہونٹ، ناک اور کان کاٹ ڈالے، تاکہ میں جب تجھ سے ملاقات کروں اور تو مجھ سے پوچھے، عبد اللہ! تیرے ہونٹ، ناک اور کان کیوں کاٹے گئے، تو میں عرض کروں، یا باری تعالیٰ! تیرے اور تیرے رسول کے لیے۔“

بارگاہ خداوندی میں اُن کی دعا کو شرف قبولیت نصیب ہوا اور ایک ہاتھ نبی نے انہیں شہادت کی بشارت سنائی۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا، ”اللہ کی قسم! اس دشمن سے لڑوں گا، حتیٰ کہ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش کا شکر کرے گا۔“

مگر کہہ بچا ہوا تو حضرت عبد اللہ بن جحش اس بے جگری سے لڑے کہ تلوار کٹڑے کٹڑے ہو گئی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک چھری عطا فرمائی، جس سے انہوں نے تلوار کا کام لیا اور اسی حالت میں لڑتے ہوئے مقام شہادت پر فائز ہوئے۔ (۹۸)

حریم نبوی میں آمد

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہو جانے کے بعد جب عدت گزر گئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لیے پیغام بھیجا، تو انہوں نے اپنے معاملہ کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دے دیا۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔ مہر میں بارہ اوقیہ اور ایک نش عطا فرمایا۔

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

نام و نسب

نام زینب اور کنیت ”ام المساکین“ تھی۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے: زینب بنت خزیمہ بن الحارث بن عبد اللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصہ۔ (۹۳)

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بڑی رحمدل اور جود و سخا کی حامل تھیں۔ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں انہیں ”ام المساکین“ کہا جاتا تھا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابیطالب کو غریبوں سے محبت اور اُن کے ساتھ ہم نشینی کی وجہ سے ”ابو المساکین“ کا خطاب دیا تھا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسکینوں کے ساتھ بیٹھے اٹھتے اور اُن کے ساتھ ہمیشہ احسان و مروت کا معاملہ کرتے تھے۔ ابن شہاب زہری سے روایت ہے، جب زینب سرورہ و دعا عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تو اُس وقت بھی ان کی کنیت ”ام المساکین“ تھی۔ اور یہ کنیت اُن کی اس وجہ سے تھی کہ وہ فقراء اور مساکین کو نہایت کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ (۹۴)

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن تھیں۔ (۹۵)

بیوی

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا پہلے طفیل بن حرث کی بیوی تھیں۔ طفیل نے انہیں طلاق دے دی تھی۔ پھر طفیل کے بھائی عبیدہ بن حرث نے ان سے شادی کر لی۔ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر میں جام شہادت نوش فرمایا تو حضرت زینب بیوہ ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے رمضان المبارک میں غزوہ احد سے ایک مہینہ پہلے اور ہجرت کے اکتیس ماہ بعد ۳ھ میں نکاح فرمایا تھا۔ (۹۹)

سیدہ زینت رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خضہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد انہیں ازواج مطہرات کے زمرہ میں شامل فرمایا تھا۔ (۱۰۰)

سانچہ ارتحال

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا عین غفوان شباب میں تیس سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر خلد بریں میں جا گزیں ہو گئیں۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بعد سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں انتقال فرمایا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں بہت تھوڑا عرصہ رہیں۔ (۱۰۱)

سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں رہنے کی مدت بعض روایات میں صرف دو ماہ، اور بعض میں تین ماہ، جبکہ بعض میں آٹھ ماہ بیان ہوئی ہے۔ لیکن سیرت نگار حضرات اور مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ وفات ربیع الثانی کی آخری تاریخوں میں ہجرت کے ۳۹ ماہ بعد ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ ازواج مطہرات میں پہلی بیوی ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ (۱۰۲)

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

ہند نام اور کنیت ام سلمہ تھی۔ قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے؛ ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔

والدہ غوفرا سے تھیں۔ اُن کا سلسلہ نسب اس طرح ہے؛ عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن عاتکہ بن جزل الطعان بن فارس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔ (۱۰۳)

ابو امیہ (حضرت ام سلمہ کے والد) مکہ مکرمہ کے مشہور مخیر اور فیاض شخص تھے۔ سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں ”زاد الراکب“ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ یوں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا حکم مادر سے چاندی کا چھپے لے کر پیدا ہوئی تھیں اور اُن ہی کی آغوش تربیت میں نہایت ناز و نعم سے پرورش پائی تھی۔ (۱۰۴)

نکاح

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے چچا زاد بھائی عبد اللہ بن عبد الاسد سے ہوا، جو ”ابو سلمہ“ ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ (۱۰۵)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد کے نکاح میں تھیں۔ یہ ابوسلمہ آپ ﷺ کی پھوپھی ”برہ بنت عبد المطلب“ کے بیٹے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ (۱۰۶)

ابوسلمہ سے سیدہ ام سلمہ کے ہاں سلمہ عمرہ ورہ اور زینب پیدا ہوئے۔

ہجرت حبشہ

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آغاز نبوت ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔ مشرکین

کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر نہیں، بلکہ کفر و شرک کے فتنہ سے گھبرا کر اپنے دین کو ایمان کے رہزنوں کی دستبرد سے بچانے کے لیے اللہ کی طرف بھاگنے والے پہلے گیارہ رکنی قافلہ میں شامل تھیں، جو رجب ۵ ہجری حبشہ کو روانہ ہوا۔ اسی قافلہ میں سیدہ ام سلمہؓ اپنے شوہر عبد اللہ کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کے بعد واپس مکہ مکرمہ آ گئے اور پھر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف دوسرے ہجرت کی سعادت حاصل کی ہے۔ (۱۰۷)

امام نووی لکھتے ہیں:

هما أول من هاجر الى الحبشة (۱۰۸)

ترجمہ: دونوں میاں بیوی نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

ہجرت مدینہ

مورخین اور اہل سیر لکھتے ہیں:

”وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں۔“ (۱۰۹)

دوسری روایت کے مطابق حضرت عامر بن ربیعہ کی زوجہ مکرمہ لیلیٰ بنت حمہ پہلی عورت تھیں جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں۔ (۱۱۰)

بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابوسلمہؓ سب سے پہلے مہاجر تھے جو سرزمین مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا سیدہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سر جتنا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان روایات میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر انہیں اذیت کا ہدف بنایا۔ اس پر ان کا مدینہ آنا گویا مشرکین کے خوف سے تھا۔ مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، لیکن اس کے برعکس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب مدینہ تشریف فرما ہوئے، اس وقت مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا، اس لیے ان دونوں روایات میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ (۱۱۱)

بہر کیف حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچے۔ یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ خاندان عمرو بن عوف نے انہیں پورے دو ماہ، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف

آوری تک اپنا مہمان رکھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول میں مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ (۱۱۲)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے۔ حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر ابوسلمہؓ کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں۔ ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا۔ لیکن ام سلمہؓ کے قبیلہ نے مزاحمت کی اور کہا کہ ابوسلمہؓ کیلئے مدینہ جاسکتے ہیں لیکن ہم اپنی بیٹی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی اور بچے کو مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے۔

ام سلمہؓ بچے کو گود لیے گھر واپس لوٹ آئیں۔ ابوسلمہؓ کے گھر والے ام سلمہؓ سے شیر خوار بچے کو بھی چھین کر لے گئے۔ اب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا عجیب کرب اور اضطراب میں مبتلا ہو گئیں۔ شوہر ابوسلمہؓ مدینہ چلے گئے، لخت جگر شیر خوار سلمہ اپنی دوھیال میں، اور ام سلمہؓ بے یار و مددگار اپنے گھر میں رہ گئیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ بات انتہائی تکلیف دہ تھی۔ خاوند کی جدائی کے ساتھ بچے کی جدائی نے سیدہ کو اضطراب سیمانی میں مبتلا کر دیا۔

چنانچہ سیدہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ”ابح“ کے مقام پر بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ سات آٹھ روز تک یہی حالت زار رہی، لیکن خاندان کے لوگ ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔ آخر ایک دن ابح سے ان کے خاندان کا ایک آدمی سیدہ کے پاس سے گزرا۔ انہیں روتے دیکھا تو اُس کا دل بھرا آیا اور اُس کے دل میں ام سلمہؓ کے لیے رحم کے جذبات پیدا ہوئے۔ گھر آ کر اُس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا، اس غریب بچہ کو اس ظلم کرتے ہو، اسے مدینہ جانے دو اور اس کا بچہ بھی اس کے حوالے کر دو۔

لوگوں نے اس کی بات مان لی اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ان کا بچہ دے کر مدینہ روانگی کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ اپنے لخت جگر کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔

چونکہ سیدہ کے ساتھ کوئی مرد نہ تھا، بلکہ بالکل تنہا تھیں، لیکن دیار حبیب کا شوق انہیں کشاں کشاں لیے جا رہا تھا۔ جب صحیحہ کے مقام پر پہنچے تو کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ، جو اس وقت تک دائرۃ اسلامی میں داخل نہیں ہوئے تھے، کی نظر پڑی۔ عثمان نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا،

کیونکہ ان کے شوہر ابوسلمہؑ سے الہ کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ عثمان نے پوچھا، کدھر کا ارادہ ہے؟ ام سلمہؑ نے کہا، مدینے کا۔ عثمان نے پوچھا، کوئی ساتھ بھی ہے؟ سیدہ سلمہؑ نے کہا، بس خدا اور یہ بچے۔ عثمان نے کہا، یہ نہیں ہو سکتا کہ تم تنہا بغیر کسی مرد کے چلی جاؤ۔ یہ کہہ کر عثمان بن طلحہ نے اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ عثمان راستہ میں اگر کہیں ٹھہرتا تو اونٹ بٹھا کر خود فوراً کہیں درخت کے نیچے چلا جاتا اور میں نیچے اتر جاتی۔ اور جب روانگی کا وقت ہوتا وہ اونٹ پر کچادہ رکھ کر ڈور بٹھ جاتا اور مجھے کہتا، سوار ہو جاؤ۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے ساری زندگی میں ایسا شریف آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ اس طرح مختلف منازل پر قیام کرتا ہوا وہ مجھے مدینہ لایا۔ جب قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو کہنے لگا، اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، وہ یہیں قیام پذیر ہیں۔ سیدہ ام سلمہؑ دھروانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔ (۱۱۳)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ایک مرتبہ میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی حدیث سن کر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ "إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ" پڑھے، اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ مَصِیْبَتِیْ هَذِهِ۔ اَللّٰهُمَّ اَخْلِفْنِیْ فِیْہَا بِخَیْرٍ مِّنْہَا۔ (۱۱۴)

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں۔ اے اللہ! تو مجھے اس کا نعم البدل عطا فرماتا۔

بعض روایات میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ مَصِیْبَتِیْ فَاَجْرِئْنِیْ فِیْہَا وَابْدِلْ لِّیْ بِہَا خَیْرًا مِّنْہَا۔ (۱۱۵)

بیوگی

غزوہ احد میں سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بے جگری، جاں بازی اور شوق شہادت

سے سرشار ہو کر قتال میں حصہ لیا۔ اسی موقع پر انہیں بہت گہرا زخم لگا، جو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو گیا اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ صحت یاب ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنو اسد سے جہاد کرنے والی جماعت کا امیر بنا کر بھیجا۔ اس جنگ میں ان کا پرانا زخم پھر ہرا ہو گیا اور اُس کی شدید تکلیف ہونے لگی۔ اور اسی زخم کی وجہ سے ۸ جمادی الآخر ۳۷ھ کو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ اور یہی جمہور کا قول ہے۔ (۱۱۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عین حالت نزع میں عیادت کے لیے تشریف لائے تھے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی روح دیدار جمال کی منتظر تھی۔ ادھر آپ تشریف فرما ہوئے اور ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا۔ آپ ﷺ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا:

"انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اُس کی آنکھیں اس کے دیکھنے کے لیے کھلی رہ جاتی ہیں۔"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَۃٍ وَّارْفَعْ ذَرْجَتَہُ فِی الْمَہْدِیْنِ وَاَخْلِفْہُ فِی عَقِبِہِ فِی الْغَابِیْنِ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَاَفْسَحْ لَہٗ فِی قَبْرِہٖ وَتَوَرَّ لَہٗ فِیہِ۔

ترجمہ: اے اللہ! ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرما اور ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا درجہ بلند فرما اور اس کے پس ماندگان کا حامی بن جا اور ہماری اور اس کی بخشش فرما۔ اے رب العالمین! اور اس کی قبر کشادہ فرما اور اسے منور فرما دے۔

ایک روایت میں ہے، جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی کہ ابوسلمہ انتقال کر گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم اس طرح دعا کرو:

اَللّٰهُمَّ اَغْفِرْ لِیْ وَلَہٗ وَاغْفِرْ لِیْ مِنْہُ عَقِبِیْ حَسَنَۃً۔

ترجمہ: اے اللہ! میری مغفرت فرما اور اُن کی بھی اور مجھے اُن کا اچھا جانشین عطا کر۔

- ۱- میں بہت غیرت مند ہوں (جس کی وجہ سے سونکوں کے ساتھ رہنا مشکل ہوگا)۔
 - ۲- میں عیال دار ہوں، یعنی یتیم بچے بھی ہیں۔
 - ۳- میری عمر زیادہ ہوگئی، یعنی اب مجھ سے اولاد پیدا نہ ہوگی۔
 - ۴- میرا کوئی ولی بھی نہیں۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
- ۱- جہاں تک مزاج میں غیرت زیادہ ہونے کا تعلق ہے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا، تمہاری غیرت والی بات جاتی رہے گی۔
 - ۲- تمہارے بچوں کا اللہ حافظ ہے۔ ان کی پرورش میں تمہیں کوئی دشواری نہ ہوگی۔
 - ۳- میری عمر تم سے زیادہ ہے، یہ کوئی عذر نہیں۔
 - ۴- رہا معاملہ ولی کا، تو تمہارا کوئی ولی میرے ساتھ رشتہ ہو جانے کو ناپسند نہیں کرے گا۔
- اس پر حضرت ام سلمہؓ نے کہا، اے عمر! اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو۔

ایک روایت میں ہے:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب میری عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاں تشریف فرما ہونے کی اجازت چاہی۔ میں اس وقت ایک چمڑے کو پکانے کے لیے رنگ دینے میں مشغول تھی۔ میں نے قرط کے پتوں سے رنگین ہاتھ دھو لیے اور آپ ﷺ کو تشریف لانے کو کہا اور آپ ﷺ کے لیے ایک گدا بچھا دیا۔ آپ ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے اور مجھے اپنے لیے نکاح کا پیغام دیا۔ جب آپ ﷺ کی بات پوری ہوگئی تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مجھے آپ ﷺ سے رغبت نہ ہو، لیکن میں خست غیرت مند ہوں، مجھے خدشہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نہ آجائے۔ اور میں بہت عمر رسیدہ ہو چکی ہوں اور میرے بچے بھی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہاں تک تیری نازک مزاجی اور رشک کا تعلق ہے، سو اللہ تعالیٰ اسے تجھ سے دُور کر دے گا۔ رہا معاملہ کبر کنی کا، تو میں تجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہوں۔ اور تیرا بچوں کے لیے فکر مند ہونا، تو اب وہ تیرے بچے نہیں بلکہ اب میرے بچے ہیں۔ چنانچہ میں نے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق دعا کی: **فَاعْقِبْنِي اللَّهُ مِنْ هُوَ خَيْرٌ لِي مِنْهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** (۱۱۷) ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ان سے بہتر جانشین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو تو یہ وہم بھی نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح کریں گے۔ ان کا تجربہ یہی تھا کہ حضرت ابوسلمہؓ سے بہترین خاوند نہیں۔ انہوں نے دعا تو کر لی مگر جی میں یہ خیال تھا کہ اس کی قبولیت کی کیا صورت ہوگی؟ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو لفظ بلفظ قبولیت بخشی اور وہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔

سیدہ کہتی ہیں:

اَيُّ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ مِنْ ابْنِي سَلَمَةَ اَوَّلَ بَيْتٍ هَاجَرَ اِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۱۱۸)

ترجمہ: ابوسلمہؓ سے بہتر کون مسلمان ہو سکتا ہے، یہ پہلا گھرانہ تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔

حریم نبوی میں آمد

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو مجھے وہ حدیث یاد آئی کہ جس کو وہ مجھ سے بیان کرتے تھے۔ اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوند! مجھے ابوسلمہؓ سے بہتر جانشین عطا فرما، تو دل کہتا کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے یہ دعا مانگنا شروع کر دی تو اللہ رب العزت نے ابوسلمہؓ کا جانشین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا دیا۔ (۱۱۹)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ جب وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ لیکن سیدہ نے انکار کر دیا۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے لیے پیغام نکاح دیا، لیکن ام سلمہؓ نے انہیں بھی انکار کر دیا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر آئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول کرنے میں مجھے چند عذر ہیں:

اپنا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمادیے۔ (۱۲۰)

یوں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا امہات المؤمنین میں شامل ہو گئیں۔

فضل و کمال

اگرچہ تمام ازواج مطہرات علمی حیثیت سے بلند مرتبہ کی حامل تھیں، تاہم ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ اور ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن یگانہ و فرزانہ تھیں۔ چنانچہ محمود بن لبید فرماتے ہیں:

كان ازواج النبي صلى الله عليه وسلم يحفظن من حديث النبي صلى الله عليه وسلم كثيرا، ولا مثالا لعائشة و ام سلمة. (۱۲۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات احادیث نبوی کا مخزن تھیں۔ تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اُن میں کوئی حریف و مقابل نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ازواجی رشتہ قائم ہو جانے کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی مصاحبت کو غنیمت جانا اور برابر آپ کے ملفوظات و ارشادات کو محفوظ کرتی رہیں اور آپ ﷺ سے سوالات کر کے اپنے علم کو پروان چڑھاتی رہیں۔ پھر اس علم کی نشر و اشاعت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سننے کا بے حد شوق تھا۔ ایک مرتبہ بال گوندھ رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے (مسجد نبوی میں) کھڑے ہوئے۔ زبان مبارک سے نکلا ہی تھا، ”ایہا الناس“ (اے لوگو!)، تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سن لیا (کیونکہ ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی سے ملے ہوئے تھے)۔ آواز سننے ہی بال باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور پورا خطبہ نہایت توجہ سے سنا۔ (۱۲۲)

علمی ذوق

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مسائل کی جستجو و امن گیر رہتی اور اکثر و بیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کر کے اپنے علم میں اضافہ کرتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنے سر کی مینڈھیاں بہت سختی سے باندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے لیے انہیں کھول لیا کروں؟ (تاکہ بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں) پھر سارے بدن پر پانی بہا لیا کروں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مینڈھیاں کھولنے کی ضرورت نہیں۔ تین مرتبہ اچھی طرح سر پر پانی بہا لیا کرو۔ (۱۲۳)

مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو غسل جنابت میں سر کے بالوں کی جڑوں کو تر کرنا فرض ہے۔ اگر مینڈھیاں بندھی ہوں تو سارے بالوں کو بھگونا فرض نہیں، جلد تک اچھی طرح پانی پہنچانا ضروری ہے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعا سکھائی اور فرمایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ پڑھا کرو:

اللهم ان هذا اقبال ليلك و اذبار نهارك و اصوات دعائك فاغفر لي. (۱۲۴)

ترجمہ: اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور دن کے جانے اور تیرے بلانے کی آواز کا وقت ہے، سو مجھے بخش دے۔

سانچہ ارتحال

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں سن وصال ۵۸ھ بیان کیا ہے۔ جبکہ واقدی کی روایت میں ۵۹ھ میں انتقال ہوا۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ سیدہ کا ۶۱ھ میں انتقال ہوا، جب سیدنا امام حسین کی شہادت کی خبر پہنچی تھی۔ اور ابو نعیم کہتے ہیں، ۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب ”الاصابہ“ اور ”تقریب“ میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ (۱۲۵)

ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عمر سیدہ ام سلمہؓ نے پائی اور تمام ازواج کے بعد اُن کا انتقال ہوا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک ۸۴ سال تھی۔

امام ابن سعد فرماتے ہیں، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ شوال کے آخری دنوں میں ۳۷ھ کو ہوا اور ذی قعدہ ۵۹ھ میں انتقال فرمایا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سیدہ کے پہلے شوہر کے دو بیٹوں، عمر اور سلمہ نے، اور عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی امیہ اور عبد اللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتارا، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (۱۳۶)

ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام و نسب

نام زینب، کنیت ام الحکم، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت جحش بن ریاب بن یحمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دووان بن سعد بن خزیمہ۔

والدہ کا نام امیہ تھا جو عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ اس رشتہ سے سیدہ زینب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی چھو بہن زاد بہن تھیں۔ (۱۳۷)

سیدہ زینب کا پہلے نام ہسره تھا، پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے زینب نام رکھا۔ امام سہیل نے ہسره محمد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت نبوی سے ۳۳ سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوئی، عیسوی ۵۹۰ھ تھا۔ قبیلہ بنو اسد خزیمہ میں پیدا ہوئیں اور بڑے ناز و نعم، عزت و جمال اور حسب و نسب کے فخر کے ساتھ ان کی پرورش ہوئی۔

اسلام

جب مکہ مکرمہ اسلام کی معطر ہواؤں سے مہک رہا تھا، اور غفلت اور باشعور لوگ جاہلیت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نجات کے متلاشی تھے اور سعادت مند لوگ دعوت اسلام قبول کر کے رب کی رضا حاصل کر رہے تھے، انہی ایام میں عبد اللہ بن جحش نے بھی داعی اسلام کو بلید کہا۔ اس وقت تک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ان کے ساتھ جلد ہی ان کا خاندان بھی حلقہ یگوش اسلام ہو گیا تھا، اور ان کی بہن زینب بھی ان ایمان لانے والوں میں شامل تھیں۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:

نکاح

ارشادِ بانی ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ. (سورة الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ آدمی ہے جو زیادہ متقی ہے۔

اسلام کے اولین مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ لوگوں کے درمیان عصبيت، جاہلی غیرت اور رنگ و نسل کے امتیازات مٹا دیے جائیں، اور فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کے پیمانے سے لوگوں کے درمیان عملی مساوات کو فروغ دیا اور اس بے مقصد طبقاتی فرق کو پامال کرتے ہوئے آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کا پیغام دیا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ زینب کا سیدنا زید سے نکاح کر دینے میں یہ مصلحت بھی تھی کہ آپ سیدہ کو ان کے ذریعہ کتاب و سنت کی تعلیم سے بہرہ یاب کرانا چاہتے تھے۔

سیدہ زینب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور نہایت شریف اور معزز خاندان سے تعلق تھا۔ جبکہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ موالی (یعنی آزاد کردہ غلام) سے تھے۔ اور عرب میں دستور تھا کہ کسی آزاد کردہ غلام سے نکاح باعثِ تنگ و غار سمجھا جاتا تھا۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو سیدہ زینب اور ان کے بھائی عبداللہ نے صاف انکار کر دیا، اور اس رشتہ پر راضی نہ ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ زید نسبی اور خاندانی حیثیت سے کم ہیں اور زینب اعلیٰ خاندان سے ہیں۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا.

(سورة الاحزاب: ۳۶)

ترجمہ: اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا نہ عورت کا، جب ٹھہراوے اللہ اور اس کا رسول کچھ کام کہ ان کو لیے اختیار اپنے کام کا اور جو کوئی بے حکم چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے سوارہ بھولا صریح چوک کر۔

کانت قدیمة الاسلام.

ترجمہ: آپ قدیم الاسلام تھیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ایک پر خلوص، پاکباز دل کی مالک تھیں۔ اندھی جاہلیت سے متنفر تھیں۔ دل و جان سے اللہ جل مجدہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسلام میں اتنی مخلص ثابت ہوئیں کہ غور توں کی دنیا میں ورع، تقویٰ، سخاوت اور بھلائی کے اعتبار سے سردار قرار پائیں۔

ہجرت

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا قرآنی فیوض سے لطف اندوز ہوتی رہیں اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے سرور تھیں۔ لیکن قریش کا دستِ ستم بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کے ظلم و جور سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا۔ انہوں نے دوسری مرحلہ ہجرت حبشہ کے موقع پر اپنے تمام خاندان یعنی دو بھائیوں (ابواحمہ، عبید اللہ)، تین بہنوں (زینب، ام حبیبہ، حمہ بنت جحش) اور عبداللہ کی بیوی (ام حبیبہ بنت ابوسفیان) کے ساتھ ہجرت کی۔

عبید اللہ نے حبشہ میں نصرانیت اختیار کر لی اور وہیں بیوہ خاں ہوا۔ حضرت عبداللہ بن جحش اپنے بقیہ خاندان کو واپس مکہ لے آئے اور پھر مکہ مکرمہ سے اپنے قبیلہ بنی نعمان بن دودان کے تمام افراد کو، جو سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، ساتھ لے کر مدینہ منورہ ہجرت کی۔

موصوف نے اپنے کتبہ قبیلہ کے لوگوں سے مکہ مکرمہ خالی کر دیا۔ محلہ کا محلہ بے رونق ہو گیا اور بہت سے مکانات موقوف ہو گئے۔ بنو جحش نے حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں ہجرت کی۔ اس پاک باز قافلہ میں ابواحمہ جحش، جو بینائی سے محروم ہو چکے تھے، محمد بن عبداللہ بن جحش اور خاندان کی خواتین میں سے زینب بنت جحش، حمہ بنت جحش یعنی مصعب بن عمیر کی زوجہ اور ام حبیبہ بنت جحش، جو حضرت عبدالرحمن بن عوف کی زوجہ مکرمہ تھیں، شامل تھے۔ (۱۲۸)

ابوسفیان نے بنو جحش کے تمام گھروں پر قبضہ کر لیا۔ جب عبداللہ بن جحش نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا، عبداللہ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان گھروں کے بدلے تمہیں جنت کے اعلیٰ ترین گھر عطا فرمائے۔ انہوں نے عرض کی، ہم راضی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ تمہیں ضرور ملیں گے۔

اس آیت میں مؤمن سے مراد عبد اللہ بن جحش اور مومنہ سے سیدہ زینبؓ مراد ہیں۔ یعنی کسی مومن اور مومنہ کے لیے یہ زینبؓ نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس کے بعد سیدہ زینبؓ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی ہمت نہ کر سکیں۔ انہوں نے اس فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور ان کا نکاح زید بن حارثہ سے ہو گیا۔

یہ ایک عظیم الشان طرہ افتخار تھا جو سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے دستار فضل پر نصب ہوا۔ لیکن یہ پیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہا۔ نسبی و خاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا۔ سیدنا زیدؓ نے دربار نبوت میں ناموافق مزاجی اور زینبؓ کی بے اعتنائی کی شکایت کی۔ اور عرض کرنے لگے کہ میں زینبؓ کو طلاق دے دیتا ہوں۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری خاطر سے تم نے اس تعلق کو قبول کیا ہے، اس لیے اب چھوڑنے میں ذلت و رسوائی ہوگی اور مجھے خاندان میں بدمامت اور شرمندگی ہوگی۔ لیکن اللہ جل مجدہ کی جانب سے زیدؓ اور زینبؓ کی زندگی میں پہنچتی نہیں ہوئی تھی اور جدائی ان کی ازدواجی زندگی کا مقدر تھی۔ اس میں اللہ جل شانہ کی حکمت یہ تھی کہ وہ ”محتمی“ کے جاہلی اصول و قواعد کا قلع قمع کر دے۔

جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ ان سے اُکٹا گئے اور بہت تنگ ہو گئے تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے پھر بھانے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ بھی اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ طلاق کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ بالآخر طلاق کی اجازت دے دی اور حضرت زیدؓ نے طلاق کے ذریعہ اپنا ازدواجی تعلق منقطع کر لیا۔

حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں، جب بار بار یہ جھگڑے اور قہقہے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دے دی تو زینبؓ کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنے دیں گے کہ اپنے بیٹے کی جو رو کو گھر میں رکھ لیا، یعنی اس سے نکاح کر لیا۔

حالانکہ لے پا لک یعنی ”محتمی“، کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں۔ اور عرب میں مدت سے یہ ایک بُرا دستور چلا آ رہا تھا کہ جس کو منہ بولا بیٹا بنالیں، اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کو

غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔

خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس رسم بد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور عمل سے توڑ دیں۔ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی آسمانی مطلع کر دیا گیا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینبؓ آپ ﷺ کی زوجیت میں آئے گی، تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں جو صلیبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے۔

غرض یہ کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا گیا کہ زینبؓ آپ کے نکاح میں آئے گی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بد باطنوں کے طعن و تشنیع کے خیال سے، کہ یہ طعن دیں گے کہ اپنے متنبہ کی جو رو سے نکاح کر لیا، شرم کے مارے اس پیشین گوئی کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا، بلکہ اس کو دل میں ہی پوشیدہ رکھا۔ اور خیال کیا کہ خدا کی خبر بالکل حق اور صدق ہے اور وقت آنے پر خود ظاہر ہو جائے گی۔

نیز خدا تعالیٰ کی طرف سے فی الحال اس پیشین گوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس امر کو بیگو تو دل میں مخفی رکھا اور تشریحی طور پر زید کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینبؓ کو طلاق نہ دینا، اس لیے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے اور بیوی کی بے اعتنائی اور چہرہ دہی پر صبر کرے۔

اگر کسی کو بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ کون بی بی طور پر آئندہ چل کر یہ ماجرہ پیش آنے والا ہے اور قضاء و قدر میں یہ مقدر ہو چکا ہے تو فی الحال تشریحی حکم کا اتباع کرنا ہوگا، قضاء و قدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہو جائے گی۔ (۱۲۹)

حرم نبوی میں آمد

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدہ زینبؓ رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو حکم دیا، تم خود جا کر زینبؓ سے میرے نکاح کا پیغام دو۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نکاح کا پیغام لے کر سیدہ زینبؓ کے در و دولت پر حاضر ہوئے۔ سیدہ اس وقت آنا گوندھنے میں مشغول تھیں۔

سیدنا زید محض اس خیال سے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا ہے، اس لیے تعظیماً زینبؓ کو دیکھنا بھی سوئے ادب سمجھا، اس لیے ان کی طرف پیٹھ کی

اور دوسری طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے، اور جو کچھ کہنا تھا، عرض کیا (حالانکہ ابھی تک پردہ اور حجاب کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ اُن کے تقویٰ اور ورع کے کمال کا اظہار تھا)۔ اور عرض پرداز ہوئے، اے زینب! مبارک ہو! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے، وہ آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ (۱۳۰)

عرش بریں پر نکاح

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ، یعنی استخارہ نہ کر لوں۔ اسی وقت انھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی وہاں مشغول استخارہ ہو گئیں۔ چونکہ سیدہ نے اس معاملہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا، خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر کی طلب گار ہوئیں، کیونکہ وہی ایمان والوں کا ولی ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے اپنی خاص ولایت سے آسمانوں پر فرشتوں کی موجودگی میں بغیر کسی ولی اور گواہ کے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔

آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا تھا، اب زمین پر بھی اس کے اعلان کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

فَلَمَّا قُضِيَ زَيْنَبُ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا. (سورۃ الاحزاب: ۳۷)

ترجمہ: پس جب زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے (اور اُن کو طلاق دے دی) تو اسے نبی کریم! ہم نے زینب کا نکاح آپ سے کر دیا۔

اس کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے۔ (۱۳۱)

ایک روایت میں ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما ہوئے تو انہوں نے عرض کیا، کیا یہ آسمانی حکم سے نکاح ہوا ہے؟ پھر کیا یا رسول اللہ! بغیر خطبہ اور گواہ کے نکاح ہو گیا ہے؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ المزوج، و جبریل الشاهد. (۱۳۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نکاح خواں اور فرشتے گواہ تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، کون ہے جو زینب کا کو یہ بشارت سنا دے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر میرے ساتھ اُس کا نکاح کر دیا ہے۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ... إلخ آخره.

آپ ﷺ نے آخر تک یہ آیتیں پڑھ کر ہمیں سنائیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھے خیال آیا کہ حضرت زینب پہلے ہی حسین و جمیل تھیں، اور اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں کہ رسول ﷺ کے ساتھ اُن کا عقد ہو گیا۔

ولیمہ

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ جل مجدہ نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا تھا اور پھر اس کے متعلق قرآنی آیات بھی نازل فرمائیں، اس لیے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا، جس قدر سیدہ زینب بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹے بھر کر لوگوں کو گوشت روٹی کھلائی۔

لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باتیں کرتے رہے، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت حیا کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہ فرمایا لیکن مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تاکہ وہ سمجھ جائیں۔ آپ ﷺ حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے اور فرمایا، السلام علیکم اهل البيت و رحمة الله۔ سیدہ نے جواب میں عرض کیا، و علیک و رحمة الله۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو مبارک باد دی۔ یکے بعد دیگر تمام ازواج کے حجرہوں میں تشریف لے گئے اور سب سے اسی طرح کلام فرمایا۔ اور یہ آیتیں نازل ہوئیں: (۱۳۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ

غَيْرِ نَظَرٍ إِنَّهُ لَا وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَبِرُوا

وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِذْ أَنْذَرَكُمْ لِيَوْمَ يَأْتِي السَّيِّئُ فَيَسْتَعْمِي
مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَعْمِي مِنَ الْحَقِّ ط وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا
فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ط ذَلِكَ لِمَنْ لَفَلُوْهُنَّ وَقُلُوْهُنَّ
(سورۃ الاحزاب: ۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ داخل ہو، مگر جب تمہیں اذن دیا جائے،
کھانا کھانے کے لیے اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو، لیکن تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا
تیار ہو گیا ہے تو آ جاؤ، اور جب کھانا کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں نہ
لگ جاؤ، اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو حق بات کہنے میں کوئی حجاب نہیں۔ اور اگر تم
بیبیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، اس میں تمہارے دلوں اور اُن
کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب
رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو میری والدہ ام سلیمؓ نے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ میں
خالہ لگتی تھیں) کھجور، کھجور سے حبس (ایک خاص قسم کا حلہ) تیار کیا اور میرے ہاتھ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اور کہا، عرض کرنا کہ یہ میری والدہ نے بھیجا ہے، وہ آپ ﷺ
کی خدمت میں سلام کہتی ہیں اور عرض کرتی ہیں، ہماری طرف سے یہ قلیل سا ہدیہ ہی قبول
فرمائیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ مالیدہ کا طشت لے کر سیدہ عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی والدہ محترمہ کا سلام عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ ہماری طرف سے
قلیل سا ہدیہ ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے رکھ دو۔ پھر ارشاد فرمایا، جاؤ اور فلاں فلاں کو
بلا لاؤ، اور جو بھی آدمی راستے میں ملے اسے بھی بلا لاؤ۔ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کے نام بھی لیے،
چنانچہ جن کے نام لیے وہ بھی اور جو راستے میں ملا اسے بھی آپ ﷺ کی طرف سے دعوت دیتا گیا۔
جب وہ سب آ گئے، راوی حدیث کہتے ہیں، حضرت انسؓ سے پوچھا گیا، ان کی تعداد کتنی
تھی؟ تو انہوں نے بتایا، تین سو تھی۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انس! وہ طشت لاؤ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، کھانا کھانے والے آئے، یہاں تک کہ صفہ اور آپ ﷺ کا حجرہ بھر گیا۔
آپ ﷺ نے اس حلہ پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ پڑھا اور پھر دس آدمیوں کو بلانے لگے
اور ان سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر ہر ایک آدمی اپنے سامنے سے کھائے۔ سب نے شکم سیر ہو کر
کھایا۔ ایک گروہ داخل ہوتا، وہ کھانا کھا کر نکلتا، پھر دوسرا داخل ہوتا اور سیر ہو کر باہر نکلتا۔ یہاں
تک کہ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا، انس! اب اس طشت کو اٹھا لو۔ میں نے
جب اسے اٹھایا تو میں نہیں سمجھتا کہ جب میں نے طشت رکھا تھا اُس وقت حلہ زیادہ تھا یا جس
وقت سب کے کھالینے کے بعد جب طشت اٹھایا اُس وقت زیادہ تھا۔ (۱۳۴)

نزول حجاب

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
دعوت ولیمہ کی، اور یہی نزول حجاب کا سبب بنا۔ آیات حجاب لوگوں کی تعلیم اور نصیحت کے لیے
نازل ہوئیں کہ لوگ نبی کے گھر بغیر اجازت داخل نہ ہوں اور جب انہیں کھانے وغیرہ پر بلایا
جائے تو وہ آئیں، مگر کھانا کھا کر جلد چلے جائیں، گپ شپ کے لیے نہ کریں۔

بعض روایات میں پردے کے حکم کا نزول سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے موافقات میں
ہے، جیسا کہ امام بخاری سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے نقل کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی
اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے ہاں
"نیک وبد" ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، اگر آپ ﷺ چاہیں تو اُمہات المومنین کو پردہ کرنے کی
تلقین فرمائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیات نازل فرمائیں۔ (۱۳۵)

امام ابن سعدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل فرمائی ہے:
پہلی مرتبہ آیات حجاب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ
کے موقع پر نازل ہوئیں۔ یہ واقعہ ہجرت کے پانچویں سال کا ہے۔ اللہ جل شانہ نے سیدہ زینب
رضی اللہ عنہا کے نکاح کو مسلم خواتین کے لیے قیامت تک کے لیے بابرکت قرار دیا اور حوا کی
بیٹیوں پر پردہ کو فرض قرار دے کر شرف پاکیزگی اور خلوص کا عقد عطا فرمایا۔ (۱۳۶)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع (م ۱۳۸۶ھ) لکھتے ہیں:

باتفاق علمائے امت، اس پردہ کے متعلق پہلی آیت وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی (لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ) اور یہ آیت حضرت زینب بنت جحش کے نکاح اور حرم نبوی میں داخلہ کے وقت نازل ہوئی ہے۔ (۱۳۷)

جو دو سزا

شبہ شاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصفِ جو دو سزا کا مشاہدہ دن رات امہات المؤمنین کرتی رہتی تھیں، اس لیے ان میں بھی یہ وصف بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ تھوڑا یا زیادہ جو مال بھی آتا، اسے راہِ خدا میں خرچ کرنے میں جلدی کی جاتی۔ اپنی ذاتی ضروریات کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی راہِ خدا میں بے دریغ خرچ کرتی تھیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس وصف کو ایک عجیب انداز میں بیان فرمایا۔

ازواجِ مطہرات میں سے کسی نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم میں سب سے پہلے کون وفات پا کر آپ ﷺ سے جا ملے گی؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہم میں سے جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہے۔ آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ سخاوت و بخشش اور جو دو کرم کے لحاظ سے تم میں سے جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں وہ سب سے پہلے وفات پا کر میرے پاس آئے گی۔ ازواجِ مطہرات حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ کو نہ سمجھ سکیں، اس لیے وہ ایک لکڑی لے کر اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔

ایک روایت میں ہے، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب بھی ہم ازواجِ آپس میں کسی کے گھر پر جمع ہوتیں تو دیوار پر ہم اپنے ہاتھ خوب کھینچ کر رکھتیں اور ناپا کرتی تھیں۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہم میں سب سے زیادہ لمبی ہیں، لہذا اُن ہی کے ہاتھ بھی سب سے زیادہ لمبے تھے۔ (۱۳۸)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، حالانکہ وہ بہت دھان پان اور مختصر قد و

قامت کی تھیں، اُس وقت ہم نے سمجھا کہ لمبے ہاتھوں سے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد صدقہ و خیرات اور فیاضی تھی، جسمانی ذیل و ذول نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت زینب دستکار تھیں اور اپنی محنت سے کمات کر بچہ صدقہ و خیرات کیا کرتی تھیں۔ (۱۳۹)

امام نووی فرماتے ہیں:

سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازواج میں حضرت زینب ہی وہ پہلی خاتون ہیں جو فوت ہوئیں۔ (۱۴۰)

امام نووی مزید فرماتے ہیں:

اہلِ لغت کسی آدمی کی سخاوت اور فیاضی کا تذکرہ کریں تو یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں:

فلان طویل الید و طویل الباع.

اور جب کسی کی سنجوی کا ذکر کرنا ہو تو کہتے ہیں:

قصیر الید و الباع.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کھالوں کو ریشے کی مزدوری کر کے رقم صدقہ کر دیتی تھیں۔ (۱۴۱)

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ سیدہ دستکاری کے ذریعہ جو کچھ کماتی تھیں، راہِ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں۔ (۱۴۲)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

زینب سے بڑھ کر کوئی عورت میں نے نہیں دیکھی جو اپنی جان کو محنت میں کھپا کر مال کماتی

اور صدقہ کر دیتی ہو، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتی ہو۔ (۱۴۳)

ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا محنت کر کے جتنا کچھ کماتیں، سارا مسکینوں پر صدقہ کر

دیتی تھیں۔ اس سے بہت سے مسکین اور غریب لوگوں کا کام چلتا تھا، جس کی وجہ سے ان کا لقب

”ماوی المساکین“ (مسکینوں کا ٹھکانہ) پڑ گیا تھا۔ (۱۴۴)

ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی مقدس زندگی کے اختتام پر بھی صدقہ کرنے ہی کی

وصیت فرما رہی ہیں۔

سیدہ نے فرمایا، میں نے اپنے لیے کفن تیار کر کے رکھا ہوا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

بھی میرے لیے کفن بھیجیں گے، اس لیے تم دونوں میں سے ایک کفن کو صدقہ کر دینا۔ چنانچہ اُن کی

وصیت کے مطابق اُن کی بہن حضرت حمزہؑ نے اس کفن کو صدقہ کر دیا تھا جسے سیدہ نے اپنے لیے تیار کیا تھا۔ (۱۳۶)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد فرمایا:

لقد ذهبت حميدة، متعبدة، مفزع اليتامى والارامل۔ (۱۳۷)

ترجمہ: تعریف کے لائق اور عبادت گزار ہو کر دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئی کہ یتیموں اور یتیم خانوں کو گھبراہٹ میں ڈال گئیں، کیونکہ وہ اب سوچیں گے کہ ہم پر کون خرچ کرے گا۔ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دنیا کی رنگینیوں، مال و دولت یا کسی اور چیز کا شوق نہیں رکھتی تھیں، بلکہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں۔ چھڑا پکاتیں، اسے صاف کرتیں یا اپنے ہاتھ سے ریشم کا اُون بنا کر بیچا کرتیں اور اُس کی ساری آمدنی اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتی تھیں۔

زہد و قناعت

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے زہد و قناعت کے بیشتر واقعات ہیں۔ ہم سیدہ کی باندی حضرت برزہ بنت رافع کی زبانی ان حالات کو پیش کرتے ہیں:

برزہ فرماتی ہیں کہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وفاق تقسیم فرمائے تو سیدہ کی خدمت میں پہلی مرتبہ اُن کا وظیفہ بھیجا۔ سیدہ نے خیال فرمایا کہ یہ مال تمام ازواج مطہرات کے لیے ہے۔ لیکن انہیں بتایا گیا کہ یہ مال صرف آپ کے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا، ”سبحان اللہ!“ پھر اپنے اور اُس مال کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا (تاکہ وہ مال نظر بھی نہ آئے، کیونکہ وہ ایک اجنبی چیز اور نامحرم ہے)۔

سیدہ نے برزہ کو حکم دیا کہ یہ مال ایک طرف ڈال دو اور کپڑا اس پر ڈھا تک دو۔ پھر باندی کو فرمایا اس کپڑے کے نیچے سے مٹی بھر کے فلاں یتیم کو دے آؤ اور مٹی بھر فلاں کو دے آؤ۔ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا اور تھوڑا سا رہ گیا تو برزہ نے عرض کیا، اے ام المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، اس مال میں آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا، اس کپڑے کے نیچے جو باقی ہے، سب تم لے لو۔ برزہ کہتی ہیں کہ جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو ۸۵ درہم تھے۔ جب سب مال تقسیم ہو چکا تو سیدہ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

اللہم لا یدر کنی عطاء عمر بعد عامی هذا۔ (۱۳۸)

ترجمہ: اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھے نہ مل پائے۔

چنانچہ سال گزرنے نہ پایا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھا۔

جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کی خدمت میں بھیجے گئے تو بار بار کہتی تھیں:

اللہم لا یدر کنی هذا المال من قابل فانه فتنة۔

ترجمہ: اے اللہ! یہ مال آئندہ میرے پاس نہ آنے پائے، یہ بڑا فتنہ ہے۔

یہ کہہ کر اُسی وقت وہ سارا مال اپنے اقرباء اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ جب سیدنا

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ ایسی خاتون ہیں جن سے خیر ہی کی امید کی جاسکتی

ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے خیر اور بھلائی ہی کا ارادہ کیا گیا ہے۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود سیدہ کے در دولت پر تشریف لائے، دروازہ پر

کھڑے ہو کر سلام پیش کیا اور فرمایا، مجھے معلوم ہے کہ آپ نے وہ ساری رقم صدقہ کر دی ہے۔ یہ

ایک ہزار درہم اور پیش خدمت ہیں، اپنی ضروریات کے لیے رکھ لیں۔ لیکن سیدہ زینب رضی اللہ

عنہا نے اسے بھی اسی وقت غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادیا۔ (۱۳۹)

ام المومنین نے اپنے ترکہ میں نہ تو کوئی درہم چھوڑا اور نہ ہی دینار۔ اُن کے پاس جو کچھ بھی

آتا، راہِ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں، اور یہ مساکین کی پناہ گاہ تھیں۔ (۱۴۰)

ورع و تقویٰ

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تقویٰ و طہارت، پرہیزگاری اور ورع میں بھی بہت

بلند مقام رکھتی تھیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت

لگائی تو چند مخلص صحابہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمزہؑ بھی اس پر ویسے لکڑے سے متاثر ہو گئے۔

لیکن سیدہ زینب کا دامن تقدس تابدار رہا۔

چنانچہ جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینبؑ سے ام المومنین سیدہ عائشہ

صدقہ کے متعلق رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے یوں درفشانی فرمائی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احمی سمعی و بصری۔ واللہ

ما علمت علیہا الا خیرا۔ (۱۵۱)

ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں عائشہؓ کے متعلق سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں جانتی۔

یعنی جو چیز میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور نہ میرے کان نے سنی، وہ میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ سیدہ زینبؓ کو معلوم تھا کہ عائشہؓ میری سوکن ہے، اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اگر آپؐ چاہتیں تو اُس وقت کوئی کلمہ ایسا کہہ کر تھیں جو عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں گرانے کا سبب بن سکتا۔ لیکن ان کے کمال و روح اور تقویٰ نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ خاموشی اپنالیں، بلکہ قسم اور حصر کے ساتھ فرماتی ہیں۔

واللہ ما علمت علیہا الا خیرا۔

ترجمہ: خدا کی قسم! میں تو عائشہؓ میں خیر و خوبی اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے ان کے روح اور تقویٰ کا اعتراف

ان الفاظ میں فرمایا:

فحصمها اللہ بالورع۔ (۱۵۲)

یعنی: اللہ تعالیٰ نے ورع اور پرہیزگاری کی بدولت زینبؓ بہت جشش کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وہ دین، تقویٰ، ورع، سخاوت اور بھلائی کے کاموں کے اعتبار سے خواتین کی سردار تھیں۔ (۱۵۳)

علامہ ذہبیؒ ایک اور شہادت اس طرح پیش فرماتے ہیں:

”سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نیک خو، کثرت سے روزے رکھنے والی، شب زندہ دار، اپنے ہاتھ سے محنت کر کے آمدنی مساکین پر بٹھا کر دینے والی خاتون تھیں۔“ (۱۵۴)

علامہ ابن کثیرؒ انتہائی محبت کے الفاظ میں مدح سرائی کرتے ہیں:

”سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پہلی مہاجر خواتین کی سرخیل، صدقہ اور بھلائی کے کاموں میں سب سے آگے تھیں۔“ (۱۵۵)

انتقال پر ملال

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ۲۰ھ مطابق ۶۴۱ء میں انتقال ہوا۔ جب سیدہؓ نے محسوس کیا کہ اب وہ اپنے رب ذوالجلال کی خدمت میں حاضر ہونے والی ہیں، جبکہ وہ ہمیشہ اس مبارک ملاقات کے لیے تیار رہتی تھیں۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو فرمایا، میں نے اپنا کفن تیار کیا ہوا ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کوئی کفن بھیجیں، تو دونوں میں سے ایک کفن صدقہ کر دینا۔ اور اگر تم میری ازار (تہبند) صدقہ کر سکو تو کر دینا۔ (۱۵۶)

سکرات موت کے عالم میں صدقہ اور بھلائی کرنا، زہد کی عظیم الظہیر مثال ہے، اور سامان آخرت کی پیش بندی کا نادر الوقوع واقعہ ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ایسی ہی بے مثال سخاوت کے پیش نظر انہیں ”ام المساکین“ کا لقب سزاوار تھا۔

آخری لمحات میں سیدہؓ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار پائی پر اٹھایا جائے۔ اس سے پہلے امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تابوت نبویؐ پر قبر تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہو چکی تھی، اور یہ پہلی خوش نصیب خاتون تھیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد تابوت نبویؐ پر اٹھائی گئیں۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سیدہؓ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی تو آپؓ نے منادی کو حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ سیدہ زینبؓ کے ہاں ان محرم مردوں کے علاوہ کوئی آدمی نہ جائے۔ اور امیر المومنینؓ اس تک دو دو میں مصروف ہو گئے کہ سیدہؓ کی میت کو غیر محرم مردوں کی نظروں سے مستور رکھ سکیں۔

اسی اثنا میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے پیغام بھیجا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ لوگ اپنے مردوں کے لیے گہوارہ بناتے ہیں۔ چنانچہ سیدہؓ کے لیے بھی گہوارہ بنا کر کپڑے سے ڈھک دیا گیا۔ سیدنا عمرؓ نے دیکھ کر بہت پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا، یہ بہترین خیمہ اور پاکی ہے۔ پھر منادی کے ذریعہ اعلان کرایا گیا کہ اپنی ماں کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے آ جاؤ۔ لوگ جو درجہ سیدہؓ کے جنازہ کے لیے پہنچنا شروع ہو گئے۔ (۱۵۷)

اس دن گرمی بہت شدید تھی۔ جہاں قبر کھودی جا رہی تھی وہاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیمہ لگوا دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو قیام میں قبر پر لگایا گیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی ابواحمد بن جحش، جو بینائی سے محروم ہو چکے تھے، چارپائی کے پاس افسردہ کھڑے تھے اور لوگوں کا بے پناہ اثر و حاکم تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، ابواحمد! چارپائی سے دور رہو، کہیں اثر و حاکم میں پکچھلے نہ جاؤ۔

ابواحمد نے جواب دیا، اے عمر! یہ وہ خاتون ہیں جن کی وجہ سے ہمیں ساری بھلائیاں نصیب ہوئیں۔ آج میرے آنسو اس گرمی کی حرارت کو ٹھنڈا کر دیں گے۔ (۱۵۸)

تبدیلی نام

پہلے نام ”ہوہ“ تھا، جسے تبدیل کر کے ”جویریہ“ رکھا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نامناسب اور غلط نام تبدیل فرما کر مناسب اور صحیح نام تجویز فرما دیا کرتے تھے، اور یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا کرتے تھے، تم لوگ قیامت کے دن اپنی ماؤں اور باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، لہذا نام اچھے رکھا کرو۔ (۱۵۹)

حضرت جویریہ کا پہلا نام ”ہوہ“ تھا، اور ہوہ کا معنی ہے ”نیک عورت“۔ جب اس نام کی کسی عورت سے دریافت کیا جائے کہ تمہارا نام کیا ہے تو وہ بتائے گی، میں برہ ہوں، یعنی میں نیک عورت ہوں۔ اس سے اپنی تعریف ہوتی ہے، اس لیے یہ نام پسندیدہ نہیں۔ یا کوئی پوچھے، تم کہاں سے آئے ہو، تو وہ کہے، میں ”ہوہ“ (نیکی) کے پاس سے آیا ہوں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ہوہ سے تبدیل فرما کر جویریہ رکھ دیا۔ (۱۶۰)
اسی طرح حضرت زینب بنت جحش، حضرت زینب بنت ابوسلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نام ”ہوہ“ ہی تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما دیا، اور زینب، میمونہ اور جویریہ یہ نام رکھ دیے۔ (۱۶۱)

سلسلہ نسب

جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائد بن مالک بن حذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن عروہ بن مزیاع بن قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے تھیں۔ (۱۶۲)
سیدہ جویریہ کے والد حارث بن ابی ضرار خاندان بنو مصطلق کے نامور سردار تھے، اور اپنے چچا زاد مسافع بن صفوان ذی شجر کے نکاح میں تھیں۔ خاندان مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں

مارا گیا تھا۔ (۱۶۳)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق اپنے سردار حارث بن ضرار کی سربراہی میں آپ ﷺ کے خلاف جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اپنے قائم مقام ابوذر غفاریؓ یا نمیلہؓ بن عبد اللہ، یا ایک روایت کے مطابق عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو چھوڑ کر سات سو جاں باز صحابہ کے ساتھ ۲ شعبان ۵ھ میں بنو مصطلق کی طرف روانہ ہوئے۔

حارث بن ضرار کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی۔ ساحل سمندر کے کنارے ”قدیر“ کے نواح میں پانی کے ایک تالاب ”مرسیح“ کے مقام پر ان سے آنا سامنا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت پیش فرمائی اور ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا۔ لیکن انہوں نے اس کے جواب میں مسلمانوں پر تیر برس سانس شروع کر دیے۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین اسلام کو ان کے مقابلے کی اجازت دی اور فرمایا کہ انہی لوگوں کو قتل کیا جائے جنہوں نے تیر برس سانس دیے۔ (۱۶۴)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دشمنوں سے پکار کر کہہ دو:

قولوا لا اله الا الله، تمنعوا بها انفسكم واموالكم.

ترجمہ: لا اله الا الله کا اقرار کر لو، ایسا کرنے سے تمہارے جان و مال محفوظ ہو جائیں گے۔

لیکن دشمن نے دعوت اسلام قبول کرنے کی بجائے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔

امام محمد بن سعد بن منیع الزہریؒ (م ۲۴۰ھ) رقم طراز ہیں:

قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے تحقیق احوال کے لیے حضرت بریدہ بن حصیبؓ سلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت بریدہؓ نے حارث بن ابی ضرار سے بالمشافہ بات کر کے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا۔

۲ شعبان ۵ھ کو اسلامی فوج مدینہ منورہ سے مرسیح کی طرف روانہ ہوئی۔ ”مرسیح“

بنو مصطلق کے ایک کنوئیں کا نام ہے، جو مدینہ منورہ سے نو (۹) منزل پر واقع ہے۔ اسلامی لشکر میں انصار اور سہ ماہی جریں پر مشتمل تھا۔ مال غنیمت کی لالچ میں منافقین کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد لشکر میں شامل ہو گئی، جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اور ازواج مطہرات میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔

حارث بن ابی ضرار کو جب یہ اطلاع ملی کہ اسلامی لشکر حملہ آور ہونے والا ہے تو ان پر سخت خوف و ہراس طاری ہو گیا اور ان کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھی کسی طرف بھاگ گیا۔ اسلامی فوج نے دفعتاً ان پر حملہ کر دیا۔ ”مرسیح“ میں آباد لوگ صف آراء ہو کر دیر تک جم کر تیر برس سانس دے رہے۔ جب مسلمانوں نے یکبارگی زبردست حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہیں شکست فاش ہوئی۔ دشمن کے دس آدمی مارے گئے، چھ سو گرفتار ہوئے، غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ (۱۶۵)

اس غزوہ میں بھاری تعداد میں مرد، عورتیں اور بچے قیدی ہاتھ آئے، اور حضرت جویریہؓ بھی ان قیدیوں میں تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیا۔ حضرت جویریہؓ اس تقسیم میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ لیکن انہوں نے باندی بن کر رہنا پسند نہ کیا اور حضرت ثابت یا ان کے چچے بھائی سے کتابت کے لیے درخواست کی۔ حضرت ثابت بن قیسؓ نے حضرت جویریہؓ سے نو (۹) اوقیہ سونے پر کتابت کا معاملہ کیا تھا (یعنی کچھ معاوضہ لے کر چھوڑ دیں۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، جبکہ ایک درہم ۳ ماشہ ایک رتنی یا ۵۱ ارنی کا ہوتا ہے)۔

لیکن سیدہ جویریہؓ کے پاس اس وقت سونا نہ تھا۔ انہوں نے چاہا کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں۔

حضرت جویریہؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میری اسیری کا حال آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں، تقسیم میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی

ہوں۔ انہوں نے مجھے مکاتبہ بنالیا ہے، بدل کتابت میں آپ ﷺ کی خدمت میں اعانت کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔ (۱۶۶)

حرمیم نبوی میں آمد

ابن اسحاق نے اس واقعہ کو سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ سیدہ فرماتی ہیں کہ چونکہ جویریہ شیریں ادا تھیں، میں نے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے دیکھا کہ آپ ﷺ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہ اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا ہے۔

غرض وہ حاضر خدمت ہوئیں اور اپنا مدعا بیان کیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تمہیں اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے عرض کیا، وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تمہاری طرف سے کتابت کی واجب الادا رقم میں ادا کر دوں اور آزاد کر کے تجھے اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے منظور ہے۔ (۱۶۷)

امام ابن کثیرؒ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ تم اسلام قبول کر لو اور میں تمہارے ساتھ نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ آزاد ہو جانے کے بعد حضرت جویریہ نے اسلام قبول کر لیا اور پھر آپ ﷺ نے نکاح فرمایا۔ (۱۶۸)

دوسری روایت کے مطابق حضرت جویریہ کا والد حارث رئیس عرب تھا۔ جب حضرت جویریہ گرفتار ہوئیں تو حارث نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میری شان اس سے بالاتر ہے کہ میری بیٹی کنیز بن کر زندگی گزارے، میں اپنے قبیلہ کا سردار اور رئیس عرب ہوں، آپ ﷺ اسے آزاد کروں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اس معاملہ کو خود جویریہ کی مرضی اور اختیار پر چھوڑ دوں؟ حارث نے جویریہ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے، لہذا ہمیں رُسوانہ کرنا۔ حضرت جویریہ نے جواب میں فرمایا:

انی قد اخترت رسول اللہ۔ (۱۶۹)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنا پسند کرتی ہوں۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تین

رات قبل میں نے خواب دیکھا کہ ”یثرب کا چاند“ مدینہ سے آ رہا ہے اور میری آغوش میں آ کر گر رہا ہے۔ میں نے اپنا خواب ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم لوگ قید کر لیے گئے تو مجھے اپنے خواب کے پورا ہونے کی امید بر آئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے آزاد فرما کر اپنی ازواج مطہرات میں شامل فرمایا۔ (۱۷۰)

نکاح کے وقت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۰ سال تھی اور ۶۵ سال کی عمر میں وصال ہوا تھا۔ (۱۷۱)

مہر

ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد فرمایا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور بنو مطلق کے قیدی رہا کر دیے۔ (۱۷۲)

والد کا مشرف بہ اسلام ہونا

جب شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حرم میں داخل فرمایا تو ان کے والد حارث بہت سے اونٹ لے کر مدینہ روانہ ہوئے، تاکہ فدیہ دے کر بیٹی کو چھڑا لائیں۔ ان میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ اور پسندیدہ تھے، انہیں حقیق کی ایک گھائی میں چھپا دیا کہ وہاں ہی پر ان کو لے لوں گا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے اور کہا، اے محمد! آپ نے میری بیٹی کو گرفتار کیا ہے، یہ اُس کا فدیہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم گھائی میں چھپا آئے ہو؟ یہ سن کر حارث نے کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و انك رسول الله۔

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

کیونکہ ان اونٹوں کا اللہ کے سوا اور کسی کو علم نہ تھا، اللہ ہی نے آپ ﷺ کو اس سے مطلع کر دیا ہے۔ (۱۷۳)

مسرت کے شادیاں

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب شہنشاہ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں قبول فرمایا تو یہ خبر سارے مدینہ میں گونج گئی۔ سیدہ جویریہ کی قوم و خاندان کے سینکڑوں قیدی صحابہ کے گھروں میں موجود تھے، جو غلام بنا کر تقسیم کر دیے گئے تھے۔ نکاح کی خبر پھیلنے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سب قیدیوں کو اس احترام کے پیش نظر آزاد کر دیا کہ اب تو یہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرال والے ہو گئے، انہیں کیسے غلام بنا کر رکھیں!

سیدہ جویریہ فرماتی تھیں، میں نے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاندان کے قیدیوں کو رہا کرنے کی بات بھی نہیں کی تھی کہ مسلمانوں نے خود ہی میری قوم اور خاندان والوں کو آزاد کر دیا، جس کی خوش کن خبر میری چچا زاد بہن نے مجھے دی۔ یہ خوشخبری سن کر میں نے اللہ جل شانہ کا شکر ادا کیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فقد اعتق بتزوجه اياها مائة اهل بيت من بنى المصطلق، فما اعلم امرأة اعظم بركة على قومها منها۔ (۱۷۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہ سے نکاح کر لینے سے بنوالمصطلق کے سوا گھرانے آزاد ہوئے، میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو حضرت جویریہ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے برکت والی ثابت ہوئی ہو۔

اخلاق و عادات

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا خوبصورت، موزوں اندام تھیں۔ ان میں حلاوت اور ملاحت دو وصف نمایاں تھے۔ جو انہیں دیکھ لیتا، اپنے دل میں جگہ دینے پر مجبور ہو جاتا۔ (۱۷۵)

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو عبادت سے بہت شغف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو انہیں عبادت میں مشغول پاتے۔ ایک روز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صبح کے وقت عبادت میں مشغول دیکھا، پھر دوپہر کو جب دیکھا تو بھی سیدہ کو عبادت کی حالت میں پایا۔ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو ابھی تک تسبیحات میں مصروف ہے؟ سیدہ نے عرض کیا، جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں چند کلمات ایسے سکھا دوں جو وزن میں ان

تمام تسبیحات کے برابر ہوں جو تم نے اب تک پڑھا؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، وہ یہ کلمات ہیں: سبحان اللہ عدد خلقہ، سبحان اللہ زینۃ عرشہ، سبحان اللہ رضا نفسہ، سبحان اللہ مداد کلماتہ۔ (۱۷۶)

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی زندگی نہایت زاہدہ تھی۔ عبادت و ریاضت میں ہمہ وقت مشغول رہتی تھیں۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت ان کے پاس سے گزرے تو آپ دعا کر رہی تھیں۔ جب آپ ﷺ دوپہر کے قریب تشریف لائے تو اُس وقت بھی آپ کو دعا کی حالت میں پایا۔ (۱۷۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن سیدہ کے ہاں تشریف لائے تو وہ روزہ سے تھیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روزہ رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے سیدہ سے پوچھا، کل بھی روزہ سے تھیں؟ عرض کیا، نہیں۔ فرمایا، کیا کل بھی روزہ رکھو گی؟ جواب دیا، نہیں۔ ارشاد فرمایا، پھر تمہیں روزہ افطار کر لینا چاہیے۔ (۱۷۸)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور پوچھا، کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا، میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا، وہی رکھا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ فرمایا، وہی لے آؤ، کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا، اُسے پہنچ چکا ہے۔ (۱۷۹)

سانچہ ارتحال

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ربیع الاول ۵۰ھ میں ہوا، اور یہی قول صحیح ہے۔ (۱۸۰)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ عبید اللہ کے لہرائی ہونے سے پہلے میں نے اسے نہایت بُری اور بھیا تک شکل میں خواب میں دیکھا، جس سے میں بہت گھبرائی۔ جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے اس کے سامنے اپنا خواب بیان کیا کہ شاید اُسے تنبیہ ہو جائے، مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ شراب اور کباب میں برابر منہمک رہا، حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال کر گیا۔ (۱۸۶)

حرمِ نبویؐ میں آمد

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، عبید اللہ بن جحش کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ”یا ام المومنین“ کہہ کر پکار رہا ہے، جس سے میں چونک گئی۔ پھر ایک ایک اس کی تعبیر دل میں آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آنے کا اشارہ ہے۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، جب میری عدت ختم ہوئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا۔ (۱۸۷)

ادھر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مہاجرت کے عالم میں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ان کی عدت کے دن پورے ہونے پر عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دے۔

جب شاہ حبشہ نجاشی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا تو بادشاہ نے اپنی خاص خدمت گار باندی ابرہہ کو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے پاس پیغام آیا ہے کہ اگر تمہیں منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر لو اور میں تمہارا نکاح حضور علیہ السلام سے کروں۔ سیدہ نے یہ مژدہ جان فزائن کر باندی کو دعا دی:

بَشْرَكَ اللَّهُ بِالْخَيْرِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھے بھی خیر کی خوشخبری سنائے۔

اور اس خوشخبری اور بشارت کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں انگلیں، بیروں کی پازیب اور انگلیوں سے انگوٹھی جھپٹے، جو سب نفرتی تھے، ابرہہ کو دے دیے اور خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا، جو دو خیال کی طرف سے رشتہ دار تھے اور ہجرت کر کے حبشہ میں مقیم تھے۔ (۱۸۸)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

آپ کا نام ”رملہ“ اور ام حبیبہ کنیت تھی۔ ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں، رملہ بنت ابی سفیان صحابہ بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ تھا۔ صفیہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ (۱۸۱)

علامہ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ ان کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے رملہ بیان کیا ہے اور بعض کے نزدیک حند نام تھا اور مشہور رملہ تھا۔ اور جمہور اہل علم انس اب، میر، حدیث اور تاریخ کے نزدیک رملہ ہی صحیح ہے۔ (۱۸۲)

حضرت ام حبیبہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ (۱۸۳)

اسلام

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا، جو حرب بن امیہ کے حلیف تھے اور اُن ہی کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کی۔ حبشہ جانے کے بعد عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ ام حبیبہؓ سے بھی مذہب تبدیل کرنے کو کہا، لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں۔

حبشہ میں ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام حبیبہ رکھا، اور اسی کے نام پر ”ام حبیبہ“ کنیت رکھی گئی اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ بعض کے نزدیک حبیبہ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔ (۱۸۴) بعد میں حبیبہ کا نکاح داؤد بن عمرو بن مسعود ثقفی سے ہوا تھا۔ (۱۸۵)

جب شام ہوئی تو بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو بلایا، خطبہ نکاح پڑھ کر خود نکاح پڑھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔

مدینہ میں ورود و مسعود

نکاح کے دوسرے روز نجاشی نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس خوشبو اور جینے کا سامان بھیجا اور حضرت شریل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ انہیں مدینہ منورہ پہنچایا۔ وہاں پہنچ کر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگیں، اور ان کا مبارک خواب، جس میں کسی نے یا ام المومنین کہہ کر پکارا تھا، صحیح ثابت ہوا۔ سیدہ کے نکاح کی تقریب ۶ ہجری میں منعقد ہوئی تھی۔ (۱۸۹)

امام ابن سعد فرماتے ہیں:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عقد ۷ھ میں ہوا، اور جب مدینہ منورہ تشریف لائیں تو ان کی عمر مبارک تیس سال سے زائد تھی۔ صاحب سیر صحابیات لکھتے ہیں، اس وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶/۳۷ سال تھی۔ (۱۹۰)

فضائل و مناقب

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر بڑی پابندی سے عمل کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص دن رات میں بارہ رکعات نماز پڑھے تو اللہ جل شانہ اس کے لیے جنت میں محل عطا فرمائے گا۔ اس ارشاد پر پھر اس طرح عمل کیا کہ کبھی بھی یہ بارہ رکعت نوافل چھوٹے نہیں پائے۔ (۱۹۱)

ترمذی شریف کی روایت کے مطابق ان بارہ رکعات کی تفصیل اس طرح ہے: چار سنت ظہر سے پہلے، دو اُس کے بعد، دو سنت مغرب کے بعد، دو نماز عشاء کے بعد اور دو رکعت نماز فجر سے پہلے۔ (۱۹۲)

سیدہ ام حبیبہ بڑی قبیح شریعت تھیں۔ جب ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو تین دن کے بعد انہوں نے خوشبو منگائی جس میں زردی تھی۔ پھر اُس خوشبو کو اپنے دونوں رخساروں اور بازوؤں پر ملا، پھر فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ کسی

عورت کے لیے، جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتی ہو، حلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، البتہ شوہر کے مرنے پر چار مہینہ دس دن سوگ کرے، تو مجھے اس وقت خوشبو کے استعمال کی بھی ضرورت تو نہیں تھی۔ (۱۹۳) (محض سنت کی پیروی میں تین دن سوگ کے بعد استعمال کی ہے)۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا یہ منفرد نوعیت کا حیرت افزا واقعہ، جس سے اسلام اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت اور محبت آشکارا ہوتی ہے، اور جو سیدہ کے جوش ایمان کا قابل دید منظر ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے قبل ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی قدر ابوسفیان، جو ابھی تک حلقہ گلوں اسلام نہیں ہوئے تھے، معاہدہ حدیبیہ کی تجدید اور توسیع کی غرض سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے۔ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت و شنید ہوئی، لیکن آپ ﷺ نے ان کی تجاویز مسترد کر دیں۔ وہاں سے مایوس ہو کر اپنی بیٹی سیدہ ام حبیبہ سے ملنے ان کے ہاں گئے۔ گھر پہنچ کر جب بستر پر بیٹھنے لگے تو سیدہ ام حبیبہ نے فوراً بستر پلیٹ دیا۔ ابوسفیان نے برہم ہو کر کہا، بیٹی! تم نے یہ کیا کیا، بستر کیوں اٹھا لیا ہے؟ کیا تم نے بستر کو میرے قابل نہ سمجھا، یا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟ سیدہ نے جواب دیا، یہ بستر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اس پر مشرک کا ناپاک جسم کیسے مس ہونے دیا جائے! ابوسفیان نے کہا، خدا کی قسم! تم میرے بعد شرم میں مبتلا ہو گئی ہو۔ (۱۹۳)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر نہایت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب و تاکید کرتی تھیں۔ سیدہ کے بھتیجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور ستوکھائے، پھر کھلی کی، تو سیدہ نے فرمایا، تمہیں ستوکھا کرو ضرور کرنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ (۱۹۵)

پہلے یہ حکم تھا، بعد میں منسوخ ہو گیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگ سے پکی ہوئی چیزیں کھاتے اور پھر وضو نہیں کرتے تھے، بلکہ پہلے وضو سے ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی "باب من لم يتوضأ من لحم الشاة

والسویق. "قائم فرما کرو واضح کرو یا ہے، گوشت وغیرہ کھانے کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے وصال سے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور کہنے لگیں، میرے اور آپ کے درمیان سوکنوں والے تعلقات تھے، اگر مجھ سے آپ کے حق میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو خدا را معاف کر دیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو معاف فرمائے اور تم سے درگزر فرمائے۔ سیدہ ام حبیبہ نے فرمایا، تم نے مجھے خوش کرو یا، اللہ تعالیٰ تمہیں خوش و خرم رکھے۔ اسی طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی کہا۔ (۱۹۶)

سانحہ ارتحال

علامہ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں، سیدہ ام حبیبہ کا انتقال ۴۳ھ میں ہوا۔ (۱۹۷)
علامہ ابن سعد نے بھی ۴۳ھ ہی بیان کیا ہے، اور مزید تصریح یہ کی ہے کہ اپنے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال ہوا ہے۔ (۱۹۸) یہی قول علامہ ابن کثیر کا ہے۔
البتہ ابوبکر بن ابی خثیمہ کہتے ہیں کہ سیدہ کا انتقال اپنے بھائی معاویہ سے ایک سال قبل ہوا، جبکہ معاویہ کا ۶۰ھ میں انتقال ہوا تھا۔ (۱۹۹)

تیسرا قول ابن حبان اور ابن قانع کا یہ ہے کہ ۴۲ھ میں انتقال ہوا ہے۔ لیکن بلاذری کہتے ہیں کہ پہلا قول (۴۳ھ) ہی زیادہ صحیح ہے۔ (۲۰۰)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں آسودہ خواب ہوئیں۔ (۲۰۱)

اولاد

پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش سے دو اولادیں ہوئیں۔ بیٹا عبد اللہ اور بیٹی کا نام حبیبہ تھا۔ حبیبہ نے آغوش نبوت میں تربیت پائی اور عروہ بن مسعود ثقفی قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم کے بیٹے داؤد سے منسوب ہوئیں۔ (۲۰۲)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

زرقاتی کی روایت کے مطابق سیدہ کا نام "نسب" تھا، لیکن جنگ خیبر میں جب مالِ غنیمت میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں، اور عرب میں یہ دستور تھا کہ غنیمت کا جو حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا، اسے "صفیہ" کہا جاتا تھا، اس لیے سیدہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ (۲۰۳)

ابن زبالہ نے اپنی کتاب المنتخب، ص ۵۸ میں لکھا ہے کہ صفیہ کا نام "حبیبہ" تھا۔ بعد میں صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں، کیونکہ خیبر کے موقع پر یہ مخصوص کردی گئی تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق ان کی کنیت "ام یحییٰ" تھی۔ (۲۰۴)

سلسلہ نسب اس طرح ہے، صفیہ بنت حمی بن اخطب بن سعد بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن النضر بن انعام بن نخوم۔ (۲۰۵)

علامہ ابن سعد (م ۲۴۰ھ)، علامہ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ)، علامہ ابن اثیر (م ۶۳۰ھ) اور علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے صفیہ کی والدہ کا نام "برہ بنت سہیل" بیان کیا ہے، جو رفاعہ بن سہیل القرظی کی بہن تھیں۔ (۲۰۶)

علامہ قسطلانی (م ۹۲۳ھ) اور علامہ زرقاتی (م ۱۱۲۳ھ) نے "ضرہ" نام بیان کیا ہے۔ (۲۰۷)

نیز شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا سعید انصاری وغیرہ نے والدہ کا نام "ضرہ" بیان کیا ہے۔ (۲۰۸)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو باپ اور ماں دونوں طرف سے سیادت حاصل تھی۔ والد حمی بن

اخطب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور بنو نضیر کا سردار تھا۔ والدہ رئیس قریطہ کی بہن تھی، اور یہ دونوں خاندان یعنی بنو قریظہ اور بنو نضیر، بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی علاقوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ (۲۰۹)

نکاح

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا تھا۔ وہ ایک نامور شاعر اور سردار تھا، لیکن دونوں میاں بیوی میں نہ بن سکی۔ آخر کار سلام بن مشکم القرظی نے انہیں طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد ان کے باپ نے ان کا نکاح بنو قریظہ کے ایک نامور سردار کنانہ بن ابی الحقیق سے کر دیا۔ جو ابورافع تاجر جزیرہ اور خیبر کے رئیس کا بھتیجا تھا۔ خود بھی بلند مرتبہ تھا اور خیبر کے مشہور قلعہ ”القموص“ کا سردار تھا اور اپنے گھرانے کے ساتھ یہیں سکونت پذیر تھا۔ سن ۷ ہجری میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی سازشوں کا قلع قمع کرنے کے لیے ان کے مرکز خیبر کا رخ کیا۔ خیبر مدینہ منورہ کے شمال مغربی علاقہ میں نہایت زرخیز مقام تھا، جہاں یہود نے نہایت مضبوط قلعہ بنا رکھے تھے۔ یہیں جنگ خیبر ہوئی اور مسلمانوں کو تاریخی فتح و نصرت حاصل ہوئی اور ”القموص“ جیسا مضبوط قلعہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

کنانہ بن ابی الحقیق اپنے قلعہ ہی میں مارا گیا۔ اس کے تمام اہل و عیال کے ساتھ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی قید ہوئیں۔ اس جنگ میں سیدہ کے باپ، شوہر اور بھائی بھی مارے گئے۔ مذکورہ دونوں خاندانوں سے سیدہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (۲۱۰)

سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ صفیہ کے والد، بھائی اور خاوند کو کفر کی حالت میں میں نے قتل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسکراہٹ فرمائی۔ (۲۱۱)

حرم نبوی میں آمد

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جنگ خیبر میں قید ہو کر آئیں۔ وہ ابھی نئی نویلی دلہن تھیں کہ ان کا شوہر جنگ میں قتل ہو گیا۔ بعض حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا، لیکن آپ ﷺ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اسی اثناء میں حضرت

دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، مجھے ایک لونڈی دلوا دیجیے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ایک لونڈی انتخاب کر لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، صفیہ بنو قریظہ کی رئیسہ ہیں، ایک سردار کی بیوی اور ایک سردار کی بیٹی ہیں، خاندانی وقار اور وجاہت ان کے چہرے سے عیاں ہے۔ حالانکہ وہ آپ ﷺ کے سوا کسی اور کے لیے مناسب نہیں، وہ تو صرف آپ ﷺ ہی کے لیے سزاوار ہیں۔

مقصود یہ تھا کہ عرب کی رئیسہ کے ساتھ عام غورتوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں۔ چنانچہ ماہر نفسیات سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی نفسیات کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ دحیہ کو موع اس لڑکی کے بلاؤ۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ایک نظر دیکھا اور حضرت دحیہ سے فرمایا، (۲۱۲) اے دحیہ! اس کی جگہ دوسری لونڈی پسند کر لو۔ پھر ان کی دلجوئی کی خاطر سات لونڈیوں کے بدلے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ان سے خرید لیا۔ (۲۱۳)

سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور انہیں اختیار دے دیا کہ چاہیں تو اپنے گھر واپس چلی جائیں، یا پسند کریں تو آپ ﷺ کے نکاح میں آجائیں۔ سیدہ نے شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کو پسند فرمایا۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے وقت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک سترہ سال کے قریب تھی۔ (۲۱۴)

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ سے کہا، کیا تیری کوئی آرزو ہے؟ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! میں تو زمانہ شرک میں بھی آپ ﷺ کی خواہش رکھتی تھی، اب تو اللہ نے میری خواہش پوری فرمادی اور اسلام کی دولت بھی عطا فرمادی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ (۲۱۵)

ولیمہ

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ بھی عجیب شان سے ہوا۔ چڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا، جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا، کوئی پنیر لایا، کوئی ستولا لایا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح کچھ اشیاء جمع ہو گئیں تو سب نے ایک جگہ

بیٹہ کر کھا لیا۔ اس ولیمہ میں نہ گوشت تھا اور نہ ہی روٹی۔ صحابہ میں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ آیا صفیہؓ اب ام المومنین بن گئی ہیں یا کنیز ہیں؟ صحابہ کا خیال تھا کہ اگر انہیں پردہ کرنے کا حکم ہوا تب تو ام المومنین ہیں، اور اگر پردہ نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ حضورؐ کی باندی ہیں۔ (۲۱۶)

مقام صہبا میں آپ ﷺ نے تین دن قیام فرمایا اور سیدہ صفیہؓ پردے میں رہیں۔ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا، تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے۔ گویا یہ اعلان تھا کہ سیدہ صفیہؓ ام المومنین ہیں، ام ولد نہیں۔ راستہ میں جب ام المومنین سیدہ صفیہؓ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہوئیں تو آپ ﷺ اونٹنی کے پاس بیٹھ جاتے، اپنا گھٹنا زمین پر ٹکا دیتے، سیدہ آپ ﷺ کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھ کر اونٹنی پر سوار ہو جاتیں۔ (۲۱۷)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرنے کے بعد ان سے نکاح فرمایا۔ ثابت بنانی نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ نے سیدہ کا مہر کیا ادا فرمایا تھا؟ تو حضرت انسؓ نے کہا کہ ان کو آزاد کرنا ہی مہر ٹھہرا تھا۔ (۲۱۸)

قافلہ نبوی کی مدینہ آمد

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ پہنچے تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حارث بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرایا۔ حضرت حارث بن نعمان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جاٹا رسحابی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت سے نوازا تھا۔ وہ آپ ﷺ کی ضروریات کا خصوصی خیال رکھنا اپنے لیے سعادت دارین سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر بھی ان کا ایسا کام آیا۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کی شہرت سن کر انصار مدینہ کی خواتین اور ازواج مطہرات بھی انہیں دیکھنے آئیں۔ جن میں سیدہ زینب بنت جحش، سیدہ حفصہ، سیدہ عائشہ اور سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نقاب اوڑھ کر آئی تھیں، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

پہچان لیا۔ اور جب واپس ہوئیں تو پوچھا:

کیف رأيتم يا عائشة؟

ترجمہ: اے عائشہ! تم نے اسے کیسا پایا؟

وہ کہنے لگیں، ایک یہودیہ کو دیکھ کر آئی ہوں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایسا نہ کہو، وہ تو اب اسلام قبول کر چکی ہیں اور ان کا اسلام نہایت عمدہ ہے۔ (۲۱۹)

ایک روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا اور ان کا کپڑا پکڑ کر فرمایا:

کیف رأیت یا شقیراء؟ (۲۲۰)

ترجمہ: اے شقیراء! اسے کیسا پایا ہے؟

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بڑے کریم اور شفیق تھے۔ اپنی بیویوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے۔ جب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئی، راستہ میں اونٹنی پر مجھے نیند آ جاتی تھی اور میرا سر کچاد سے لگ جاتا تھا، آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے سہارا دیتے اور فرماتے کہ اے جی کی بیٹی! دھیان سے بیٹھ، سکین گرنہ جانا۔

جب صہبا کے مقام پر پہنچے، آپ ﷺ نے فرمایا، اے صفیہ! جو کچھ تیری قوم کے ساتھ ہوا مجھے اس کا افسوس ہے، لیکن انہوں نے بھی ہمارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا ہے۔ (۲۲۱)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، جب میں ایک قیدی کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو اُس وقت میری نگاہ میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی انسان ناپسندیدہ نہیں تھا، اس لیے کہ میرا باپ، خاوند، بھائی اور کئی رشتہ دار قتل ہو چکے تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صفیہ! تمہاری قوم نے ہمارے ساتھ یہ کچھ کیا ہے۔ سیدہ فرماتی ہیں، (پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور اخلاق کا مجھ پر ایسا اثر ہوا) جب میں اپنی جگہ سے اٹھی تو آپ ﷺ سے زیادہ اور کوئی محبوب اور پسندیدہ شخص میری نگاہ میں نہیں تھا۔ (۲۲۲)

فضل و کمال

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے۔

كانت عاقلة من عقلاء النساء. (۲۲۳)

ترجمہ: وہ عورتوں میں بہت ہی زیادہ عقلمند تھیں۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

كانت صفیة عاقلة حلیمة فاضلة. (۲۲۴)

ترجمہ: سیدہ صفیہ عقل مند، بردبار، تحمل والی اور فاضلہ تھیں۔

غزوہ خیبر کے بعد جب وہ اپنی پچازاد بہن کے ہمراہ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکی اور چیخ و پکار کرنے لگی۔ لیکن سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا، جن کا باپ، بھائی اور خاوند اسی جنگ میں قتل ہو گئے تھے، اپنے محبوب خاوند کی لاش کے قریب سے گزریں لیکن وہ ہیکر متانت و صبر تھیں، جن کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی تھی۔ (۲۲۵)

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی نے امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ شکایات کیں کہ:

۱۔ صفیہ عیسیٰ اب بھی یہودیہ کا اثر باقی ہے۔

۲۔ یوم السبت یعنی سنیچر کو اچھا سمجھتی ہیں۔

۳۔ اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان شکایات کی تفتیش و تصدیق کے لیے ایک آدمی بھیجا۔

سیدہ نے اسے جواب دیا، یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اللہ جل مجدہ نے اس کے

بدلے یوم الجمعہ عنایت فرمایا ہے۔ البتہ یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم تو اسلام دیتا ہے، ان میں

میرے خویش و اقارب ہیں۔ اس کے بعد باندی سے پوچھا، کیا تم نے میری شکایت کی تھی؟ اس

نے کہا، ہاں! مجھے شیطان نے بہکایا تھا۔ سیدہ نے اسے سزا دینے کے بجائے آزاد کر دیا۔ (۲۲۶)

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جب مدینہ طیبہ آئیں تو ان کے کانوں میں سونے کا

کچھ زور تھا۔ اس میں سے کچھ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو تھو دے دیا اور جو بچ گیا دوسری

عورتوں کو دے کر خود فارغ ہو گئیں۔ (۲۲۷) یہ ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے

کے اثرات، کہ وہ نیافانی کا قصہ ختم کر دیا۔

حب نبوی

میاں بیوی کی باہمی محبت و الفت ہی گھر کو مثل جنت بنا دیتی ہے اور زندگی کی گاڑی اچھی

طرح رواں دواں رہتی ہے۔ ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر

دل و جان سے فدا تھیں۔ اپنی جان عزیز تک قربان کرنے کے لیے تیار تھیں۔ جب سیدہ عالم صلی

اللہ علیہ وسلم غلیل ہوئے اور آپ ﷺ کی ازواج آپ ﷺ کی بیمار پرستی کے لیے حاضر تھیں، سیدہ

صفیہ نے نہایت حسرت سے کہا:

اما واللہ یا نبی اللہ لو ددت ان الذی بک بی.

ترجمہ: خدا کی قسم! اے رسول اللہ ﷺ! میں چاہتی ہوں کہ آپ ﷺ کی بیماری مجھے لگ

جائے (اور آپ ﷺ صحت یاب ہو جائیں)۔

اس پر ازواج مطہرات سیدہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیفیت

ملاحظہ فرماتے ہوئے یوں گویا ہوئے، بخدا! صفیہ سچ کہہ رہی ہے۔ (۲۲۸) یعنی ان کا اظہار

عقیدت نمائشی نہیں، بلکہ سچے دل سے وہ یہی چاہتی ہیں۔

سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں بھی ان کی نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان

کی دلداری اور دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک سفر میں ازواج مطہرات بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے

پاس اونٹ ضرورت سے زیادہ تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر ایک اونٹ صفیہ کو

دے دو تو بہتر ہوگا۔ انہوں نے کہا، میں اس یہودیہ کو اونٹ کیوں دوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب اس قدر رشتاق گزارا اور آپ ﷺ نے ذوالحجہ اور محرم

دو مہینے یا تین ماہ تک سیدہ زینب سے قطع تعلق رکھا۔ (۲۲۹)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف

فرما ہوئے، دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، صفیہ! کیوں رو رہی ہو؟ عرض کی کہ عائشہ

اور حفصہ مجھے چھیڑتی ہیں، اور کہتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ عزت

اور رتبہ حاصل ہے، کیونکہ ہمیں آپ ﷺ کی بیویاں ہونے کے علاوہ آپ ﷺ کی پچازاد بہن ہونے

کا شرف بھی حاصل ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صفیہؓ! تم نے یہ کیوں نہ کہا، تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو، میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام، میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تم کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟

قَدْ بَلَغَنِي عَنْ حَفْصَةَ وَ عَائِشَةَ كَلَامَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، قَالَ أَلَا قُلْتُ وَ كَيْفَ تَكُونَانِ خَيْرًا مِنِّي وَ زَوْجِي مُحَمَّدٌ وَ أَبِي هَارُونَ وَ عَمِّي مُوسَى، وَ كَانَ الَّذِي بَلَغَهَا أَنَّهُمْ قَالُوا نَحْنُ أَكْرَمُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْهَا، وَقَالُوا نَحْنُ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ بَنَاتُ عَمِّهِ. (۲۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ سیدہ حفصہؓ نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا ہے، سیدہ کو اُس سے سخت صدمہ ہوا اور وہ رونے لگیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رونے کی وجہ معلوم فرمائی۔ سیدہ نے بتایا کہ حفصہؓ مجھے کہتی ہیں تم یہودی کی بیٹی ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنْتِ لَا بَنَةَ نَبِيٍّ، وَأَنْتِ عَمَّكَ لِنَبِيٍّ، وَأَنْتِ لِحَسْبِ نَبِيٍّ، فَفَقِمْ تَفْخُورَ عَلَيْكَ.

ترجمہ: تم تو ایک نبی کی بیٹی ہو اور تیرا چچا بھی نبی ہے اور تم ایک نبی کی بیوی ہو، وہ کس بات میں تم پر فخر کر سکتی ہیں؟

پھر آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا، اللہ سے ڈرو۔ (۲۳۱)

سفر حج میں ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے تو دیکھا، زار و قطار رو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی رداء اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے۔ آپ ﷺ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔ (۲۳۲)

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے

قد وقامت کی نسبت اشارہ کیا، یعنی کوتاہ قد ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں ڈال دی جائے تو اُسے بھی گدلا کر دے۔ (۲۳۳)

امت کی رہنمائی

ازواج مطہرات کے ذریعہ بی شمار مسائل میں امت کی رہنمائی ہوئی ہے۔ سفر حج میں کتنے ہی عورتوں کے مخصوص مسائل سے امت روشناس ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی سفر حج میں ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو قیام منی کے دوران ایام شروع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر تو اُن کے پاک ہونے تک ہمیں رکن پڑے گا، کیونکہ پاک ہو کر طواف زیارت ادا کریں گی۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ سیدہ صفیہ طواف زیارت کر چکی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، پھر تو رکنے کی ضرورت نہیں۔ (۲۳۳)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی نہایت تکریم فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں مسجد میں اعتکاف فرمایا۔ سیدہ صفیہؓ ملنے آئیں اور کچھ دیر جو گفتگو رہیں۔ جب گھر جانے لگیں تو سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تک چھوڑنے کے لیے اٹھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ انہیں لے کر مسجد کے دروازہ تک پہنچے۔ اتفاق سے دو انصاری آپ ﷺ کے پاس سے گزرے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا، ذرا ٹھہرو، دیکھنا یہ میری بیوی صفیہؓ ہے (کہیں یہ خیال نہ آجائے کہ رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کے پاس کون عورت کھڑی ہے)۔ دونوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم ایسا سوچ بھی سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی ایسی بات نہ ڈال دے۔ (۲۳۵)

دوسری ازواج مطہرات کی طرح ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی علم و عرفان کا مرکز تھا۔ مرد و زن اُن سے علمی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ صہبہ بنت جحشؓ کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو دیکھا کہ کوفہ کی بہت سی خواتین مسائل دریافت کرنے کے لیے ان کے پاس جمع ہیں۔ صہبہ بھی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے آئی تھیں، اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے مختلف سوالات کرائے، جن میں خبیذ کے متعلق بھی ایک سوال تھا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فرمایا، عراق کے لوگ اکثر

یہ مسئلہ پوچھتے رہتے ہیں۔ (۲۳۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت

امیر المؤمنین، خلیفہ ثالث، سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا جب فساد ی بلوایوں نے محاصرہ کر لیا اور اسباب زندگی (قلعہ، پانی) کی رسید بھی بند کر دی اور گھر پر پہرہ بٹھا دیا گیا، تاکہ نہ تو کوئی اندر جاسکے اور نہ ہی وہ خود باہر نکل سکیں، تو اُم المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اُن کے پاس کھانا پانی بھجوانے کا خاص اہتمام فرمایا۔ سیدہ خود بھی خچر پر سوار ہو کر اپنے غلام کنانہ کے ہمراہ امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا رہی تھیں کہ مالک الاشتر نے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے آ کر خچر کو مارنا شروع کر دیا۔ اس کا یہ ذلت آمیز رویہ دیکھ کر سیدہ نے الاشتر سے فرمایا، مجھے ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے واپس جانے دو اور خچر کو چھوڑ دو۔ پھر سیدہ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ ان کے گھر سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی پہنچائیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر اور سیدنا عثمان کے گھر کے مابین ایک لکڑی رکھ دی جس کے اوپر سے کھانا پانی پہنچایا جاتا تھا۔ (۲۳۷)

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے کھانے کی تعریف کیا کرتی تھیں، اور کبھی کبھار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عمدہ کھانا پکا کر تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔

زہد و عبادت

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بھی نیک شہرت کی مالک تھیں۔ علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكانت من سيدات النساء عبادة، و ورعا، و زاهدة و برا و صدقة
رضی اللہ عنہا و ارضاہا۔ (۲۳۸)

ترکہ

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ میں ایک لاکھ درہم کی زمین و جائیداد چھوڑی تھی۔ انہوں نے اس میں سے ایک تہائی اپنے بھانجے کو دینے کی وصیت کی تھی۔ وہ بھانجا یہودی

تھا۔ امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ سیدہ صفیہؓ نے اپنے بھائی کے لیے تیس ہزار درہم کی وصیت کی تھی۔ (۲۳۹)

سانحہ ارتحال

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان المبارک ۵۰ھ میں وفات پائی۔ یہ زمانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ (۲۴۰)

بعض حضرات نے سن وفات ۵۲ھ ذکر کیا ہے۔ لیکن علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں، پہلا قول صحیح ہے۔ (۲۴۱)

نکاح فرمائیں۔ آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرمایا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کو نکاح کا پیغام دے کر بھیج دیا۔ (۲۳۳)

۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے جب مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہہ کر دی تھی۔ (۲۳۵) اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَأَمْرًا مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا فِ خَالِصَةٍ لِّكَ مِنْ ذُنُوبِ الْمُؤْمِنِينَ. (سورة الاحزاب: ۵۰)

ترجمہ: اور جو کوئی عورت ہو مسلمان اگر بخشے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لے لے کر نبی کو، سو اس مسلمانوں کے۔ (۲۳۶)

ابو عبید معمر بن النضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ھ میں جب خیبر سے فارغ ہوئے تو مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ ادھر جشہ سے حضرت جعفر بن ابوطالب بھی مکہ مکرمہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کے ذریعے حضرت میمونہ الحارث البہالیہ کو نکاح کا پیغام بھیجا، کیونکہ ان کے ہاں ان کی بہن اسماء بنت عمیس تھیں۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول کر لیا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل مقرر فرمایا اور سیدنا عباس نے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو ”سرف“ کے مقام پر عروسی ادا فرمائی۔ (۲۳۷)

فضل و کمال

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا تفقہ فی الدین اور مسائل کا ادراک اُن کی علمی حیثیت کو اجاگر کرتا ہے۔ سیدہ سے ۶۱۳۶ یا ۷۱۷۱ احادیث مروی ہیں۔ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے حسب ذیل حضرات روایت کرتے ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن شداد بن الہاد، سیدنا عبدالرحمن بن السائب اور سیدنا یزید بن اہم (یہ سب سیدہ کے بھانجے تھے)، عبید اللہ ابن خولانی (سیدہ کے ربیب تھے)، ندبہ (باندی تھیں)، عطاء بن یسار، سلیمان بن یسار، ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، کریب،

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

نام ”برہ“ تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ نام رکھا۔ لفظ ”میمونہ“ یمن سے مشتق ہے اور اس کے معنی برکت ہیں۔ اور میمون اور میمونہ کے معنی ”مبارک“ کے ہیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے: میمونہ بنت حارث بن حزان بن یحیر بن الہزم بن رویہ بن عبد اللہ بن بلال بن عامر حصصہ بن معاویہ بن بکر۔

والدہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: ہند بنت عوف بن زہیر بن الحارث بن جہاطہ بن جرش۔

نکاح

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا تھا، لیکن کسی وجہ سے دونوں میں علیحدگی ہو گئی تھی۔ (۲۳۲)

سیدہ میمونہ آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے سے پہلے ابوہریرہ بن عبد العزی کے نکاح میں تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سخرہ بن ابی رہم حویطب بن عبد العزی یا فروہ بن عبد العزی کے نکاح میں تھیں۔ (۲۳۳)

حریم نبوی میں داخلہ

جب سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلا شوہر ابوہریرہ بن عبد العزی اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے کہ سیدہ میمونہ کے بہنوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ مقام جھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور سیدہ کی بیوی کا تذکرہ کیا، اور چاہا کہ آپ ﷺ اُن سے

عبیدہ بن سبا، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ اور عالیہ بنت سمیع وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۲۳۸)
سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن بہنیں یہ ہیں: ام المومنین سیدہ میمونہ، سیدہ ام الفضل زوجہ سیدنا عباس، سلمیٰ زوجہ سیدنا حمزہ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہن۔ (۲۳۹)

ایک مرتبہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے پاس اس حال میں آئے کہ بال بکھرے ہوئے تھے۔ سیدہ نے دیکھ کر فرمایا، بیٹا! تمہاری یہ پرانگندہ حالت کیوں ہے؟ بھانجے نے جواب دیا کہ ام عمارہ، یعنی میری بیوی نسوانی امراض میں مبتلا ہے، وہی بال سنوارتی اور کنگھی کرتی تھیں۔ فرمایا، بہت خوب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہماری گود میں سر مبارک رکھ کر لیٹتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، اور ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں، اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ دیتی تھیں۔ بیٹا! کیا ہاتھ میں بھی مرض ہوتا ہے؟ (۲۴۰)

احکام نبوی کی قیمل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی۔ ایک مرتبہ سیدہ کی کینز "بدیہ" حضرت ابن عباس کے گھر گئی، دیکھا کہ میاں بیوی کے بستر دور دور بیچے ہیں۔ خیال ہوا، شاید کچھ رنجش ہو گئی ہے۔ لیکن معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ بیوی کے ماہواری کے ایام میں اپنا بستر اُن سے علیحدہ کر لیتے ہیں اور اتنا پرہیز کہ اُن کے پاس لیٹتے بھی نہیں۔

جب ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی باندی کو کہا، انہیں جا کر کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اعراض نہیں کرنا چاہیے، آپ ﷺ تو اس حالت میں بستروں پر ہمارے ساتھ لیٹتے تھے۔ (۲۴۱)

ایک عورت نے بیماری میں منت مانی کے شفا یاب ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی۔ کچھ دنوں بعد صحت یاب ہو گئی اور اپنی منت پوری کرنے کی غرض سے بیت المقدس جانے کی تیاری شروع کر دی۔ جب رخصت ہوتے وقت سلام کرنے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تو سیدہ نے فرمایا، تم یہیں مسجد نبوی شریف میں نماز پڑھ لو، کیونکہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے، سوائے مسجد الحرام کے۔ (۲۴۲)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا اُن کے محاسن پیش فرماتی تھیں:
انہا کانت من اتقانا اللہ و اوصلنا للرحمہ۔ (۲۴۳)

ترجمہ: میمونہ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔
سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھار قرض لے لیتی تھیں، مگر فوراً ادا کر دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ زیادہ رقم قرض لی تو کسی نے پوچھا، آپ اس کو کیسے ادا کریں گی؟ جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے، اللہ جل شانہ اس کا قرض خود ادا کر دیتا ہے۔ (۲۴۴)

ایک مرتبہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی آزاد کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر نہ ہوئی۔ جب آپ ﷺ کی باری کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے لونڈی آزاد کرنے کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میمونہ! اگر تم لونڈی اپنے ماموں کو دے دیتی تو زیادہ اجر ملتا، (۲۴۵) یعنی صلہ رحمی کا بھی اجر ملتا۔
ساتھ ارتحال

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جس مقام "سرف" پر ہوا تھا، اسی مقام پر آپ کا انتقال بھی ہوا۔ سیدہ حج کے لیے مکہ مکرمہ گئی ہوئی تھیں، وہاں طبیعت علیل ہوئی تو فرمایا، مجھے یہاں سے لے چلو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ میری موت مکہ میں واقع نہیں ہوگی۔ اور وہاں کوئی ان کا قریبی نہ تھا۔ چنانچہ جب سرف کے مقام پر اُس درخت کے پاس پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ شب زفاف بسر فرمائی تھی، وہیں اُن کا انتقال ہو گیا اور اُسی جگہ اُن کی تدفین ہوئی۔ (۲۴۶)

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات میں کئی اقوال پائے جاتے ہیں، مگر راجح ۵۱ھ ہی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں حضرت ابن عباس، یزید بن الاصم اور عبید اللہ بن شداد نے اتارا۔ یہ تینوں سیدہ کے بھانجے تھے۔ (۲۴۷)
وصال کے وقت سیدہ کی عمر ۸۱ یا ۸۵ سال تھی، اور یہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ (۲۴۸)

میں آباد تھا۔ سیدہ کے والد شمعون مصری قبطی شخص تھے، جبکہ ماریہ کی والدہ ایک رومن خاتون تھیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے اپنا بچپن اپنے گاؤں میں گزارا، پھر اپنی بہن کے ساتھ مقوقس کے محل میں منتقل ہو گئیں۔ یہ بات اہل تاریخ سے پوشیدہ ہے کہ آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنا شہر چھوڑنے پر برا بھینٹہ کیا۔ کیونکہ اہل مصر کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنا ملک نہیں چھوڑتے اور وریائے نیل کی طرح مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی سخت مجبوری لاحق ہو تو اہل مصر اپنا ملک چھوڑنے پر بہر حال تیار ہوتی جاتے ہیں۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی طرح ہو جائیں۔ اُن کے دل میں یہ خواہش کیسے پیدا ہوئی؟..... اس میں مختلف احتمال ہیں: یا تو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے کتب سابقہ کا مطالعہ کیا تھا، اُن کتابوں میں پیغمبرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تھا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ. (سورة الصف: ۶)

ترجمہ: جب عیسیٰ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتابِ توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام ”احمد“ ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے قصے اور اُن کے حالات کا مطالعہ کیا ہو۔

حَرِیمِ نبویؐ میں آمد

جب حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے شاہِ مقوقس کے تحائفِ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلی معلوم ہوئیں، لہذا آپ ﷺ نے

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ ماریہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا ”ماریہ قبطیہ“ کے نام سے مشہور ہیں۔ ۶ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شاہانِ عالم کے نام و نعتِ اسلام کے خطوط لکھے تو اسکندر یہ مصر قبط کے بادشاہ مقوقس کی طرف بھی ایک نامہ مبارک حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ بادشاہ مقوقس آپ ﷺ کی دعوت سے بے حد متاثر ہوا اور آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں تاہر، قیمتی اور عالی شان تحائف بھیجے، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

- ۱۔ ایک حسین و جمیل باندی، جس کا نام ”ماریہ بنت شمعون“ تھا۔
- ۲۔ ماریہ کی بہن ”سیرین“ نامی باندی۔
- ۳۔ حبشی خادم، جس کا نام ”مابور“ تھا۔
- ۴۔ سفید پیشانی والا خچر، جس کا نام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ولدل“ رکھا تھا۔ یہ اپنے خوبصورت سفید رنگ کی وجہ سے عرب میں ایک خاص یکتائی کا حامل تھا۔
- ۵۔ زین و لگام سے مسلح عمدہ گھوڑا، جس کا نام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”سیمون“ رکھا تھا۔
- ۶۔ مجورے رنگ کا حمار، آپ ﷺ اسے ”عفیر“ کے نام سے پکارتے تھے۔
- ۷۔ ایک ہزار مثقال سونا
- ۸۔ بیس عدد انتہائی نفیس مصری کپڑے
- ۹۔ شہد، وغیرہ

خاندانی تعارف

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا مصریہ ہیں، جنہیں مورخین ”قبطیہ“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ سیدہ ماریہ مصر کے ایک اعلیٰ خاندان ”حقن“ سے تعلق رکھتی تھیں، جو مصر کے علاقہ ”انصنا“

اپنے لیے ان کا انتخاب فرمایا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا گوری رنگت اور خوبصورت بالوں کی حامل حسین و جمیل خاتون تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا حجروں میں نہ رہیں، لہذا آپ ﷺ نے مدینہ کے ”غالیہ“ نامی خوبصورت علاقہ میں حضرت ماریہ کی رہائش کا انتظام کروایا۔ یہ علاقہ خوبصورت و شاداب درختوں پر مشتمل تھا۔ شاید کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت یہ تھی کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو سرسبز جگہ رہائش دی جائے، تاکہ یہ ان کے ملک مصر کے مشابہ ہو، کیونکہ مصر اپنی زرخیزی و شادابی میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔

آپ ﷺ کثرت سے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بعض اوقات ان کے پاس کافی وقت گزار دیتے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قلبی تعلق کی وجہ سے دوسری ازدواج کو فطری افسوس لاحق تھا۔ لیکن انہیں اس بات سے تسلی ہو جاتی تھی کہ حضرت ماریہ عربی النسل نہیں ہیں۔

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا میں ایسی خصوصیات کا مشاہدہ فرمایا جو کسی دوسری زوجہ میں نہ تھیں۔ یہ مصری خاتون کی شان تھی۔ وہ اپنے معاملہ میں یکتا تھیں، لہذا انہوں نے کئی خصوصیات کو حاصل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پروا کروایا۔ ان کے پاس اکثر تشریف لے جاتے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ یہاں اس لیے آئی ہیں تاکہ خاتم الانبیاء والمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کریں، جن کے بارے میں آسمانی کتابیں بھی خبر دیتی ہیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ کسی ایسے مسلمان سے شادی کریں جو اس نبی پر ایمان لایا ہو۔ لیکن خدا کی قدرت! وہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مربوط ہو چکی تھیں، لہذا حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے ان اخلاق و آداب کو اختیار کیا جو انہیں اپنانے چاہئیں تھے۔ خاموشی کے ساتھ اللہ کی بندگی میں لگی رہیں۔ انسانیت کے رسول اور اپنے ذی قدر خاوند کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف رہیں۔

فرزند ارجمند کی ولادت

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ کسی معجزہ کا ظہور ہو، وہ حاملہ ہوں اور لڑکے کو جنم

دیں، تاکہ حضرت ہاجرہ مصریہ علیہا السلام کے مثل ہو جائیں، جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شادی فرمائی تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی اس خواہش کا پورا ہونا بظاہر ناممکن تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات میں سے اب تک کسی کے ساتھ یہ حالت پیدا نہ ہوئی تھی، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہوں نے کئی سال گزار دیے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش کو پورا فرمایا۔ وہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے ہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

ایک بدگمانی کا ازالہ

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر بعض لوگوں کی بدگمانی سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ مقوقس نے حضرت ماریہ اور ان کی بہن کے ساتھ مابور نامی ایک غلام کو بھی روانہ کیا تھا، تاکہ ان دونوں کی ضروریات کی دیکھ بھال اور انتظام و انصرام کرے اور ان کی خدمت کرے۔ لہذا مابور ان کے لیے لکڑیاں چناتا تھا، پانی کے مشکینے بھرتا اور ضرورت کا سامان خرید کر لاتا۔

لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بنائی شروع کر دیں اور پروسیوں کا خیال کیے بغیر ان کے بارے میں بدگمانی شروع کر دی۔ اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایک غلام نے ایک باندی سے صحبت کی ہے۔

یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو دیکھا کہ غلام سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے لیے پانی بھر رہا ہے، پھر اس نے پانی کا مشکینہ پھینکا اور کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر مابور پر پڑی، کیا دیکھتے ہیں کہ وہ خفی اور نامرد تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”تو درست رائے تک پہنچا ہے، حاضرہ چیز دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔“ (۲۵۹)

حضور ﷺ کے بعد سیدہ کا طرز زندگی

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی زندگی اور آپ کی وفات کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باوفا اور ثابت قدم اہلیہ ثابت ہوئیں۔ لیکن حضرت ابراہیم کی وفات کے

بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عرصہ دنیا میں موجود نہ رہے۔ آپ ﷺ کو مرض الوفات لاحق ہوا۔ آخری وقت میں تمام زوجات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں۔ یہاں تک کہ داعی اجل نے پکارا۔ آپ ﷺ نے اسے بلیک کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کردی اور رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا غموں سے ڈوب گئیں اور آپ ﷺ کی وفات پر شدتِ الم سے آنسوؤں کی برسات اُن کی آنکھوں سے جاری تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ مصر واپس جا کر اپنے خاندان والوں کے ساتھ مل جانے اور وہیں زندگی گزارنے کے بارے میں نہ سوچا اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے عبادت گزاری اور مکمل گوشہ نشینی کی زندگی گزاری۔ وہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی یعنی اپنی بہن سیرین کے علاوہ کسی سے نہ ملتی تھیں۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت مارثیہ کی دیکھ بھال فرمایا کرتے تھے۔ ان کے نان و نفقہ کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور اُن کے احوال و حاجات کا انتظام بھی اپنے ذمے لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رفیقِ اعلیٰ سے وصال کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے۔ وہ بھی ان کی زیارت کرتے، ان کی ضروریات کو پورا کرتے اور اُن کے لیے قیمتی عطایا کا انتظام فرماتے، اُن کی زندگی عمدہ بنانے کی کوشش اور سعی فرماتے۔

سانچہ ارحام

ہجرت کے سولہویں سال، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع فرمایا۔ حضرت مارثیہ کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرمایا اور انہیں جنت البقیع میں اُن کے بیٹے حضرت ابراہیمؑ کے قریب دفن کر دیا۔

آل بیت ولادت

www.jmm.org

شاہ کونینؒ کی شہزادیاں

علامہ قسطلانی (۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

ان جملہ ما اتفق علیہ منہم سۃ، القاسم و ابراہیم، و اربع بنات،
زینب و رقیہ و أم کلثوم و فاطمة. و کلہن ادرکن الاسلام
وہاجون معہ. واما ابراہیم فمن ماریہ القبطیۃ. (۱)

ترجمہ: اس پر سب متفق ہیں کہ حضرت خدیجہؓ سے حضور ﷺ کی چھ اولادیں ہوئی ہیں؛
قاسم، ابراہیم اور چار بیٹیاں: زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ۔ تمام بیٹیاں اسلام سے مشرف ہوئیں
اور اپنے والد گرامی قدر کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔ سو حضور ﷺ کے بیٹے
ابراہیمؓ کے، وہ سیدہ ماریہ قبطیہؓ سے پیدا ہوئے۔

شہزادی زینب رضی اللہ عنہا

شہزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ
رضی اللہ عنہا کے بطن سے جنم لینے والی سب سے پہلی چشم و چراغ خاندان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
تھیں۔ عربوں کی عادت یہ تھی کہ پہلے بچے کی پیدائش پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک نکاح کے اس ثمرہ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنایان کی اور
اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ پر اس کا شکر ادا کیا۔

سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی ولادت کے وقت حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال کی تھی۔ (۲)
قبول اسلام

اعلان نبوت کے بعد اُم المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے حلقہ بگوش اسلام میں داخل ہوئیں، اور ان کے ساتھ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد بھی مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اس طرح آپ کی چاروں شہزادیاں بھی ابتدائی سے نور ایمان و اسلام سے شرف بار ہو گئیں۔ (۳)

عقد نکاح

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد نے اپنے بیٹے ابوالعاص کے لیے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خواہش بھی یہی تھی کیونکہ ابوالعاص بچپن ہی سے عمدہ عادات و خصائل اور شریفانہ اخلاق کے مالک تھے، اور سیدہ خدیجہ ان سے بیٹوں کی طرح محبت کرتی تھیں۔ بہر حال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے اتفاق فرمایا، اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص کے ساتھ ہو گیا۔ اور یہ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہوا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو ابوالعاص کو بھی ایمان کی دعوت دی گئی، لیکن وہ اپنے قدیم دین پر عرصہ تک قائم رہے۔ (۴)

معرکہ بدر میں ابوالعاص کی شمولیت

معرکہ بدر میں ابوالعاص بھی مشرکین مکہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مشرکین بڑی طرح خائب و خاسر اور ناکام ہوئے۔ ستر نامی گرامی سردار قتل اور ستر آدمی گرفتار ہو گئے۔ ابوالعاص بھی قید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ مسلمان چاہتے تھے کہ مشرکین سے قیدیوں کے سلسلہ میں اپنا حق وصول کریں، لہذا وہ بہت زیادہ فدیہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اہل مکہ نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کو اپنے قیدیوں کو آزاد کروانے کی فکر میں قبول کر لیا تھا، کیونکہ اہل مکہ جلد از جلد اپنے قیدیوں کو آزاد کروانا چاہتے تھے، تاکہ اس عار سے نکل سکیں جو ان کے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔

قیدیوں کو آزاد کروانے کے لیے آنے والوں میں ابوالعاص کے بھائی بھی تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ”میں زینب بنت محمد کی طرف سے آیا

ہوں اور میرے پاس ایک تھیلی ہے۔“ اُس نے وہ تھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا، ”یہ میرے پاس ابوالعاص کا فدیہ ہے۔“ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تھیلی کو کھولا تو دیکھا تو حیران ہوئے اور فرمایا، ”اے زینب! اللہ تیرا بھلا کرے، یہ تو خدیجہ کا ہار ہے۔“ پھر خاموش ہو گئے اور فرمایا کہ ”یہ ہار زینب کی والدہ نے ان کی شادی کے موقع پر انہیں ہدیہ کیا تھا۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش ہو گئے۔ انہوں نے معاملہ کی سنگینی کو بھانپ لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا ہوئے اور فرمایا، ”اگر تمہاری رائے ہو تو اُس کا قیدی چھوڑ دو، اور اُس کا مال بھی واپس کر دو۔“ صحابہ نے خوشی کے ساتھ اس رائے کو قبول کر لیا۔ (۵)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ وعدہ بھی لے لیا کہ وہ مکہ پہنچ کر زینب کو مدینہ منورہ بھیج دیں۔

سیدہ زینب کی ہجرت مدینہ

جب ابوالعاص بن ربیع مکہ پہنچے تو اپنی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ جانے کی تیاری کر لیں۔ پھر اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کو حکم دیا کہ ان کے لیے اونٹ تیار کریں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ کنانہ نے اپنی کمان کو پکڑا، تلوار کو لٹکایا اور دن کے وقت اونٹ کی گام پکڑے لوگوں کے سامنے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کجاوہ میں بٹھا کر لے کر چل پڑے۔

قوم قریش کو اس واقعہ کی خبر ہو چکی تھی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ کو بھی اطلاع پہنچی۔ غزوہ بدر کے واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہے تھے اور جنگ کے مقتولوں کے چہرے اس کے تصورات میں چھائے ہوئے تھے۔ وہ روزانہ قریش کی محافل میں جاتی، لوگوں کو مسلمانوں سے انتقام لینے پر برا بھینچہ کرتی، کیونکہ انہوں نے اس کے باپ عتبہ بن ربیع، چچا شیبہ اس کے بھائی ولید ابن عتبہ، اس کے چچا زاذعیدہ اور عاص بن سعید بن العاص اور اس کے سوتیلے بیٹے حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب کو قتل کر دیا تھا۔

ہندہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اُس گفتگو کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں، میں مکہ میں اپنے والد کے پاس جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ ہندہ بنت

السی السلم اعیار جفاء و غلظۃ

وفی الحرب اشباه النساء العوارک

ترجمہ: امن کے موقع پر سخت اور پچھاڑنے والے بہادر گدھے بن جاتے ہیں، جبکہ لڑائی میں پردہ نشین عورتوں کے مثل ہو جاتے ہو۔

(یعنی: امن کے موقع پر غصہ، بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ تو کرتے ہو، لیکن جنگ میں شریف عورتوں کی طرح نرمیلے بن جاتے ہو)۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مقام ”ذوطوی“ تک پہنچ چکی تھیں، لیکن ان کے خالہ زاد کنانہ بن ربیع مجبور تھے کہ انہیں واپس مکہ لائیں۔ کیونکہ ان کا صل بھی ضائع ہو چکا تھا اور کمزوری اور ناتوانی کا شکار ہو چکی تھیں۔

کچھ دن وہ گھر میں رہیں، آرام کیا، پھر سفر شروع کیا۔ یہاں تک کہ مدینہ کے قریب زید بن حارثہ اور ان کے ساتھ موجود صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی اور آپ مدینہ پہنچ گئیں۔^(۶)

ابوہاشم کے قتل کا حکم

بیٹی کے ان دل آزار حالات کی اطلاع جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو غمگین بھی ہوئے اور غضب ناک بھی۔ آپ ﷺ نے ان ظالم اور بدکردار افراد کو کفر کردار تک پہنچانے کی کوشش کی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ کیا۔ میں بھی اس میں شامل تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اگر ہمارے بن اسود اور نافع بن عبد قیس، جس نے سیدہ زینب کی طرف دست ستم دراز کیا تھا، دونوں کو پکڑ کر جلا دینا۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں، یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ہمیں دیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے تمہیں دو آدمیوں کو جلا دینے کا حکم دیا تھا، بعد میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شخص کے لیے یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ آگ کی سزا کسی کو دے، لہذا تم ان دونوں کو قتل کر دینا۔^(۷)

مدنی زندگی

حضرت زینب اپنے بچوں کے ساتھ اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں زندگی

عتبہ میرے پاس آئیں اور کہا، ”اے محمد کی بیٹی! میں نے سنا ہے کہ تو اپنے والد کے پاس جا رہی ہے، کیا واقعی ایسا ہے؟“ میں نے کہا کہ ”میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔“

ہند نے کہا، ”آپ ایسا نہ کریں، اگر آپ کو سفر میں ضرورت کو پورا کرنے کا سامان درکار ہو یا اپنے والد تک پہنچنے کے لیے مال کی ضرورت ہو تو میں آپ کی ضروریات پوری کر سکتی ہوں، آپ مجھ سے نہ ڈریں، کیونکہ جو دشمنی مردوں کے مابین ہے، وہ عورتوں کے درمیان داخل نہیں ہو سکتی۔“

مشکل کا سامنا

کفار مکہ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکہ سے نکلنے کا علم ہو گیا، لہذا انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا چھپا کیا۔ سب سے آگے ہمارے بن اسود اور نافع یا خالد بن عبد قیس تھے۔ ہمارے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو نوکدار مجیز چھوئی اور انہیں چٹان پر گرادیا۔ ان دنوں حضرت زینب رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں اور آپ کے حمل کو چار ماہ گزر چکے تھے۔ حمل ساقط ہو گیا۔ حمل کے ساقط ہونے کی وجہ سے انہیں ضعف اور مرض لاحق ہو گیا۔

ابو العاص کا بھائی کنانہ (جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھا) لوگوں سے لڑنے کو تیار ہوا، لیکن وہ لوگ اس سے بہت دور تھے۔ ابوسفیان دور کھڑا کنانہ بن ربیع سے گفتگو کرنے لگا اور پکار پکار کر کہا، ”ہم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں، اپنے حملہ کو روک لو۔“ ابوسفیان ان کے بالکل قریب آیا اور کہا، ”اے کنانہ ابن الربیع! تو نے درست کام نہیں کیا، تو علی الاعلان اس عورت کو لوگوں کے سامنے سے لے کر نکلا، حالانکہ تجھے اس مصیبت کا علم تھا جو ہمیں لاحق ہوئی تھی۔ اور تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر حملہ کا بھی علم ہے۔ لوگ یہ خیال کر رہے ہیں کہ یہ مصیبت ہمیں بزدلی کی وجہ سے پہنچی ہے اور اب ہم کمزور اور شکستہ دل ہو چکے ہیں۔ بخدا ہمیں زینب کو اس کے والد کے پاس جانے سے روکنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن جب آوازیں ماند پڑ جائیں گی اور لوگ یہ باتیں کرنے لگیں گے کہ ہم نے اسے واپس کر دیا ہے تو خاموشی سے اسے لے جانا اور اسے اس کے والد سے ملا دینا۔“

جب ہندہ بنت عتبہ کو اس سارے واقعہ اور حضرت زینب کی واپسی کا علم ہوا تو انہیں بہت دکھ ہوا۔ وہ اپنی قوم کا مذاق اڑانے لگیں اور انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا، ”کیا ایک عورت کے خلاف معرکہ لڑ رہے ہو؟ یہ بہادری یوم بدر میں کیوں نہ تھی؟“

علیہ وسلم نے ”اللہ اکبر“ فرمایا اور باقی لوگوں نے بھی ”اللہ اکبر“ کہا، اچانک سب نے ایک آواز سنی۔ یہ حضرت زینبؓ کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں، ”اے لوگو! میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے۔“

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، ”اے لوگو! جو میں نے سنا، وہ تم نے سنا ہے؟“ لوگوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، یہاں تک کہ میں نے بھی وہی سنا جو تم نے سنا ہے، مسلمانوں کا ادنیٰ ترین شخص بھی پناہ دے سکتا ہے، اور تحقیق جس کو زینبؓ نے پناہ دی، اُسے ہم نے بھی پناہ دی۔“ (۸)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے پاس تشریف لائے۔ حضرت زینبؓ نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”اے میری بیٹی! اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، لیکن وہ آپ کے بارے میں بے لوث نہ ہونے پائے، کیونکہ اب آپ اس کے لیے حلال نہیں ہیں۔“ (۹)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص پر احسان

ابوالعاص نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ساری بات سنائی کہ وہ مسلمان ہو کر نہیں آئے، بلکہ وہ تو کسی اور کام کے لیے آئے ہیں۔ یعنی صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے تجارت کی غرض سے شام سے واپس آ رہے تھے، ان کے ساتھ کچھ قریشی مرد بھی تھے کہ اچانک مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان پر حملہ کر دیا، جس میں زید بن حارثہ بھی تھے اور ان کے ساتھ ایک سوستر آدمی تھے۔ انہوں نے قریشیوں سے سارا مال چھین لیا اور قریشی قتل کے خوف سے فرار ہوئے۔ اور یہ بھی ڈرتے ہوئے اپنی خالہ کی بیٹی کے گھر میں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ حضرت زینبؓ نے کہا، ”میں اپنی خالہ کے بیٹے اور علی اور امامہ کے والد کو خوش آمدید کہتی ہوں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا، ”اس شخص کا جو تعلق ہمارے ساتھ ہے، تم حضرات اچھی طرح جانتے ہو۔ جو مال تمہارے ہاتھ لگا ہے، یہ عنایت خداوندی ہے۔ مگر میں پسند کرتا ہوں کہ تم لوگ اس پر احسان کرو اور مال واپس کر دو۔ اگر تم مال واپس کرنے پر

گزار نہ لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملاقات کرتے، اپنے نواسے اور نواسی کو پیار کرتے۔ حضرت زینبؓ دیکھتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے امور میں مصروف ہیں اور آپ ﷺ کی دعوت بجلی کی رفتار سے دنیا کے ملکوں میں پھیلتی جا رہی ہے، لیکن مکہ اور مدینہ والوں کے درمیان دشمنی بڑھتی جا رہی تھی۔ مسلمان ان تکالیف کو فراموش نہ کر سکے تھے جو انہیں قریشی سرداروں کے ہاتھوں سے پہنچی تھیں۔ دشمنی بدستور قائم تھی اور انتقام کے موقع کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ مسلمان صحراؤں کا چکر لگایا کرتے تھے، تاکہ شام سے آنے یا شام کی طرف جانے والے کسی کافر کو پکڑ لیں۔ اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکر اُن کے تاجروں اور قافلوں کو تلاش کرتے تھے تاکہ مکہ کے لوگوں کو پکڑ لیں اور ان کا سامان تجارت حاصل کر لیں۔

ابوالعاص کے تجارتی قافلے پر حملہ

اسی طرح ایک مرتبہ وہ صحرا کا چکر لگا رہے تھے کہ انہوں نے شام سے ایک قافلہ آتے ہوئے دیکھا۔ یہ اس کی گھات میں بیٹھ گئے، پھر اُس کو گھیر لیا۔ جو کچھ ان کے پاس تھا، سارے کا سارا چھین لیا۔ اگر اُس قافلہ کے افراد قتل کے خوف سے فرار نہ ہو جاتے تو مسلمان ان کو قیدی بنا لیتے۔

قافلہ کے افراد اپنے شہر مکہ پہنچے، سوائے ابوالعاص کے۔ کیونکہ وہ مستقبل کی منصوبہ سازی کر رہا تھا۔ بہت سے قریشی لوگوں نے اسے بہت سامان دے رکھا تھا، جس کی واپسی کا وہ ذمہ دار تھا۔ وہ کوئی ایسا عمل سوچ رہا تھا جس کے ذریعے سارا یا بعض مال واپس لینے کا انتظام ہو جائے، یا پھر کوئی ایسا کام کرے جس سے مکہ والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنے پاس موجود مال میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، اور اُس نے اس مال کی خاطر وہ سب کچھ کیا جو اُس کی قدرت میں تھا۔

مال کے لیے ابوالعاص کی تنگ و دو

آخر کار ابوالعاص اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ اپنی خالہ زاد حضرت زینبؓ کے پاس جائے اور ان سے مال کی واپسی کا کوئی راستہ نکلوائے۔

جب رات ہوئی، وہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں مدینہ میں داخل ہوا۔ چلتے چلتے سیدہ زینبؓ کے گھر پہنچا۔ اس نے حضرت زینبؓ کو پناہ کے لیے پکارا۔ حضرت زینبؓ نے اسے پناہ دے دی۔ صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی، نمازی صبح کی نماز کی تیاری کر رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ

رضامند نہیں ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ تم مال کے زیادہ حقدار ہو۔“

صحابہ کرامؓ نے برضا و رغبت تمام مال واپس کر دیا یہاں تک کہ اونٹ کی ٹیکل کی رتی تک بھی واپس لوٹا دی۔ ابوالعاصؓ تمام مال لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ وہاں ہر کسی کا مال اس کے سپرد کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور پھر مدینہ منورہ لوٹ آئے۔^(۱۰)

تجدید نکاح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بلایا اور دو گواہوں اور ایک ولی کی موجودگی میں نکاح جدید کروایا۔ بعض مورخین کے نزدیک پہلے نکاح کو ہی لوٹایا تھا۔

حضرت ابوالعاصؓ زینبؓ اور ان کے بیٹے علیؓ اور امامہؓ جمع ہو گئے۔ اس تعلق کو ایک سال گزرا تھا کہ ۸ سن ہجری شروع ہو گیا۔ حضرت زینبؓ اس واقعہ کی وجہ سے ابھی تک متاثر تھیں جو انہیں پہلی مرتبہ مدینہ آتے ہوئے پیش آیا تھا۔ ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا اور وہ چٹان پر گر گئی تھیں۔ وہ اس تکلیف کو محسوس کرتی رہیں۔ مرض بڑھتا رہا، کوئی علاج معالجہ اور ابوالعاصؓ کی تہمداری و دیکھ بھال راس نہ آئی۔ حضرت زینبؓ بستر پر پڑی اللہ کے امر کا انتظار کرنے لگیں، یہاں تک کہ آخری وقت آیا اور وہ دار آخرت کی طرف منتقل ہو گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم غمگین دل کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کے لیے اللہ سے دعا کی۔ غورتوں کو نصیحت کی کہ ان کو طاق عدد میں غسل دیں اور آخر میں انہیں کا نور خوشبو لگائیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔ پھر مدینہ میں موجود صحابہ کرامؓ نے انہیں ان کے آخری گھر میں منتقل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر رحم کرے اور ان سے راضی ہو۔

شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش سیدہ زینبؓ کے تین سال بعد ہوئی۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ مکرمہ ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔

ازدواجی زندگی

قدیم دستور کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہیں کا رشتہ یعنی مکتبی اپنے چچا ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور حنیہ سے کر دیا تھا۔ یہ صرف امتساب نکاح تھا، رخصتی اور عروسی کی نوبت نہیں آئی تھی۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں، تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ، تو ابولہب نے دونوں بیٹوں پر زور دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دے کر فارغ کر دو۔ چنانچہ طلاق دے کر انہیں علیحدہ کر دیا گیا۔^(۱۱)

سیدہ کے ساتھ عثمانؓ کا عقد

چونکہ اب اسلام کا دور دورہ شروع ہو چکا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و عمل حکم خداوندی کے تابع ہوتا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا اَنَا اَزْوَاجٍ بِنَاتِي، وَلَكِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَزْوَاجُهُنَّ۔^(۱۲)

ترجمہ: میں اپنی لخت جگر شہزادیوں کا نکاح اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں کرتا، بلکہ اللہ کی جانب سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا تو ارشاد فرمایا:

وما زوجتہ الا بالوحي من اللہ (۱۳)

ترجمہ: میں نے اللہ کے حکم سے اپنی بیٹی کا نکاح عثمان کے ساتھ کیا ہے۔

ہجرت حبشہ

مسلمانوں کی ایک جماعت، جو کفار کی تکالیف سے تنگ آ چکی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ برائی کا بدلہ برائی اور لڑائی کا بدلہ لڑائی سے دیا جائے۔ لیکن انگریزیت کی رائے یہ تھی کہ ایسا کرنا اُس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتا جب تک مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں کمزور رہے۔

تمام لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کے منتظر تھے، لہذا آپ ﷺ نے مسلمانوں سے جو ننگو فرمائی، اُس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ کفار کی سختیوں کو روکنے کی قدرت نہیں رکھتے، لیکن ان کو اس بات کا مشورہ دیتے ہیں کہ وہ سرزمین حبشہ کی طرف نکل جائیں، وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی موجودگی میں کسی پر ظلم نہیں ہو سکتا۔ وہ سلامتی والی سرزمین ہے، یہ لوگ وہیں رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کشادگی پیدا فرمادے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سرفہرست تھے۔ ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون تھیں جنہوں نے ہجرت میں اپنے خاوند کی موافقت کی۔ عجیب بات تو یہ تھی کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے کبھی مکہ کو نہ چھوڑا تھا اور نہ ہی ان کے بس میں تھا کہ وہ اپنے گھر کو چھوڑ دیں۔ لیکن اپنے خاوند کی موافقت کی محبت اور اُن کی خاطر قربانی کے جذبہ نے ہجرت پر ابھارا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی جدائی برداشت نہ کر سکتی تھیں، لیکن انہوں نے اس جدائی کو محض اس لیے برداشت کیا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے ساتھ رہیں۔

یہ نیک بخت خاتون اپنے عظیم خاوند کے ساتھ لمبے سفر کے لیے روانہ ہو گئی۔ یہ ایک بہت مختصر سی جماعت تھی جو تقریباً اُس افراد پر مشتمل تھی۔ آل عثمان میں سے ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، جو ابوسفیان کی اہلیہ ہند کے بھائی تھے اور اُن کی بیوی سہلہ بنت سہیل عامر یہ رضی اللہ عنہم شامل

تھے۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زبیر بن عوام، مصعب بن عمیر بن ہاشم اور دوسرے اہل و اقارب شامل جماعت و رفقاء سفر تھے۔

یہ ایمانی قافلہ نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں ارض حبشہ میں پہنچا۔ وہاں امن و امان، عبادت کی آزادی اور اطمینان میسر آیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اسلام میں پہلی ہجرت ملک حبشہ کی طرف تھی، اور مسلمانوں میں سب سے پہلے جو شخص ہجرت کے لیے نکلا، وہ عثمان بن عفان تھا اور اُن کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“ (۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدہ انہ اول من ہاجر بعد ابراہیم و لوط۔ (۱۵)

ترجمہ: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ

مسلمان چند سال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ پھر ایک غلط خبر پا کر مکہ کی طرف واپس لوٹے۔ جب یہ قافلہ اسلام مکہ کے قریب پہنچا تو انہیں مکہ کا ایک شخص ملا، جس کا تعلق کنانہ قبیلہ سے تھا۔ مہاجرین نے اس سے قریش اور ان کی حالت کے بارے میں پوچھا تو اُس شخص نے جواب دیا، ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اُن کے معبودوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں، قریش والے ان کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں، ہم نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے۔“ مہاجرین نے دوبارہ حبشہ کی طرف لوٹ جانے کے بارے میں غور و فکر کیا۔ پھر کہا کہ ہمیں خود مکہ میں داخل ہو کر قریش کے رویہ پر غور کرنا چاہیے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ سے لوٹ آئے۔

اسی اثناء میں مدینہ منورہ کی ہجرت کی صورت سامنے آ گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مدینہ کی ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ کے

ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

سیدنا عثمان اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہما وہ خوش نصیب انسان ہیں جنہیں دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ اعزاز بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، اور پھر ہجرت حبشہ میں سبقت کا اعزاز بھی انہی کو حاصل ہوا۔ ہجرت اولیٰ کے مہاجرین میں سب سے آہنق و اذل آپ ہی تھے۔ گویا کہ ”ام المہاجرین“ کی حیثیت کے حامل تھے، اور لسان نبوت سے بھی اس شرف و افتخار کا اعلان ہوا تھا۔

شوہر کی خدمت گزاری

جیسا کہ ایک وفا شعار بیوی خاوند پر سو جان سے نثار ہوتی ہے، اور خاوند کی خدمت اپنا فرض منجی سمجھتی ہے، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر نامدار کی خدمت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی ترغیب اور تربیت تھی۔ حدیث شریف میں ہے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو اُس وقت سیدہ رقیہ اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کا سر دھو رہی تھیں اور کنگھی سے اُن کے بال ستوار رہی تھیں۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

يا بنية! احسنی الی ابی عبد اللہ۔ فانہ اشبه اصحابی بی خلقاً۔ (۱۶)

ترجمہ: اے جان پدر! اپنے شوہر عثمان کے ساتھ حسن معاملہ اور عمدہ سلوک کرنا۔ حسن اخلاق کے اعتبار سے وہ تمام صحابہ میں سے میرے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کرشمہ تھا کہ وہ ناز پروردہ صاحبزادی شوہر کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی کتنے خوش نصیب ہیں جن کی توصیف لسان نبوت سے کی جا رہی ہے۔

شوہرادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی باہمی محبت و اُلفت اور حسن معاشرت لوگوں میں ضرب المثل بن گئی تھی۔ اور اُن کے اس قابل تحسین لائحہ عمل کے پیش نظر یہ بات زبان زد عام تھی:

احسن الزوجین راہما الانسان
رقیة وزوجها العثمان (۱۷)

ترجمہ: میاں بیوی کا سب سے اچھا جوڑا جو لوگوں نے دیکھا ہے، وہ رقیہ اور عثمان ہیں۔

سانحہ ارتحال

۳ھ میں جب کفر اور اسلام کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ جنگ بدر برپا ہونے والا تھا، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام غزوہ بدر کی تیاری میں مصروف تھے۔ شوہرادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو خسرو کا عارضہ لاحق ہو گیا اور نہایت سخت تکلیف ہوئی۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ سے فرمایا، رقیہ بیمار ہیں، آپ ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں رہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے خادم خاص حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بھی مدینہ ٹھہرنے کا حکم دیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوہ بدر میں حضرت عثمانؓ کی عدم شمولیت کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی، جو آپ کی بیوی تھیں، بیمار تھیں۔

فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لك اجر رجل ممن
شهد بدرًا وسهمه۔ (۱۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اس کی تیمارداری کرو اور تمہیں اس شخص کے برابر اجر اور مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا، جتنا بدر میں شریک ہونے والے کو ملے گا۔ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۳۶۳ھ) رقم طراز ہیں:

تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عثمانؓ غزوہ بدر میں محض اس وجہ سے شریک نہ ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ اپنی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی تیمارداری پر مامور تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مال غنیمت میں حصہ عطا فرمایا، اور شرکت بدر کے اجر و ثواب کی بشارت بھی سنائی۔ (۱۹)

عین اسی دن، جس دن حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں آ کر فتح بدر کا مژدہ سنایا، سیدہ رقیہؓ نے وفات پائی۔ ادھر مسلمان غزوہ بدر میں اللہ کی مدد کے نزول کی فرحت سے سرشار ہو کر مدینہ واپس لوٹ رہے تھے، اسی خوشی میں سیدہ کے انتقال کے غم کا پہلو بھی شامل ہو گیا۔

وصال کے وقت سیدہ کی عمر بیس سال تھی۔ (۲۰)

سیدہ کا انتقال ہجرت کے دوسرے سال ہوا۔ (۲۱)

اولاد و امجاد

شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہا سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ دونوں کی ولادت حبشہ کے دوران ہوئی۔ ایک بچہ ناقص پیدا ہوا۔ پھر دوسرا بچہ اللہ نے عطا فرمایا، جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اسی کے نام سے حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ چھ سال کی عمر میں مرث نے بچے کے چہرے پر ٹھونگ ماری۔ چہرہ پر قورم آگیا، اور اسی عارضہ میں بچے کا انتقال ہو گیا۔ (۲۲)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ولادت کے متعلق مورخین کی مختلف آراء ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ وہ اپنی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی اور اپنی بہن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں۔

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اُن کی والدہ خدیجہ بنت خویلد تھیں، ان کی پیدائش مصعب کے بیان کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوئی۔ اور علم الانساب کے اکثر علماء کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی کے متعلق بھی بہت اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن بڑی بیٹی کے متعلق اختلاف شاذ ہے (یعنی بڑی زینب رضی اللہ عنہا ہی ہیں)۔ اور صحیح یہی ہے کہ سب سے بڑی زینب رضی اللہ عنہا ہیں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رقیہ کے وصال کے بعد ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عقد کیا۔ اور اس میں بھی یہ دلیل ہے کہ بڑی رقیہ تھیں اور ام کلثوم ان سے چھوٹی۔ کیونکہ عام دستور یہی ہے کہ پہلے بڑی کا عقد ہوا کرتا ہے اور پھر چھوٹی کا۔ (۲۳)

اسم گرامی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تیسری شہزادی ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ اپنی کنیت "ام کلثوم" ہی کے نام سے شہرت رکھتی ہیں، اس کے علاوہ کوئی نام معلوم نہ ہو سکا۔

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ پھر اپنے خادم خاص زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اپنے اہل بیت کو بھی مدینہ بلوا لیا۔ اس طرح شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی خاندان کے دوسرے افراد کی طرح مکہ سے مدینہ جا پہنچیں۔

نکاح کے غیبی اسباب

ادھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے سید محبت تھی اور یہ رشتہ محبت تامہ آخر قائم رہا۔ شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کے فراق میں ہر وقت مضطرب اور غمگین رہتے تھے۔

ایک دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسی رنج و غم کے عالم میں بیٹھے تھے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم آپ پر پڑی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو افسردہ و ملول دیکھ کر پوچھا، ”ابو عبد اللہ! تمہیں کیا ہوا ہے جو چہرے سے حزن و ملال کے آثار ظاہر ہیں؟“ عثمان عرض گزار ہوئے، ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا مجھ سے زیادہ کوئی ملول و غمگین ہوگا؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رقیہ کی جدائی نے میری کمر توڑ دی ہے۔ رقیہ رضی اللہ عنہا کی موت سے خاندان نبوت سے میرا رشتہ ٹوٹ گیا ہے اور اب دوبارہ اس مقدس رشتہ کے قائم ہونے کی کوئی امید نہیں۔“

توفیق بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عندی رحمہا اللہ۔

وانقطع الظہور، وذهب الصہر فیہا بینی و بینک۔ (۲۷)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں یہ فکر لاحق تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے غم فراق کا مداوا ہونا چاہیے اور ان کا رنج و ملال پھر مسرت و شادمانی سے بدل جائے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا، بھائی عثمان رضی اللہ عنہ! میں دیکھتا ہوں کہ جب سے تمہاری وفا کش بیوی رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا ہے، تم ہر وقت اداس اور غمگین رہتے ہو۔ تمہاری گریہ بستی بھی خراب ہو رہی ہے۔ میں نے اس صورت حال کا ایک حل تجویز کیا ہے کہ آپ میری بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لو۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے پہلو تہی کی اور معاملہ پر غور کرنے کو

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

وامام ام کلثوم ولا یعرف لها اسم۔ انما تعرف بكنيتها۔ (۲۴)

ترجمہ: اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نام معلوم نہیں، وہ کنیت ہی سے مشہور ہیں۔

اس کی شرح میں علامہ زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) فرماتے ہیں:

لا أعلم احد اسمها۔ والظاهر ان اسمها كنيتها۔ (۲۵)

نکاح اول

جیسا کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں بیان ہو چکا ہے کہ آغاز اسلام سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور کے دستور کے مطابق سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہ کی نسبت، متغنی یا ناطہ اپنے چچا ابولہب کے دو بیٹوں متبہ اور عتیبہ سے کر دی تھی۔ اعلان نبوت کے بعد جب آیت ”ثَبِّثْ يَدَ آبَائِي لِقَبِي وَثْبٌ“ نازل ہوئی تو ابولہب اور اس کی بیوی ام جہیل نے اسلام دشمنی میں دونوں بیٹوں کو طلاق دے کر بیویوں کو فارغ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ دونوں لڑکوں متبہ اور عتیبہ نے ماں باپ کی رضا جوئی کی خاطر اللہ اور اس کے رسول کی عداوت میں اپنی بیویوں کو فارغ کر دیا۔

اللہ جل مجدہ کی رحمت سے ان پاک بیویوں کا مقدر جاگ اٹھا اور یہ پاک طینت شہزادیاں پاک طینت خوش نصیب سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ (۲۶)

ہجرت مدینہ

حالات بایں جا رسید کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کے لیے مکہ کی سرزمین میں امن و سکون کا سانس لینا دشوار ہو گیا۔ مشرکین کی ہمتیں اس حد تک بڑھ گئیں کہ وہ پیغمبر اسلام کے قتل کے ناپاک منصوبے بنانے لگے اور تحریک اسلامی کو کچلنے کی تدابیر سوچنے لگے۔ لیکن قدرت نے مکہ سے کوسوں دور ”یثرب“ میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے حالات سازگار کر دیے تھے اور وہاں کے باشندوں کی ایک خاصی تعداد ائمۃ اسلام میں داخل ہو چکی تھی۔ یہ لوگ دل و جان سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں رفق و فرد ہونے کی تمنا رکھتے تھے۔ ان حالات میں اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب کو ہجرت کی اجازت عطا فرمائی۔ اسی کے ساتھ مکہ کے دوسرے بلاکشان حق کو بھی مدینہ چلے جانے کا اذن عام ہو گیا۔

کہا۔ حضرت عمرؓ نے چند دن کے انتظار کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو توجہ دلائی۔ انہوں نے کہا، فی الحال نکاح کا ارادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب سے ناگواری ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے بھی یہ رشتہ قبول کرنے کی پیشکش کی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی کسی مصلحت کے پیش نظر خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک غیرت مند اور خود ارغض شخص تھے، اپنی اس غیر متوقع ناکامی پر آپ کو طیش بھی آیا اور تہنہ بھی ہوا۔ آپ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں عثمان رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے اعتنائی کی شکایت پیش کی۔

کچھ روز بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے کہا، عمر! آپ نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی پیشکش کی اور میں نے خاموشی اختیار کی، آپ کو میری خاموشی بلکہ بے اعتنائی ناگوار گزری، لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا اور میں آپ ﷺ کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (۲۸)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعل اللہ تعالیٰ یا عمر ان یاتیک بصہر ہو خیر لک من عثمان. فنزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بابنة عمر رضی اللہ عنہ، وزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام کلثوم من عثمان. (۲۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عمر! بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر داماد عطا کر دے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح فرمایا اور اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا عثمانؓ کے نکاح میں دے دی۔

ایک روایت ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، یا عمر! الا ادلک علی خیر لک

من عثمان، وادل عثمان علی خیر لہ منک. قال نعم، یا نبی اللہ! قال زوجنی ابنتک، وازوج عثمان ابنتی. (۳۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمر! کیا میں تمہیں عثمانؓ سے بہتر داماد اور عثمانؓ کے لیے تیری بیٹی سے بہتر بیوی نہ بتاؤں؟ حضرت عمرؓ نے عرض کی، جی ضرور بتائیں اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اپنی بیٹی کا عقد میرے ساتھ کر دو اور میں اپنی بیٹی کا نکاح عثمانؓ سے کیے دیتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے:

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد زوج اللہ عثمان خیرا من بنتک، وزوج ابنتک خیرا من عثمان فنزوج رسول اللہ حفصہ، وزوج ام کلثوم من عثمان بن عفان. (۳۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمر! اللہ تعالیٰ نے عثمانؓ کے ساتھ تیری بیٹی سے بہتر عورت کا نکاح کر دیا ہے، اور تیری بیٹی کے لیے عثمانؓ سے بہتر خاندان عطا کر دیا ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں:

فخار اللہ لہما جمیعا. کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحفصہ خیرا من عثمان، وکانت بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعثمان خیرا من حفصہ بنت عمر. (۳۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سب ہی کے لیے فخر ناز کا موجب بنا دیا کہ حفصہؓ کے لیے عثمانؓ سے بہتر شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (ام کلثومؓ) عمرؓ کی بیٹی حفصہؓ سے بہتر عثمانؓ کو عطا فرمادی۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خوش آئند ارشاد سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور حزن و ملال کا نور ہو گیا اور مسرت و اطمینان سے چہرہ شکفتہ ہوا جاتا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ خوش کن خبر سن کر جھوم اٹھے کہ محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہونے کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدہ ام کلثوم

رضی اللہ عنہا کا نکاح کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا، وہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بد نفس نفیس خود رشتہ زوجیت قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔

مذکورہ بالا احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حق میں لفظ ”خیسو“ استعمال فرمایا، جو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے لیے بہت بڑا اعزاز اور اکرام ہے۔ یہی لفظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے بھی استعمال فرمایا۔ آپ ﷺ کی ذات والا صفات تو بالیقین سب سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے لیے یہ لفظ استعمال فرما کر ان کی شان اور مقام کو اجاگر فرمادیا ہے۔

علامہ زرقاتی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:
و به استدلال علی فضل بناتہ علی زوجاتہ (۳۳)

حضور ﷺ کے اس ارشاد سے آپ ﷺ کی بیویوں پر بیٹیوں کی فضیلت پر استدلال کیا جاتا ہے، کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حفصہ رضی اللہ عنہا سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو لفظ ”خیسو“ سے تعبیر فرمایا۔ جن نیک سرشت صاحبزادیوں کو زبان نبوت سے ”خیسو“ کہا جائے پھر ان کے بہت رسول ہونے سے انکار کس قدر شقاوت اور بد بختی ہے۔

عثمانؓ سے نکاح کا امر ربی

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کے نکاح اللہ جل مجدہ کے حکم سے ہی کیے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ما انا ازوج بناتہ، ولكن الله تعالى يزوجهن (۳۴)

ترجمہ: میں اپنی لخت جگر شہزادیوں کا نکاح اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں کرتا، بلکہ اللہ جل مجدہ کی جانب سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔

لیکن یہ اعزاز بالخصوص اور بالاتزام سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مقدر میں تھا کہ ایک مرتبہ نہیں بار بار آپ ﷺ نے یہ بشارت عظمیٰ سنائی ہے کہ جبرئیل اللہ کا حکم لائے ہیں کہ میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمانؓ سے کروں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يا عثمان! هذا جبريل عليه السلام يأمرك ان

ازوجک اخنیہا ام کلثوم علی مثل صداقہا و علی مثل عسرتہا۔

فزوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایہا۔ (۳۵)

ترجمہ: اے عثمان! یہ جبرئیل امین ہیں، خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں رقیہ رضی اللہ عنہا کی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح کروں اور جو مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کے لیے مقرر ہوا تھا، اُس کے موافق ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا مہر ہو، اور ان کی مصاحبت اور رفاقت بھی انہی کے مطابق ہوگی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

هذا جبريل اخبرني ان الله عز وجل امرني ان ازوجک اخنیہا رقیة. واجعل صداقہا مثل صداق اخنیہا۔ (۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتانی جبریل فقال، ان الله يأمرك ان تزوج عثمان ام کلثوم، علی مثل صداق رقیة و علی مثل صحبتہا۔ (۳۷)

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا، اللہ جل شانہ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیں۔ اور جتنا مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کا تجویز ہوا تھا، اُس کے برابر ہو اور صحبت و معاشرت بھی انہی کی مثل ہو۔

تاریخ نکاح

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ربیع الاول ۳ھ میں ہوا۔ اور چند ماہ بعد جمادی الثانی ۳ھ میں رخصتی ہوئی تھی۔ اس طرح قلیل مدت میں یہ تقریب سعید پوری ہوئی۔

فلما توفیت رقیة بنت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خلف

عثمان بن عفان علی ام کلثوم بنت رسول الله. وكانت بکراً.

وذلك في شهر ربيع الاول سنة ثلاث من الهجرة، وادخلت

(۳۸)

عليه في هذه السنة في جمادی الاخرة.

ترجمہ: اللہ جل جلالہ نے میری طرف وحی بھیجی کہ میں اپنی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے عثمان سے نکاح کر دوں۔

عن عائشہ قالت سمعت خلیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقول، اوحی اللہ الی ان ازوج کریمتی عثمان بن عفان، یعنی رقیہ و ام کلثوم۔ (۳۳)

ترجمہ: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی کہ میں اپنی دو بیاری بیٹیوں کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دوں، یعنی سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یہ ”نور“ ہے۔ عرض کیا گیا، ”نور“ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وانی زوجتہ ابنتی فذلک سماہ اللہ عند الملائکۃ ذال نور۔ وسماء فی الجنان ذال نورین۔ (۳۵)

ترجمہ: اور بیشک میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں ان کا نام نور رکھا اور جنت میں انہیں ”ذوالنورین“ کہا گیا۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کو ”ذوالنورین“ کس وجہ سے کہا جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح مجھ سے فرمایا، اس لیے آسمانوں میں مجھے ”ذوالنورین“ کہا جانے لگا۔ (۳۶)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ذلک امرؤ یدعی فی السماء ذال نورین۔ (۳۷)

ترجمہ: یہ ایسا خوش نصیب آدمی ہے جس کو آسمانوں میں ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

خاوند کا بلند مقام

وفا شعار بیوی ہر جگہ اپنے شوہر کو بلند مرتبہ دیکھنا چاہتی ہے۔ سرچشمہ مہر و وفا، جگر گوشہ

ترجمہ: جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا دو شیرہ تھیں۔ نکاح ماہ ربیع الاول تین ہجری میں ہوا اور اسی سال جمادی الثانی میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔

رخصتی کے وقت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی سے فرمایا:

اما انہ اشبه الناس بجد ابرہیم و ابیک محمد۔ (۳۹)

ترجمہ: جان پورا تو خوش نصیب ہے، تیرے شوہر کی شکل و صورت تیرے دادا ابراہیم اور تیرے والد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی ہے۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری شہزادی کا نکاح بھی اللہ جل شانہ کے حکم سے کر دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما زوجت عثمان ام کلثوم الا بوحي من السماء۔ (۴۰)

ترجمہ: میں نے عثمان کے ساتھ ام کلثوم کا نکاح اللہ کے حکم سے کیا ہے۔

وما زوجتہ الا بوحي من السماء۔ (۴۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وما زوجتہن الا بوحي من السماء۔ (۴۲)

ذوالنورین رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں نظریں یکے بعد دیگرے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں عطا فرمائی تھیں، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دو بار دادا رسول ﷺ بننے کا شرف حاصل ہوا ہے، اس لیے بارگاہ نبوت سے آپ ﷺ کو ”ذوالنورین“ کا ایسا نہ فرزند خطاب عطا ہوا، یعنی دو نور والے۔

علمائے امت اس بات پر متفق ہیں، سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے سوا دنیا میں کوئی ایسا شخص نہ ہوا ہے اور نہ ہی ہوگا جس کے عقد میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں آئی ہوں۔ یہ ایسی امتیازی فضیلت ہے کہ بنی نوع انسان میں کوئی بھی اس میں آپ کے شریک و ہم نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ اوحی الی ان ازوج کریمتی من عثمان۔ (۴۳)

رسول اللہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے دل میں بھی یہ جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ ایک مرتبہ انہیں یہ شوق ہوا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا مرتبہ ہے؟ چنانچہ وہ اپنے والد بزرگوار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتی ہیں، ”اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟“ شفیق باپ نے خندہ رودی سے فرمایا، ”پوچھو بیٹی! کون سی بات ہے؟“

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا شرم و حیا کے لہجے میں بولیں، ”میں آپ سے معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کا مرتبہ زیادہ بلند ہے یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا؟“

جتنا اہم سوال تھا اتنا ہی نکتہ آفریں بھی، جسے سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر گویا ہوئے:

وَجِبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ. وَيُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ. (۳۸)

ترجمہ: جان پدرا! تجھے خوش ہونا چاہیے کہ تیرا شوہر عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول ان سے محبت کرتے ہیں۔

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر نامدار کی منقبت و فضیلت سن کر بے حد خوش ہوئیں۔

اوصاف و خصائل

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نہایت نیک مزاج، خوش اطوار اور شیریں زبان تھیں۔ شوہر کی خدمت و فرمانبرداری دل و جان سے کرتی تھیں۔ میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ آخر دم تک سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے پاس رہیں، لیکن باہمی اخلاص و محبت کا یہ حال تھا کہ ایک بار بھی کسی شکر رنجی کی نوبت نہیں آئی۔

اولاد

اللہ تعالیٰ کی مسکھتیں وہی بہتر جانتا ہے۔ نظام عالم کے امور اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، اور اولاد کا معاملہ بھی صرف اور صرف اس کے اختیار میں ہے۔ ارشاد باری ہے:

يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذَّكَوْرَ. أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا

وَإِنَّا جَاعِلٌ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْمًا. (سورۃ الشوریٰ: ۴۹-۵۰)

ترجمہ: جسے چاہے بیٹیاں دے، جسے چاہے بیٹے دے، یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرمائے، اور جس کو چاہے بائیکاٹ کر دے۔

انبیاء و اولیاء سب ہی اس کے سامنے بے بس ہیں، کسی کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ مؤرخین کا یہی اتفاق ہے کہ سیدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔

وَلَمْ تَلِدْ لَهُ شَيْئًا. (۳۹)

ترجمہ: اور عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوئی۔

خوش پوش

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا خوش پوش خاتون تھیں۔ عمدہ اور باوقار لباس زیب تن کرتی تھیں۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے صاحب ثروت شوہر کے ساتھ یہ انداز معاشرت لازمی تھا۔ اور اس سے زوجین کے درمیان تعلقات کی شائستگی اور معاشرتی خوشحالی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

انہ رائی علی ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برد

حریو سیراء. (۵۰)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم پر ایک بیش قیمت چادر دیکھی، جو ریشم کی دھاریوں سے بنی ہوئی تھی۔

ساختہ ارتحال

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی اجل کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ مشیت ایزدی کے فیصلے کو کون ٹال سکتا ہے! آخر وہ حسرتاک گھڑی بھی آئی گئی جب سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے معنوم شوہر اور غمزدہ باپ کو چھوڑ کر راضی فردوس ہوئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

وماتت فی شعبان سنة تسع من الهجرة. (۵۱)

ترجمہ: سیدہ ماہ شعبان ۹ھ میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئیں۔

اللہ جل شانہ کی شان بے نیازی کہ ۲ھ میں شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں، ۸ھ میں شہزادی زینب رضی اللہ عنہا غلہ بریں میں جا گزریں ہو گئیں، اور ۹ھ میں شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سب کو داغ مفارقت دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دار الفنا سے دار البقا کو رحلت فرما گئیں۔

ہر شے مسافر ہر چیز راقی

کیا چاند تارے کیا مرغ و مانی

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں شہزادیوں کا سانچہ ارتحال آپ ﷺ کی حیات ہی میں ہوا۔ اور بیٹیوں شہزادے بھی صغریٰ ہی میں داغ مفارقت دے کر جاں بحق تسلیم ہو گئے تھے۔ سوائے شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا، ساری اولاد امجاد اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، لیکن ان اندوہناک حالات میں بھی صبر و استقامت ہی کا مظاہرہ دکھایا۔ جن جاں غسل اور روح فرسا واقعات و حالات کا سامنا انبیاء علیہم السلام کو کرنا پڑتا ہے، اور اللہ نے ان کو جو حوصلہ، صبر اور قوت برواشت عطا کر رکھی ہوتی ہے، وہ ان ہی کے شایانِ شان ہوتی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اشد الناس بلاء الانبياء ثم الامثل فالامثل (۵۲)

ترجمہ: لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء کو پیش آتی ہیں، پھر جو ان سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔

یہ بھی امت کی تسکین و تسلی اور رہنمائی کا ایک عبرت انگیز نمونہ ہے۔

عثمانؓ پر فدا میت بنات

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی حسن معاشرت، اعلیٰ کردار اور بیویوں کے ساتھ انتہائی عمدہ اخلاق سے پیش آنے، اور ایک نہیں، نبی کی دو لخت جگر شہزادیوں کے ساتھ زندگی میں کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آنے کی وجہ سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل عثمان رضی اللہ عنہ سے بے حد خوش اور ہر اعتبار سے مطمئن تھا۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے نہ صرف سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے، بلکہ ارشاد فرمایا:

والب لب عنك راضی (۵۳)

ترجمہ: اور تجھ سے تیرا لب بھی راضی ہے۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اس انقطاع صبریت پر رنجیدہ اور غمگین تھے، جن کی تسکین خاطر کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

زوجوا عثمان، لو كان لي ثالثة لزوجته. وما زوجته الا بالوحي من الله (۵۴)

ترجمہ: لوگو! عثمان سے اپنی بیٹیوں کا عقد کرو۔ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔ اور میں نے عثمان سے بیٹیوں کے نکاح اللہ تعالیٰ کی وحی کی رہنمائی میں کیے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگو! اگر تمہاری کوئی بہن یا بیٹی بغیر شوہر کے ہو تو تم بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کا نکاح کرو۔

لو كانت عندنا ثالثة لزوجناه (۵۵)

ترجمہ: اگر میری تیسری بیٹی بھی (بغیر نکاح) ہوتی، میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولو كن عشرا لنزوجهن عثمان. وما زوجهن الا بوحي من السماء (۵۶)

ترجمہ: اور اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں ایک کے بعد دوسری کا عثمان سے نکاح کر دیتا۔ میں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح اللہ کے حکم سے کیا ہے۔

وعن عثمان قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم حين زوجني ابته الاخرى، لو ان عندى عشرا لنزوجتكهن واحده بعد واحده. فاني عنك راضی (۵۷)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جس وقت آپ نے اپنی دوسری بیٹی کا مجھ سے عقد کیا، اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں ایک کے بعد دوسری، سب کا نکاح آپ سے کر دیتا، کیونکہ میں آپ سے راضی ہوں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو كان لي اربعون بنتاً زوجت عثمان واحداً بعد واحداً. حتى لا تبقى منهن واحدة. (۵۸)

ترجمہ: اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے سب کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کرویتا، یہاں تک کہ کوئی بیٹی باقی نہ رہتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذي نفسي بيده، لو ان عسدي مائة بنت تموت واحدة بعد واحدة زوجتك اخري، حتى لا يبقى من المائة شئ. (۵۹)

ترجمہ: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر میری ایک سو بیٹیاں ہوتیں تو ایک کے فوت ہو جانے کے بعد دوسری کا نکاح آپ سے کرویتا، یہاں تک کہ سو میں سے ایک بیٹی بھی باقی نہ رہتی۔
تجہیز و تکفین

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی میت کو غسل دیے لگیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا، تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا ضرورت سمجھو تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو، اور پیری کے پتوں ملے پانی سے غسل دینا اور آخر میں کافور، یا یہ فرمایا، کچھ حصہ کافور کا استعمال کر لینا۔ (۶۰)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا، تین یا پانچ مرتبہ غسل دے دو، اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ بھی دے سکتی ہو۔ غسل پانی اور پیری کے پتوں سے ہونا چاہیے۔ اور آخر میں کافور، یا یہ کہا، کچھ کافور کا استعمال کر لینا چاہیے، اور غسل سے فارغ ہونے پر مجھے اطلاع کرنا۔

چنانچہ جب ہم غسل دے چکے تو آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے ہمیں اپنا ازار دیا

اور فرمایا کہ اس کی قیاس بنادو۔ آپ ﷺ کی مراد اپنے ازار سے تھی۔ (۶۱)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں طاق مرتبہ غسل دینا اور میت کے دائیں طرف سے اور وضو کے اعضاء سے غسل کی ابتدا کرنا مذکور ہے۔ ام عطیہ کہتی ہیں، ہم نے غسل دینے کے بعد کنگھی کر کے ان کے بالوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ (۶۲)

ابن ماجہ کی روایت میں صراحت ہے کہ جس صاحبزادی کے غسل کا ذکر ان احادیث میں ہے، وہ سیدہ ام کلثوم تھیں۔ لیکن بخاری کی روایات میں یہ تصریح نہیں۔ علامہ زرقاتی لکھتے ہیں:

وقد روى الطبري وطحاوي والواقدي وابن سعد والدولابي من حديث قليح عن هلال بن علي التصريح بانها ام كلثوم. (۶۳)

ترجمہ: طبری، طحاوی، واقدی، ابن سعد اور دولابی، سب نے قلیح عن ہلال بن علی سے تصریح کر دی ہے کہ وہ صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) نے بڑی محققانہ بحث فرمائی ہے۔
”قَوْلُهُ اَيْتَبَّه“ بخاری شریف کی روایت میں صاحبزادی کا نام ذکر نہیں ہوا۔ اور مشہور یہ ہے کہ یہ صاحبزادی زینب زوجہ ابوالعاص بن ربیع تھیں، جو حضرت امامہ کی والدہ تھیں۔ اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ اور طبری کی بیان کردہ روایات کے مطابق ان کی وفات ۸ھ کے ابتداء میں ہوئی تھی، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت ہے:

عن عاصم عن حفصة عن ام عطية قالت: لما ماتت زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اغسلنها. الخره.

”حافظ“ کہتے ہیں، میں نے حفصہ اور محمد کی روایات میں سوا عاصم کی روایت کے صاحبزادی کا نام نہیں دیکھا۔

لیکن ابن التین نے داؤدی سے بڑے وثوق سے فرمایا ہے:

بان البنت المذكورة ام كلثوم زوج عثمان.

لیکن اس کی سند بیان نہیں کی۔

اور منذری نے قاضی عیاض کی پیروی میں تعجب انگیز بات کہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال تو اُس وقت ہوا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر میں مصروف تھے۔ یہ قول بالکل غلط ہے۔ اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا۔ امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

عن ابی بکر بن ابی شیبۃ عن عبد الوہاب الثقفی عن ایوب،
"ذخَلْ عَلَيْنَا وَنَحْنُ لَعَسَلُ ابْنَةِ امِّ كَلْثُومٍ." (۶۴)

اس کی اسناد امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹیوں کو بھی غسل دیا ہو۔ ان کا غسل دینے کا بیان متعدد مرتبہ واقع ہوا ہے اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی غسل دیا ہو۔

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا میتوں کے غسل دینے میں ہمیشہ شریک ہوتی تھیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ روایات میں تطبیق اس طرح فرماتے ہیں:

ویمکن الجمع بان تكون حضرتہما جميعاً.

ترجمہ: ہو سکتا ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں کے انتقال کے بعد غسل میں شریک ہوئی ہوں۔

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس وقت غسل دے رہی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے کے باہر تشریف فرما تھے۔ ہم نے غسل سے فارغ ہونے پر آپ کو اطلاع دی تو آپ نے کفن کے کپڑے اس ترتیب سے عطا فرمائے، پہلے چادر، پھر قمیص، پھر اوڑھنی، پھر ایک چادر اور آخر میں ایک بڑی چادر، جس میں جسم کو لپیٹ دیا گیا۔ (۶۵)

نماز جنازہ

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا جیسی مکرم و برگزیدہ اور اللہ کی پیاری بندی کا جب غسل و کفن کا مرحلہ مکمل ہو گیا، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور صحابہ کرام نے آپ کی میت میں نماز جنازہ ادا کی۔

و صلی علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. (۶۶)

یہ بھی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت اور منقبت ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُن کی نماز جنازہ پڑھائی اور اُن کے لیے مغفرت و بخشش کی دعائیں فرمائیں، اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کا جم غفیر بھی دعا کرنے میں شامل اور شریک تھا۔

تدفین

نماز جنازہ ادا کر لینے کے بعد سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی میت تدفین کے لیے جنت البقیع لائی گئی۔ تدفین کے لیے حضرت ابوطالب انصاری، سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم قبر میں اترے اور دفن کرنے میں معاونت کی۔

ونزل فی حفرتہا ابوطالب، وعلی بن ابی طالب، والفضل ابن عباس و امامہ بن زید.

(۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس بیٹھے ہیں اور آپ کی آنکھیں اشکبار ہیں، ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے ہیں۔ (۶۸)

لفظ ”فاطمہ“ مشتق ہے ”فَطِمَ“ سے، یعنی منقطع کرنا، دور کرنا۔ جیسے ”فَطِمَ الصَّبِيَّ“ جب بچے کو دودھ چھڑا دیا جائے۔ ”فَصْلَهُ مِنَ الرِّضَاعِ“ اسے دودھ چھڑا دیا۔ (۷۲)

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں، آپ کا نام ”فاطمہ“ الہامی نام تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جہنم سے چھڑا لیا۔ ویلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ سے اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا نام اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چھڑا لیا اور جہنم سے آڑ بنا دیا۔ (۷۳)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

عن ابن مسعود انما سميت فاطمه بالهام من الله لرسوله ان كانت ولادتها انما سميت فاطمة: لان الله قد قطعها وذريتها عن النار يوم القيامة. اخرجه الحافظ الدمشقي و دوى الغسانی والخطيب مروغا. لان الله قطعها ومجيبها عن النار. (۷۴)

ترجمہ: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے انہیں اور ان کی اولاد کو قیامت کے دن جہنم سے بچا لیا ہے۔ حافظ دمشقی نے اس روایت کو یوں بیان کیا ہے، اور غسانی اور خطیب نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

علامہ زرقانی (م ۱۱۲۳ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قبل النبوة وان كانت بعدها فيحتمل بالوحى لان الله قد قطعها من الفطم وهو فطم الصبي وذريتها عن النار يوم القيامة اى منعهم منها. (۷۵)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ کا یہ نام بذریعہ الہام رکھا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف القا فرمایا۔

اگر سیدہ کی ولادت نبوت سے پہلے ہوئی ہو تو اسے الہام کہا جائے گا، اور اگر نبوت کے بعد ہوئی ہو تو بذریعہ وحی آپ ﷺ کو یہ نام رکھنے کو کہا گیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ فرمایا اور سیدہ کی اولاد کو بھی جہنم سے بچا لیا ہے۔ غسانی اور خطیب کہتے ہیں، اس روایت میں مجہول راوی پائے جاتے ہیں۔

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت باسعادت کے متعلق امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۰ھ) لکھتے ہیں:

ولدتها و قریش تبني البيت وذلك قبل النبوة بخمس سنين. (۶۹)

جس زمانہ میں قریش بیت اللہ کی تعمیر میں مصروف تھے، رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال کو پہنچ چکی تھی اور اعلان نبوت سے کوئی پانچ برس پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت باسعادت ہوئی۔

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال ہوئی۔ (۷۰)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

نقل ابو عمر عن عبيد الله بن محمد بن سليمان بن جعفر الهاشمي انها ولدت احدى واربعين من مولد النبي صلى الله عليه وسلم وكان مولدها قبل البعثة بقليل نحو سنة او اكثر وهي اسن من عائشه بنحو خمس سنين. (۷۱)

اسم گرامی

چوتھی شہزادی کا نام نامی اسم گرامی ”فاطمہ“ ہے۔ شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی قد رحمہ بن عبد اللہ بن عبد المطلب، اور والدہ محترمہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

وجہ تسمیہ

شہزادی کے اسماء

شہزادی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نام نو (۹) عدد مذکور ہیں:

- | | | |
|----------|-----------|---------------|
| ۱۔ فاطمہ | ۲۔ مبارکہ | ۳۔ زکیہ |
| ۴۔ صدیقہ | ۵۔ راضیہ | ۶۔ مرضی |
| ۷۔ محدثہ | ۸۔ زہراء | ۹۔ طاہرہ (۷۶) |

القاب

شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے القاب بتول اور زہراء ہیں۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

وسمیت بتولاً لانقطاعها من نساء زمانها فضلاً و دیناً و حسباً
وقیل لا نقطاعها عن الدنيا الى الله تعالى (۷۷)

ترجمہ: انہیں بتول کا لقب اس لیے دیا گیا کہ اپنے زمانہ کی عورتوں سے حسن شرافت، فضل و کمال، حسب و نسب اور دین و دانش کے اعتبار سے بہت معزز تھیں (یعنی الگ تھیں)، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدہ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے اپنے آپ کو لوگوں سے الگ کر لیا تھا، اس لیے یہ لقب عطا ہوا۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "بَتُولٌ"؛ با کے فتح اور تا کے ضمہ کے ساتھ۔

"بَتْلَةٌ بَتْلًا كَانَتْ"؛ عبادت کے لیے علیحدہ ہونا۔ (۷۸)

"الْبَتُولُ"؛ کنواری زائدہ عورت۔ (۷۹)

"زہراء"؛ سیدہ کا لقب زہراء بھی تھا۔ (۸۰)

اس لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گلشن کا ایک پھول تھیں۔ (۸۱)

علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۱۰ھ) لکھتے ہیں:

الزُّهْرَةُ، الحسنُ والبياضُ، وقد ذُهِرَ ذَهْرًا، وَالزَّاهِرُ وَالْأَزْهَرُ،
الحسن الابيض من الرجال وقيل هو الابيض فيه حمرة. (۸۲)

ترجمہ: چمکدار سفیدی، آدمی کا حسین و جمیل ہونا، سرخ و سفید حسن الزہراء، حسین عورت،

پھول، چمک و مک، بہار۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں:

الزُّهْرَاءُ، اس لیے لقب ہوا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا خوب رو اور حسن و جمال میں کمال مرتبہ میں تھیں۔ (۸۳)

سیدہ کی کنیت

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی کنیت "أُمِّ آيِبِهَا" تھی۔ (۸۴)

طبرانی نے ابن المدینی سے روایت نقل کی ہے: "أُمِّ آيِبِهَا" سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی کنیت "حُبُّ نَبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کی وجہ سے ہے۔ جب حضور انور ﷺ کے والدین دنیا سے رخصت ہو گئے تو آپ فاطمہ بنت اسد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کے پاس رہے، آپ انہیں اماں ہی پکارتے تھے۔ جب فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو آپ غمزدہ ہو گئے۔ آپ کہتے تھے، آج میری ماں کی وفات ہو گئی ہے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو "فاطمہ رضی اللہ عنہا" دیں تو آپ ﷺ جب بھی بیٹی فاطمہ کو دیکھتے تو "فاطمہ بنت اسد" یاد آ جاتیں تو بیٹی سے تسلی ہو جاتی، اس لیے سیدہ کی یہ کنیت قرار پائی۔

ہجرت مدینہ

شعب ابی طالب میں پورے تین برس شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا پورے خاندان کے ساتھ بے انداز مصائب و آلام برداشت کرتی رہیں۔ جب مکہ میں کافروں کا ظلم و تشدد حد سے بڑھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے بنائے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کر لیا۔ پہلے صحابہ کرام کی اکثریت ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلی گئی، بعد ازاں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جائزہ یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت فرمائی۔ وہاں پہنچ جانے کے چند دن بعد اپنے اہل بیت کو بھی مدینہ منورہ بلوایا۔

عقد مسنونہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عقد مسنونہ

ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد وقوع پذیر ہوا۔ اس کی تفصیلات علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۲۲ھ) کی کتاب سے پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد کی درخواست پیش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اَنْتَظِرْ بِهَا الْاَضَاءَ“

ترجمہ: حکم الہی کا انتظار کریں۔

علامہ بلاذری کی بیان کردہ روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”مجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار ہے۔“

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ درخواست کی، مگر انہیں بھی وہی جواب ملا۔ ان دونوں حضرات نے باہم مشورہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین و محبوب اور عم زاد بھی ہیں، ان سے کہا جائے کہ وہ یہ درخواست پیش کریں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہیں ترغیب دی، انہیں اپنی بے سروسامانی کی بنا پر ایسا کرنے میں تامل تھا، لیکن ان حضرات کے اصرار سے وہ آمادہ ہو گئے۔ دلی خواہش تو ان کی بھی یہی تھی لیکن فطری حیاء پیغام بھیجنے میں مانع تھی۔ اب ہمت کر کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیج دیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی استدعا کو شرف قبولیت بخشا اور دریافت فرمایا:

هل عندك شئني؟ فقلت فوسى و بدنى.

ترجمہ: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا، ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے:

هل عندك شئني؟ قال لا. قال فما فعلت الدرع التي سلحتكها.

ترجمہ: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ زرہ کہاں گئی جو

میں نے تمہیں دی تھی؟

مسند احمد کی روایت میں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرنے کا ارادہ کیا:

”فقلت واللہ مالی من شئنی“

ترجمہ: میں نے کہا، خدا کی قسم! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

بہر حال میں نے استدعا کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا، کچھ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے فلاں موقع پر تمہیں دی تھی؟ میں نے عرض کیا، وہ تو میرے پاس موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”فاعطها اياها“

ترجمہ: بس وہی لے آؤ۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں، ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ پہلی روایت میں نفی سے مراد نقد درہم و دینار ہیں، اور دوسری روایت میں دو چیزوں کی موجودگی کا اقرار ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گھوڑا تو جہاد کے لیے ضروری ہے، البتہ زرہ فروخت کر دو۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے وہ زرہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ۴۸۰ درہم میں خرید لی، اور پھر زرہ ہدیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واپس دے دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ رقم اور زرہ لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا، دو تہائی خوشبو وغیرہ پر صرف کرو اور ایک تہائی سامان شادی اور دیگر اشیائے خانہ داری پر خرچ کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ ابوبکر، عثمان، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم اور دیگر مہاجرین و انصار کو بلا لاؤ۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ پر وحی آنے کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ جب وہ کیفیت دور ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”قد امرنی ربی بذلك“

ترجمہ: مجھے اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے:

”ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمة من علی“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد علی رضی اللہ عنہ سے کر

دوں۔

ابن عساکر کی روایت میں ہے، حضرت انس بیان کرتے ہیں، جب وحی کی کیفیت جاتی رہی تو آپ ﷺ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا:

”فَإِنْ رَأَىٰ أَمْرِي أَنْ أَزُوجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ“

ترجمہ: مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے کر دوں۔

جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ نکاح پڑھا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَحْمُودِ بِعَمَلِهِ. الْمَعْبُودُ بِقُدْرَتِهِ. الْمَطَاعُ الْمَرْهُوبُ

مِنْ عَذَابِهِ وَسَطْوَتِهِ. الْإِنْفَادُ أَمْرُهُ فِي سَمَائِهِ وَأَرْضِهِ. الَّذِي خَلَقَ

الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهِ، وَمَيَّزَهُمْ بِأَحْكَامِهِ. وَأَعَدَّ لَهُمْ بِدِينِهِ وَأَكْرَمَهُمْ بِنَبِيِّهِ

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ تَعَالَى

وَتَعَالَتْ عَظَمَتُهُ جَعَلَ الْمَصَاهِرَةَ سَبَبًا لِأَحِقِّهَا. أَمْرًا مُفْتَرَضًا. وَبَيَّحَ

بِهِ الْأَرْحَامَ وَالزَّوْجَ بِهِ الْأَنَامَ فَقَالَ عَزَّ مِنْ قَاتِلٍ. وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ

الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا.

فَأَمَرَ اللَّهُ بِجَعْلِهِ إِلَى قَضَائِهِ نَجْعِي إِلَى قُدْرِهِ. وَلِكُلِّ قَضَاءٍ قُدْرٌ.

وَلِكُلِّ قُدْرٍ أَجَلٌ. وَلِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ.

ترجمہ: اللہ کا شکر ہے جو اپنی نعمتوں کی ہر تعریف و تحسین کا سزاوار ہے اور اپنی قدرت کی وجہ

سے عبادت کے لائق ہے۔ اس کا اطاعت گزار اس کے عذاب سے لرزاں و ترساں ہے۔ اس کا

حکم زمین و آسمان میں نافذ ہے۔ اس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے بنایا۔ اپنے احکام کے ذریعہ

انہیں الگ الگ کیا۔ انہیں اپنے دین کے ذریعہ عزت بخشی اور اپنے نبی کے ذریعے سے عظمت و

سر بلندی سے بہرہ ور کیا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے شادی بیاہ کو لازم امر قرار دیا، اور اس کے

ذریعے رشتے چلائے اور اسے لوگوں کے لیے ضروری قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وہی ذات پاک ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا، اور بعض کو بعض کا بیٹا، بیٹی اور داماد بنایا، اور تیرا رب

ہر چیز پر قادر ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ہر کام کو قضا و قدر کے تحت کر دیا ہے، اور قضا و قدر کا ایک وقت مقرر

ہے، اور ہر چیز اپنے وقت پر ہی پوری ہوتی ہے، اور ہر اجل کے لیے کتاب ہے، اور اسی کے

پاس ام الكتاب ہے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد آپ ﷺ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَمَرَنِي أَنْ أَزُوجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ،

فَاشْهَدُوا لِي قَدْ زَوَّجْتُهُ عَلَى أَرْبَعِمِائَةِ مِثْقَالِ فِضَّةٍ.“

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی بن

ابوطالب رضی اللہ عنہ سے چار سو مِثْقَال چاندی کے مہر پر کر دوں، تم لوگ اس پر گواہ رہنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”أَرْضِيَتْ بِذَلِكَ؟“

ترجمہ: کیا تجھے منظور ہے؟

حضرت علی نے کہا، ”ہرچشم!“

”فَقَدْ رَضِيَتْ بِذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.“

پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیں الفاظ دعا کی:

”جَمَعَ اللَّهُ شَمْلَكُمْ. وَأَعَدَّ جَدَّكُمْ. وَبَارَكَ عَلَيْكُمْ. وَأَخْرَجَ

مِنْكُمْ كَثِيرًا.“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم دونوں کی پراگندگی کو جمع کرے، تمہاری کوشش میں برکت عطا فرمائے

اور تم سے نیک و پاک اولاد پیدا کرے۔

ایجاب و قبول کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا۔

پھر ایک طباق میں کھجوریں لائی گئیں جو حاضرین مجلس میں لٹا دی گئیں۔ (۸۵)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی واقعہ نکاح کی تفصیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سیدہ عالم شہزادی فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

کے رشتہ کا عندیہ دیا گیا تو میری خادمہ نے مجھے کہا، آپ کو معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

کے رشتے کی بات ہو رہی ہے۔ میں نے کہا، نہیں۔ اس نے کہا، اس رشتے کا عندیہ دیا جا چکا ہے۔ آپ کو کیا چیز مانع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں جاتے، تاکہ وہ آپ کا نکاح اپنی صاحبزادی سے کر دیں۔

میں نے اپنی ناداری کا عذر کیا کہ میرے پاس کیا ہے جس پر میں نکاح کروں۔ خادمہ کہنے لگی، آپ ﷺ کی خدمت میں جائیں تو سہی، وہ آپ کا نکاح کر دیں گے۔ وہ مجھے بار بار امید دلاتی رہی، حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو میری آواز بند ہو گئی اور خدا کی قسم! مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں آپ ﷺ کی جلالت اور ہیبت کے آگے کچھ عرض کر سکوں۔

پھر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیوں آئے؟ کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ میں پھر بھی خاموش رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمایا، شاید فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام دینے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، مہر کی ادائیگی کے لیے کچھ ہے تمہارے پاس؟ میں نے کہا، جی نہیں، خدا کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا، وہ ذرہ کیا ہوئی جو میں نے تمہیں دی تھی؟ میں نے عرض کیا، وہ تو ہے، لیکن وہ جنگ میں حفاظت کے لیے ہے اور وہ بھی محض چار درہم کی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارا نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کیے دیتا ہوں۔ تم وہ زرہ مہر کے طور پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دو، یہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر ہوگا۔ (۸۶)

ایک روایت میں ہے کہ انصار اور مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام بھیجنے کی ترغیب دی، جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حرف مدعا زبان پر لائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”اہلاً و مرحباً“، اور پھر خاموش ہو گئے۔ باہر صحابہ کی جماعت منتظر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنایا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مبارک باد پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا پیغام منظور فرمایا۔ (۸۷)

نکاح سیدہ کے گواہ

خاتونِ جنت، سیدہ عالم فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نکاح کی تفصیلات مذہبِ حق اہل سنت والجماعت کی کتب سے پیش کرنے کے بعد شیعہ کی تائید بھی پیش کی جاتی ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق، امیر المومنین سیدنا عمر فاروق سمیت دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قریبی تعلق تھا۔ وہ سب اس پاکباز اور فرشتہ صفت معاشرے کے افراد تھے جن کا آپس میں پیار اور بھائی چارہ قائم تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم اجمعین نے باہم مشورہ سے طے کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا جائے کہ وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا اعزاز حاصل کر لیں۔ اگر انہیں کچھ مالی تعاون درکار ہو تو اُس کی پیشکش بھی کر دی جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، یہ تینوں حضرات مشورے کر کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ مسجد میں انہیں نہ پایا تو گھر سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے اونٹ کے ذریعے پانی نکال کر ایک انصاری کا باغ میراب کرنے گئے ہیں۔ یہ حضرات باغ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو آتے دیکھا تو پوچھا، کیسے تشریف آوری ہوئی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

خیر و خوبی کی کوئی ایسی خصلت نہیں جس میں آپ کو سبقت اور فضیلت نہ ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ میں، صحبت میں اور قبولِ اسلام میں جو آپ کا مقام ہے وہ بھی کسی پر مخفی نہیں۔ سردارانِ قریش نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کا رشتہ طلب کیا ہے، لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ آپ اس سعادت کے حصول کے لیے کیوں عرض نہیں کرتے؟ مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول اس رشتہ کو آپ کے لیے روکے ہوئے ہیں۔

یہ سن کر شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ آئے۔ فرمایا، اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ نے میرے پُر سکون جذبات میں ہیجان پیدا کر دیا اور ایک خوابیدہ تمنا کو بیدار کر دیا۔ میں یہ دل سے اس سعادت کے حصول کا متمنی ہوں، لیکن مفلسی اور جنگِ دنی کے باعث اس خواہش کے اظہار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے ابوالحسن! ایسی کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک دنیا و مافیہا کی قدر و منزلت تو ایک ذرہ برابر بھی نہیں ہے۔

چنانچہ ان حضرات کے مشورہ اور حوصلہ افزائی سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ ان کی عرضداشت شرف قبولیت سے مشرف ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں، میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں جلدی سے باہر آیا تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جمعین کو اپنا منتظر پایا۔ انہوں نے پوچھا، کیا خبر ہے؟ میں نے انہیں خوشخبری سنائی تو ان کو بے اندازہ فرحت اور مسرت حاصل ہوئی، اور ہم اگلے مسجد میں آ گئے۔ (۸۸)

ملایا قر مجلی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رقم سے دو مٹی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیں، بازار سے کپڑا وغیرہ، جو اثاثہ البیت درکار ہے، لے آئے۔ پھر عمار بن یاسر صحابہ کی ایک جماعت لے کر ابوبکر کے بعد بازار گئے۔ ان میں سے جو شخص جو چیز خریدتا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے لیتا تھا۔ (۸۹)

نکاح کی تاریخ

تاریخ نکاح کے متعلق مورخین نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۰ھ) لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ بدر سے واپس مدینہ منورہ آنے کے پانچ ماہ بعد رجب میں شہزادی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ اُس وقت سیدہ کی عمر ۱۸ سال تھی۔ (۹۰)

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ غزوہ احد کے بعد ہوا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد کرنے کے چار ماہ پندرہ دن بعد ہوا اور ان کی رخصتی سیدہ عائشہ کی رخصتی کے نو ماہ پندرہ دن بعد ہوئی۔

نکاح کے وقت سیدہ کی عمر پندرہ سال، پانچ ماہ اور پندرہ دن تھی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت ۲۱ سال، ۵ ماہ کے تھے۔ (۹۱)

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے چار ماہ پندرہ دن بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا اور نکاح کے سات ماہ، پندرہ دن بعد رخصتی ہوئی، اور نکاح کے وقت سیدہ کی عمر مبارک پندرہ سال اور پانچ ماہ تھی۔ (۹۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً پانچ سال بڑی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اوائل محرم ۲ھ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے چار ماہ کے بعد ہوا۔ (۹۳)

نکاح کے وقت سیدہ کی عمر پندرہ سال، پانچ ماہ اور پندرہ دن تھی۔

علامہ ذرقانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۲۲ھ) رقم طراز ہیں:

شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۲ھ میں ہوا۔ اوائل محرم، یا صفر، یا رجب، یا رمضان کا مہینہ تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ غزوہ احد کے بعد ۳ھ میں ہوا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد شوال ۲ھ میں ہوا، یا ہجرت کے سات ماہ بعد ہوا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نکاح کے سات ماہ، پندرہ دن بعد ہوئی، اور یہ شوال ۳ھ تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ماہ صفر ۲ھ میں نکاح ہوا اور رخصتی ہجرت کے ۲۲ ماہ بعد ذی الحجہ میں ہوئی۔

آخر میں علامہ ذرقانی فرماتے ہیں:

ہی اقوال متباہیۃ لا یتأتی الجمع بینہا۔ (۹۴)

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک نکاح کے وقت پندرہ سال، پانچ ماہ یا پندرہ سال، چھ ماہ، پندرہ دن تھی، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۱ سال، پانچ ماہ تھی۔

لیکن ابن اسحاق کے قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر نکاح کے وقت ۲۳ سال، ایک ماہ، پندرہ دن تھی، اور سبکی قول راجح ہے۔ (۹۵)

مہر فاطمہ رضی اللہ عنہا

شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا حق مہر بھی باقی تینوں شہزادیوں: سیدہ رقیہ، سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے برابر ہی تھا۔ جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما علمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکح شیئا من نساہ ولا نکح شیئا من بنتاہ علی اکثر من ثنتی عشرة اوقیة۔ (۹۶)

ترجمہ: میری معلومات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اپنی بیویوں اور نہ ہی اپنی بیٹیوں میں سے کسی ایک کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر کیا۔

ایک روایت میں ہے:

فزوجھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربع مائة وثمانین درهما۔ (۹۷)

ترجمہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۲۸۰ درہم مہر میں فرمایا۔

خاتونِ جنت کا جہیز

شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی، خاتونِ جنت، سیدہ عالم فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جو سامان دیا گیا وہ مختصر اور حسب ضرورت تھا۔ وہ آج کل کے رواج پرست مسلمانوں کے لیے ایک درسِ عبرت اور قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ اس میں نہ تو آرام دہ مآذرن قسم کا بیڈ تھا، نہ بھانٹ بھانٹ کے برتنوں کی چھینکار۔

پہلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے اور ان کا کوئی علیحدہ گھر نہ تھا، اس لیے آپ ﷺ نے ان کا گھر سامنے کے لیے کچھ ضروری سامان اس موقع پر عنایت فرمایا تھا۔ جس میں ایک چادر، ایک مشکیزہ، چمڑے کا ایک گدا، جس میں اذخر کی گھاس بھری ہوئی تھی۔ یہ سامان مرقبہ جہیز کی قسم سے نہ تھا، اس لیے جہیز کا ثبوت نہ ازواجِ مطہرات کے کسی نکاح میں ہے، نہ دیگر بناتِ طاہرات کے نکاح کے موقع پر آپ ﷺ نے کچھ دیا ہے، اور نہ ہی اہل عرب میں اس کا رواج تھا۔ (۹۸)

عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما

زوجہ فاطمة بعث معها بخميلة ووسادة من ادم خشوها ليف ورحین وسقاء وجوتین۔ (۹۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہیں جہیز میں ایک بڑی چادر، ایک چمڑے کا تکیہ، جو کھجور کی چھال یا اذخر (خوشبودار گھاس) سے بھرا ہوا تھا، ایک چٹلی اور ایک مشکیزہ اور دو گھڑے دیے تھے۔

ایک روایت میں ہے:

جهز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة خشوها اذخر۔ (۱۰۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ، جس میں اذخر کی گھاس بھری ہوئی تھی، جہیز میں عنایت فرمائے۔

حضرت کرمہ سے روایت ہے:

سریر مشروط، ووسادة من ادم خشوها ليف، وتور من ادم وقربة۔ (۱۰۱)

اور دین ورحائین وسقاء وجوتین۔ (۱۰۲)

ترجمہ: ایک پلنگ، ایک گدا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک چمڑے کا بڑا پیالہ اور مشکیزہ، دو چادریں، دو چٹلیاں اور دو گھڑے۔

حضرت عطاء کی روایت ہے:

بعث معها بخميلة ووسادة آدم خشوها ليف، ورحائین، وسقائین۔ (۱۰۳)

ترجمہ: ایک چادر، ایک گدا، جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، دو چٹلیاں اور دو گھڑے۔

دعوتِ ولیمہ

خاتونِ جنت، سیدہ عالم، شہزادی فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے بعد سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیرِ خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام فرمایا۔

کرنے لگا ہوں، تم اسے تیار کر دو۔ چنانچہ عورتوں نے سیدہ عالم، خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو خوشبو میں بسایا۔ اپنی خوشبو میں سے، یعنی جس طرح کی عمدہ خوشبو عورتوں کے پاس تھی، وہ خوب لگائی، اور سیدہ کو اپنے پاس سے کپڑے زیب تن کیے اور اپنے زیورات میں سے سیدہ کو زیور بھی پہنایا۔ جب دلہن کو تیار کر دیا تو سب عورتیں چلی گئیں، لیکن اسماء بنت عمیس رک گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے رکنے کا سبب دریافت فرمایا۔ انہوں نے کہا، میں آپ کی صاحبزادی کی خبر گیری کروں گی، جب جوان لڑکی شوہر کے پاس بھیجنے کی رات ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ کوئی عورت اس کے قریب ہو۔ اگر اسے کوئی حاجت درپیش ہو یا کسی کام کا ارادہ کرے تو اُس کا تعاون کر سکے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے حق میں دعا دی۔

اے اللہ! تو اس کی حفاظت فرما، اس کے آگے سے، پیچھے سے، اس کے دائیں سے اور بائیں سے شیطان مردود کے شر سے۔ (۱۰۸)

عرب میں یہ عام دستور تھا کہ دلہن کو مستعار زیور اور پوشاک سے تیار کر لیا جاتا تھا، بلکہ بسا اوقات سفر پر جاتے ہوئے بھی خواتین کسی سے زیور مانگ کر زیب گلو کر لیتی تھیں۔ اور عام استعمال میں آنے والا سادہ لباس، جسے آج کے معاشرہ میں کوئی وقعت نہیں دی جاتی، وہی دلہن کی زیبائش کا موجب ہوتا تھا۔

ابن ابی بن کہتے ہیں، میں سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ قطر کی قمیص (یعنی کا ایک دبیز کھردرا کپڑا) پہنے ہوئے تھیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا، میری اس باندی کو دیکھنا، اسے گھر میں رہتے ہوئے یعنی یہ کپڑا پہننے سے انکار ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میرے پاس اسی کپڑے کی ایک قمیص تھی۔ جب کوئی لڑکی دلہن بنائی جاتی تو میرے یہاں آدمی بھیج کر وہ قمیص منگا لیتی تھیں۔ (۱۰۹)

نیا گھر

خاتون جنت سیدہ عالم حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے سسرال منتقل ہو جانے کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا، تمہارا گھر قدرے دُور ہے، مجھے آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ میں تمہیں اپنے گھر کے قریب منتقل کرنا چاہتا ہوں۔

كانت وليمته آصعامن شعير وتمر وخيس والحيس، التمر والاقط. (۱۰۳)

و كيش من عند سعد، واصع ذرة من عند جماعة من الانصار. (۱۰۵)

ترجمہ: جو کا آنا، کھجور، بنیر، گھی وغیرہ سب کو ملا کر ملیدہ یعنی حلوا بنالیا گیا۔ حضرت سعد نے ایک ذریعہ نکال کر لیا اور انصار نے بھی جو کچھ دستیاب تھا، لا کر پیش کر دیا۔ حضرت فاطمہ بن عمیس کہتی ہیں:

ولقد اولم علي علي فاطمة، فما كانت وليمة في ذلك الزمان الفضل من وليمته. (۱۰۶)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدہ عالم رضی اللہ عنہا کی دعوت و لیمہ جیسی بہترین اور عمدہ دعوت و لیمہ ہم نے اپنے زمانے میں کسی اور کی نہیں دیکھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں پسند کرتا ہوں کہ میری امت کے لیے نکاح کے وقت کھانا سنت ہو۔ اے بلال! تم ایک بکری اور چار منہ غلہ لے کر کھانا تیار کرو۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک بڑے پیالے میں ڈال کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس پیالے پر دست مبارک رکھا اور بلال سے کہا، مہاجرین اور انصار کو کھانے کے لیے بلاؤ۔ فرمایا، جب ایک جماعت کھانا کھالے تو دوسری جماعت گھر میں داخل ہو۔ چنانچہ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا گیا، یہاں تک کہ سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے۔

جو کھانا بچ گیا تھا، اُس میں آپ ﷺ نے لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا، یہ کھانا اپنی ماؤں (امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن) کے پاس لے جاؤ اور اُن سے کہو، وہ خود بھی کھائیں اور جو عورتیں اُن کے پاس آئی ہوئی ہیں، انہیں بھی کھلائیں۔ (۱۰۷)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن عورتوں کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا، میں نے اپنی صاحبزادی اپنے چچا کے بیٹے کے نکاح میں دے دی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ اس کا جو رتبہ میرے نزدیک ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں اپنی نسبت جگر کی رخصتی

سیدہ عالم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، آپ ﷺ کے قرب و جوار میں حارثہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کے کئی مکانات ہیں، آپ ﷺ ان سے فرمائیے، وہ کوئی نہ کوئی مکان خالی کر دیں گے۔

حضرت حارثہ بن نعمان ایک متمول انصاری تھے اور کئی مکانات کے مالک تھے۔ جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، وہ اپنے کئی مکانات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر چکے تھے۔ جب سیدہ عالم رضی اللہ عنہا نے حارثہ رضی اللہ عنہ کے مکان کے لیے آپ ﷺ سے التماس کی تو حضور ﷺ نے فرمایا، جان پدرا! حارثہ سے اب کوئی مکان مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، وہ پہلے ہی کئی مکان دے چکے ہیں۔

سیدہ کا زہد و تقویٰ

خاتونِ جنت، سیدہ عالم سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا مخلص عبادت گزار، زہد و تقویٰ کی پیکر، دنیا اور اس کی آسائشوں اور آرائشوں سے بے پرواہ اور بے نیاز تھیں۔ سیدہ کی زندگی میں ایسے روشن واقعات و کردار کتنے ہی ہیں جو برکت اور نور کا فیضان ہیں، اور ان کے زہد و قناعت، ورع و تقویٰ اور وحییت الہی کے حامل اور رضائے الہی کے حصول کا موجب ہیں۔

علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عالم رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو اس وقت سیدہ کے گلے میں ایک سونے کا ہار تھا۔ شفیق و رحیم والد ماجد نے فرمایا، فاطمہ! کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ لوگ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے گلے میں آگ کا ہار ہے؟ یہ فرما کر آپ ﷺ تو چلے گئے، لیکن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہار بیچ کر اس کے بدلے ایک غلام خرید لیا اور اُسے آزاد کر دیا۔ جب یہ خوش کن خبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو فرمایا:

”اللہ کا شکر ہے! جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آگ سے نجات عطا فرمائی۔“ (۱۱۰)

زہد و ورع اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا یہ بے مثال کردار ہے۔ سیدہ الزہراء اور سیدہ الوریضیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ تربیت کا اثر صاحبزادی میں نمایاں تھا۔

خاتونِ جنت زہد و قناعت، ورع و تقویٰ اور روحانی فضل و کمال کے اُس مرتبہ پر فائز ہوئیں، جہاں ان کے دور کی کوئی عورت نہ پہنچ سکی۔ اور انہوں نے سچائی کے پاکیزہ، مبارک اور

مقدس مقام کو حاصل کر لیا جو اپنے عظیم والد کی میراث سے ملا تھا۔

ام المومنین عائشہ کی گواہی

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بھی سیدہ عالم رضی اللہ عنہا کے صدق و راستی کی گواہی دیتی ہیں:

ما رأیت احد کان اصدق لهجة من فاطمة، الا ان یکون الذی ولدھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۱۱۱)

ترجمہ: میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو صاف گو اور راست باز نہیں دیکھا، البتہ اُن کے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا، ما رأیت احداً قط اصدق من فاطمة غیر ابیہا۔ (۱۱۲)

ترجمہ: میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کبھی کوئی صاف گو نہیں دیکھا، سوا اُن کے والد گرامی قدر کے۔

دراغ بے پردی

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں، اور اب تو صرف وہی باقی رہ گئی تھیں۔ غزوہ حنین کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورت نازل ہوئی:

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ

تو یہ سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر رقت طاری ہو گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نختِ جگر کا رونا گوارا نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انت اول اهل بیتی لحوقابی۔

اس پر سیدہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ (۱۱۳)

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بوجھل ہو گئی اور آپ ﷺ پر غشی طاری ہونے لگی تو سیدہ رضی اللہ عنہا یہ کیفیت دیکھ کر کہنے لگیں:

وَ اَکْرَبُ اَبَاہ۔

ترجمہ: ہائے میرے باپ کی بے چینی!

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا، ”آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔“ (۱۱۳)

جب آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا اور آپ ﷺ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے تو سیدہ پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ وہ بہت غمگین تھیں۔ آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ غم والد میں کہہ رہی تھیں، میرے ابا جان! جبرئیلؑ نے آپ کو اجل کا پیغام دیا، آپ کو رب نے بلا لیا، وہ چلے گئے۔ ہائے میرے والد کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔ (۱۱۵)

سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا پر والد گرامی قدر کے فراق کا ایسا گہرا اثر ہوا، جب تک زندہ رہیں کبھی ہنسم نہیں فرمایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے صحابہ کرام فارغ ہو گئے تو سیدۃ عالم رضی اللہ عنہا نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا:

”تمہارے دلوں نے کیسے برداشت کر لیا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال رہے ہو۔“ (۱۱۶)

مرض الوفا

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خاتونِ جنت، سیدۃ عالم، جگر گوشہ رسول سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا نہایت مغموم رہتی تھیں، اور اس پیشین گوئی کا بے قراری سے انتظار ہونے لگا جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رازدارانہ طور پر فرمائی تھی، ”میرے وصال کے بعد اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملو گی۔“ یہ ایامِ صبر و سکون کے ساتھ پورے کیے۔

سیدہ کی اولاد بیٹے اور بیٹیاں کم عمر تھیں۔ آپ کی تیمارداری کی خدمت انجام دینے سے قاصر تھے۔ قدرت نے یہ خدمت سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کو عطا فرمائی تھی۔ یہ خوش بخت خاتون سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں، ان سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ غزوہ موتہ میں ان کی شہادت کے بعد سیدہ اسماء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

جب خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو ان کی تیمارداری میں سیدہ اسماء بنت عمیس زوجہ مکرمہ خلیفہ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھرپور حصہ لیا۔ اور اس حقیقت کا شیعہ علماء کو بھی

اعتراف ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ مکرمہ سیدہ اسماء بنت عمیس خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے آخری ایام میں تیمارداری کی خدمات سرانجام دیتی رہی ہیں۔ چونکہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے مزاج میں انتہا کی حیا و شرم تھی، اس لیے انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے، جس کو میں ناپسند کرتی ہوں۔ میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردے کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ سوائے اپنے اور میرے شوہر کے اور کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا، اور رات میں جنازہ لے کر جانا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا، یا بنت رسول اللہ! میں نے ملکِ حبش میں دیکھا ہے کہ جنازہ پر درخت کی شاخیں باندھ کر اوپر کپڑا ڈال دیتے ہیں، جس سے ڈولی کی صورت بنا لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کھجور کی چند شاخیں منگوا کیں، انہیں جوڑ کر ان پر کپڑا تان کر سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کو دکھایا۔ سیدہ بیحد مسرور ہوئیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے۔ مَا أَحْسَنَ هَذَا وَأَجْمَلُهُ۔

سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ام المؤمنین سیدہ زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کا جنازہ بھی اسی طرح اٹھایا گیا۔ (۱۱۷)

نماز جنازہ

خاتونِ جنت، جگر گوشہ رسول سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کے غسل اور تجہیز و تکفین کے بعد نمازِ جنازہ پڑھانے کا مرحلہ پیش آیا۔ نمازِ جنازہ کی امامت کے فرائض کس شخصیت نے انجام دیے؟ حدیث، تاریخ، اہل سنت والجماعت اور کتب شیعہ میں تین نام ملتے ہیں: سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا عباس بن عبد المطلب اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہم (۱۱۸)

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت فاطمہ دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لائے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، آپ جنازہ پڑھائیں۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، آپ خلیفہ الرسول ہیں، آپ سے پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ پس امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقدم ہو کر نمازِ جنازہ پڑھائی۔

عن جعفر ابن محمد عن ابیہ قال ماتت فاطمة بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء ابو بکر و عمر یصلوا. فقال ابو بکر لعلی ابن ابی طالب تقدم. فقال ما کنت لاتقدم وانت خلیفة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. فتقدم ابو بکر و صلی علیہا. (۱۱۹)

علامہ محبت الطبری روایت نقل کرتے ہیں:

عن مالک عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ علی بن حسین قال ماتت فاطمة بین المغرب والعشاء، فحضرها ابو بکر و عمر و عثمان و الزبیر و عبد الرحمن بن عوف فلما وضعت لیصلی علیہا، قال علی تقدم یا ابو بکر. قال وانت شاهد یا ابا الحسن. قال نعم، تقدم، فواللہ! لا یصلی علیہا غیرک. فیصلی علیہا ابو بکر رضی اللہ عنہم اجمعین. ودفنت لیلاً، خرج البصری، وخرجه ابن السمان فی لمرافقة. (۱۲۰)

ترجمہ: حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد محمد باقر سے اور وہ اپنے والد حضرت زین العابدین سے روایت کرتے ہیں کہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی وفات مغرب اور عشاء کے درمیان ہوئی۔ چنانچہ ابو بکر، عمر، عثمان، زبیر اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم نمازِ جنازہ کے لیے تشریف لائے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے امیر المومنین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا، تشریف لائیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا، اے ابوالحسن! آپ کی موجودگی میں میں کیسے جنازہ پڑھاؤں؟ انہوں نے کہا، آپ تشریف لائیں، خدا کی قسم! آپ کے بغیر کوئی دوسرا شخص سیدہ کا جنازہ نہیں پڑھائے گا۔ پس ابو بکر نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور وہ رات کو ہی دفن کر دی گئیں۔

تدفین

اس بات پر سب ہی کا اتفاق ہے کہ خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی تدفین رات کے وقت عمل میں آئی۔ جنازہ بڑی خاموشی سے اٹھایا گیا۔ بنو ہاشم کے علاوہ بہت تھوڑی تعداد میں صحابہ شریک ہو سکے۔ سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا عباس اور سیدنا فضل بن عباس رضی

اللہ عنہم نے اس مقدس امانت کو قبر کے سپرد کیا۔

خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی آخری آرام گاہ کہاں بنی؟ اس میں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں:

۱۔ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا دفن دار عقیل کے ایک گوشے میں ہے۔

۲۔ آپ کی تربت جنت البقیع میں ہے۔

۳۔ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا اپنے گھر ہی میں مدفون ہیں، جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مقدسہ کے متصل ہے۔

پہلے قول کے مطابق امام ابن سعد روایت نقل کرتے ہیں:

محمد بن عمر کہتے ہیں، میں نے عبد الرحمن بن ابی سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک جنت البقیع میں واقع مسجد، جس کے پاس نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، اُس کے قریب واقع ہے۔ انہوں نے کہا، واللہ! وہ مسجد ایک خاتونِ رقیہ نامی نے تعمیر کرائی تھی اور سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا دار عقیل کے ایک کونے میں مدفون ہیں۔ ان کی قبر اور راستہ کے درمیان سات ذراع کا فاصلہ ہے۔ (۱۲۱)

ابن زبالہ نے لکھا ہے کہ موزخ مسعودی نے ۳۳۲ھ میں جنت البقیع میں ایک قبر پر کتبہ دیکھا، جس پر تحریر تھا:

هذا القبر فاطمة الزهراء. (۱۲۲)

علامہ ابن کثیر اور علامہ عسقلانی نے بھی جنت البقیع کی روایت بیان کی ہے۔ (۱۲۳)

علامہ نور الدین علی بن احمد اسہودی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) نے بڑی تفصیل سے اس پر کلام کیا ہے۔ ابن شیبہ سے متعدد روایات نقل کی ہیں کہ سیدہ خاتونِ جنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر جنت البقیع میں ہے۔ پھر ابن شیبہ ہی سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ ان کی قبر اُن کے گھر ہی میں بنائی گئی تھی، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر اٹھا کر اُسی جگہ قبر مبارک بنائی گئی تھی۔ سیدہ کی قبر بھی اُن کے بستر والی جگہ ہی بنائی گئی تھی۔ بعد میں یہ جگہ عمر بن عبد العزیز نے مسجد میں شامل کر لی تھی۔ (۱۲۴)

خاتونِ جنت کو سیدنا عباس، سیدنا علی اور سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہم نے قبر

خاتونِ جنت، سیدۃ النساء، جگر گوشہ رسول سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی حیات تک سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ یہ محض سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے احترام و اکرام کی بنا پر تھا۔ اور یہ احترام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے دونوں داماد سیدنا ابوالعاص اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم نے بھی ملحوظ رکھا تھا۔ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پانچ اولادیں ہوئی ہیں: سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا محسن، سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۱۲۶)

نبی ﷺ کے شہزادے

اللہ جل جلالہ نے اپنے حبیبِ لبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تین شہزادے اور چار شہزادیاں مرحمت فرمائی تھیں۔ ایک بیٹے، حضرت ابراہیم کے علاوہ ساری اولاد ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پیدا ہوئی، جبکہ حضرت ابراہیم کی والدہ مکرمہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ بعثت نبویؐ سے پہلے مکہ میں پیدا ہوئے، اور یہی سب سے بڑے تھے۔ ان ہی کی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ”ابوالقاسم“ تھی۔ یہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے اور شیر خوارگی کے زمانہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ (۱۲۷)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

پھر اللہ جل مجدہ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر احسان فرمایا اور انہیں دوسرا بیٹا عطا فرمایا، جس کا نام ”عبداللہ“ اور لقب طاہر اور طیب تھے۔ ان کی ولادت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ میں ہوئی۔ پھر اللہ جل شانہ کی مشیت کا ظہور ہوا، عبداللہ کا انتقال طفولیت کے زمانہ میں ہو گیا۔ پہلے حضرت قاسم فوت ہوئے اور بعد میں حضرت عبداللہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس پر عاص بن وائل السہمی نے آپ ﷺ کی شان میں کہا تھا، ”بے اولاد اور بے نام و نشان رہنے والا شخص ہے۔“

اس موقع پر اللہ جل شانہ نے سورۃ الکوتر نازل فرما کر اس کا دندان شکن جواب دیا:
 اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ
 الْاَبْتَرُ. (سورۃ الکوتر)

ترجمہ: ہم نے آپ کو کثر عطا کیا، لہذا آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی
 کریں۔ بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔
 علامہ زحری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
 آپ کا دشمن بے نام و نشان رہے گا نہ کہ آپ۔ اس لیے کہ قیامت تک پیدا ہونے والا ہر
 مومن آپ کی اولاد میں سے ہے۔ اور آپ کا ذکر خیر منبروں پر اور ہر عالم اور ہر ذکر کرنے والے کی
 زبان پر ہمیشہ جاری رہے گا۔

اللہ کے ذکر سے ابتدا کی جائے گی اور پھر آپ کا ذکر کیا جائے گا۔ لہذا آپ جیسے شخص کو
 بے نام و نشان رہنے والا نہیں کہا جاسکتا۔ بے نام و نشان رہنے والا درحقیقت آپ کا دشمن ہے، جسے
 دنیا و آخرت میں کوئی یاد کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور جب بھی اس کا تذکرہ ہوگا تو لعنت کے ساتھ
 ہوگا۔ (۱۲۸)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عبد اللہ کی مدت رضاعت پوری کرنے کے
 لیے جنت میں مریض یعنی انا کا انتظام ہو چکا ہے۔ (۱۲۹)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے فرزند ارجمند کا نام ”ابراہیم“ تھا۔ یہ ذی الحجہ
 ۸ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی والدہ سیدہ ماریہ مصریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ ﷺ نے
 ساتویں دن بیٹے کے حقیقہ میں ایک بکری ذبح کی۔ اس کے سر کے بال منڈوا کر ان کے وزن کے
 برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بال دفن کرنے کا ارشاد فرمایا۔

انصار مدینہ بچہ کو دودھ پلانے کے انتظام میں رغبت کر رہے تھے اور ہر شخص چاہتا تھا کہ
 حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو لے جائے اور ان کی رضاعت کا بندوبست کرے۔ اس اثناء میں
 بنو نجار سے تعلق رکھنے والے صحابی براء بن اوس کی اہلیہ ام بردہ خولہ بنت منذر حاضر خدمت ہوئیں

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بیٹے کو دودھ پلانے کے سلسلہ میں گفتگو کی۔ پھر وہ حضرت
 ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے لگیں۔ ام بردہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے
 بیٹے کے حصے کا دودھ پلایا کرتی تھیں، اور دودھ پلا کر بچے کو اس کی ماں کے حوالے کر دیتی
 تھیں۔ (۱۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انا (مرصعہ) کو کھجور کا ایک درخت عطا کیا تھا اور انہیں
 سات بکریاں بھی عطا کی تھیں، تاکہ وہ جب بچے کی خوراک کو پورا نہ کر سکیں تو ان کے ذریعے کمی کو
 پورا کر لیں۔ ام بردہ رضی اللہ عنہا بچے کو مستقل طور پر دودھ پلانے کا انتظام نہ کر سکیں، لہذا ان کے
 بعد ام سیف رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کی ذمہ داری سنبھال
 لی۔ (۱۳۱)

حضور ﷺ کی بیٹے سے محبت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے ام سیف رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف
 لے جایا کرتے تھے۔

حضرت شبان فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے، میں
 حضور ﷺ کے پیچھے چلنے لگا، یہاں تک کہ حضور ﷺ ابوسفیف کے گھر کے پاس پہنچ کر رک گئے۔
 ابوسفیف اپنی جھونکی میں پھونک رہے تھے، جس کی وجہ سے پورے گھر میں دھواں ہو رہا تھا۔ میں
 تیزی سے چل کر حضور ﷺ سے آگے نکل گیا اور ابوسفیف کے پاس پہنچ کر ان سے کہا، اے
 ابوسفیف! ٹھہر جائیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ ابوسفیف ٹھہر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے
 اپنے بیٹے ابراہیم کو آواز دی اور اُسے سینے سے لگایا اور وہ بات فرمائی جو اللہ نے چاہی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہوتے تو اپنے بیٹے سے ملاقات کرتے، اُس کو گود
 میں اٹھاتے، اسے پیار کرتے اور اُس میں انسیت، مسرت اور دل کی محسوس کرتے۔ کبھی حضور ﷺ
 اپنے بیٹے کو اٹھاتے اور انہیں اپنی ازواج کے پاس لے جاتے، بچہ ان کے حوالے بھی کر
 دیتے۔ (۱۳۲)

ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال پر ملال

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرزند ولید کی پرورش اور نشوونما کا مشاہدہ فرما رہے

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن سیرین کو تسلی دینے کے لیے فرمایا، ”جنت میں ابراہیم کے لیے اتنا یعنی دودھ پلانے والی کا انتظام ہو چکا ہے۔“

ام بردہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو غسل دیا اور کھجور کی شاخوں کی چار پانی پر ڈال دیا۔ لوگوں نے انہیں اٹھایا اور ایک جگہ لے گئے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اور بہت سے مسلمان موجود تھے، یہاں تک کہ وہ سب جنت البقیع پہنچے۔ حضور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، چار تکبیریں کہیں۔ فضل بن عباس اور امامہ بن زیاد رضی اللہ عنہم قبر میں اترے۔ حضور ﷺ قبر کے دہانے پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا، ”ہم نے اسے اپنے ساتھی عثمان بن مظعون کے ساتھ دفن کر دیا۔“ پھر آپ ﷺ نے ایک اینٹ کا خلا دیکھا تو اسے بند کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا، ”ہم نے اسے اپنے اچھے نیک آدمی کے ساتھ دفن کر دیا۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر ہانے علامت کے طور پر ایک پتھر رکھا، اور فرمایا، ”یہ پتھر نفع نقصان نہیں دے سکتا، لیکن زندہ لوگوں کی آنکھوں کی خشک کا ذریعہ ہے، اور آدمی جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ پاک چاہتے ہیں کہ اسے اچھی طرح کرے۔“

پھر حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قبر کی مٹی کو ہموار کیا اور فرمایا، ”کوئی شخص پانی کا مشکیزہ لا سکتا ہے؟“ ایک انصاری آدمی فوراً پانی کا مشکیزہ لے آیا۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اسے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر چھڑک دو۔ (۱۳۵)

سورج گرہن

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت سورج گرہن ہو گیا۔ لوگوں نے اسے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی کرامت خیال کیا، اور کہا، ”سورج کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کی وجہ سے گرہن لگا ہے۔“ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو فرمایا، ”سورج اور چاند اللہ کی دو نشانیاں ہیں۔ ان میں کسی کی زندگی یا موت کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو فوراً نماز کے ذریعے اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاؤ۔“ (۱۳۶)

محمد حسین بیگل فرماتے ہیں:

یہ ایک بہت بڑی نشانی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت و غم کی المناک گھڑی کے اندر

تھے۔ اس سے دل لگی اور گفتگو فرماتے۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہا۔ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ڈیڑھ سال کے ہوئے اور حضور ﷺ کا ان کے ساتھ قلبی تعلق میں اضافہ ہو گیا تو مرض نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو آگھیرا۔ ان کی والدہ بے چین اور پریشان ہو گئیں۔ انہیں کچھ نہ سوچ رہا تھا کہ کیا کریں۔ اپنی بہن سیرین کو مدد کے لیے بلایا۔ وہ دونوں بچے کی دیکھ بھال اور تیمارداری کرنے لگیں۔ اس کے لیے دوائی تلاش کی، بچے کو ”نخیل العالیہ“ لے گئے، لیکن مرض شدت اختیار کرتا گیا۔ دوا اور علاج معالجہ کسی کام نہ آیا۔ اچانک انہیں بچے کا سانس اکھڑتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ تیزی سے بچے کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کی حالت کی خبر ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ عبدالرحمن بن عوف کے کندھے پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کے چہرے سے شدید غم کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ پھر بچے کی روح قفسِ غمیری سے جدا ہو گئی۔ (۱۳۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو گئی۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ ”اے ابراہیم! ہم امرا الہی کے مقابلے میں تیرے کسی کام نہیں آسکتے۔“ حضور ﷺ نے بچے کی ماں اور خادمہ کو چیختے ہوئے سنا تو انہیں منع کیا اور اتنی بات فرمائی، ”اے ابراہیم! اگر موت امر حق اور سچا وعدہ نہ ہوتی اور یہ کہ ہمارے اگلوں کو بچپلوں کے ساتھ ملنا ہے تو ہم تجھ پر اس سے بھی زیادہ غم کرتے۔“

پھر آپ ﷺ نے فرمایا، ”آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمگین ہے، لیکن ہم زبان سے وہی بات نکالیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اور اے ابراہیم! ہم تیرے فراق پر بڑے دکھی ہیں۔“

جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین دیکھا تو مسلمان بھی حضور ﷺ کے غم میں غمگین ہو کر رونے لگے۔ اور بعض مسلمانوں نے حضور ﷺ کی تکلیف و پریشانی کو کم کرنے کی کوشش بھی کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ احکام یاد دلانے جو آپ ﷺ نے فرمائے تھے۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ”میں نے تمہیں غمگین ہونے سے تو منع نہیں کیا، بلکہ میں نے تو بلند آواز کے ساتھ رونے سے منع کیا ہے۔ اور جو حالت تم میری دیکھ رہے ہو، یہ تو دل کی محبت اور رحمت کا اثر ہے۔ اور جو شخص رحمت کو ظاہر نہیں کرتا، کوئی دوسرا بھی اس کے لیے رحمت کو ظاہر

بھی اپنے منصب رسالت سے غافل نہیں ہوئے! اس حدیث کو پڑھ کر مستشرقین (غیر مسلم علمائے اسلام) نے بھی حضور ﷺ کی عظمت و جلالت کا اعتراف کیا اور وہ اپنی حیرانگی، حضور ﷺ کی عظمت اور اس بات کی معرفت کے اعلان کو نہیں چھپا سکے کہ وہ شخص یقیناً سچا ہے جو ایسے حالات میں بھی سچائی اور حق سے دستبردار ہونے پر راضی نہیں۔

محمود فکلی نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن ۲۹ شوال ۱۰ ہجری بمطابق ۲۷ جنوری ۶۱۲ عیسوی بروز جمعہ بتایا ہے۔ اس دن مدینہ میں مکمل طور پر سورج گرہن ہوا تھا۔

شاہ کونین ﷺ کے نواسے، نواسیاں

www.jmmpak.org

اہل بیت رسول ﷺ میں جس طرح آپ ﷺ کی بیویاں اور بیٹیاں شامل ہونا دلائل قاطعہ اور برائین ساطعہ سے ثابت ہو چکا ہے، یہ بھی ظہری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کی اولاد کو، یعنی آپ ﷺ کے نواسوں اور نواسیوں کو اہل بیت سے خارج کر دیا گیا ہے۔ سوائے خاتونِ جنت سیدۃ النساء سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد کے، اس میں بھی دخل سے کام لیا گیا ہے۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور نواسیاں اپنے باپ کی نسبت سے آلِ ابی العاص، آلِ عثمان اور آلِ علی ہیں، لیکن مجازاً اپنی ماؤں کی مناسبت سے وہ بھی مجازاً آلِ بیت ہیں۔

✦ شہزادی سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ حضرت ابوالعاص الاموی

علی • امامہ

✦ شہزادی سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ حضرت عثمان غنی الاموی

عبداللہ

✦ شہزادی سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ حضرت علی المرتضیٰ الباقی

حسن • حسین • ام کلثوم • زینب

رضی اللہ عنہم اجمعین

نواسہ رسول علی بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ

شہزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے تحت جگر علی بن ابی العاص بن المریج بن عبدی بن عبد القیس، اور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت علی بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی غاضرہ کی ایک خاتون کا دودھ پیا تھا۔ رضاعت کی مدت پوری ہو جانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے زیر کفالت لے لیا تھا، کیونکہ ان کے باپ ابوالعاص اُس وقت مکہ میں مقیم تھے اور بنو اسلام نہیں لائے تھے۔^(۱)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت و تربیت پر وہاں چڑھتے رہے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے نواسے علی بن ابوالعاص کو اپنے ساتھ سوار کر رکھا تھا۔^(۲)

علی بن ابوالعاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں بلوغت کے قریب پہنچ کر وفات پائی۔ البتہ ابن عسا کرنے بعض اہل علم کا قول نقل فرمایا ہے، جنگ یرموک کے موقع پر شہید ہوئے ہیں۔^(۳)

نواسی رسول امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہا

نام امامہ، والد کا نام ابوالعاص بن ریح بن عبد العزی، والدہ مکرمہ سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ہیں۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتوں اور محبتوں کا محور و مرکز، آپ ﷺ کی پیاری نواسی دوش نبوت کی شہسوار امامہ کی محبت آپ ﷺ کے قلب اطہر میں رچی بسی ہوئی تھی۔ آپ ہی کے ظل عاطفت میں پرورش پائی۔ چونکہ امامہ مادری پدری شفقتوں سے محروم تھی، اس لیے آپ ﷺ کی نظر شفقت ہمہ وقت ان کی دیکھ بھال کرتی۔ محبت و پیار کا یہ عالم تھا کہ نماز جمعی عظیم الشان عبادت کے دوران بھی آپ ﷺ ان کو جدا نہیں فرماتے تھے۔^(۴)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ شاہ جشہ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیش بہا قیمتی تحائف بھیجے۔ ان میں ایک ہار بجد نفیس اور گراں قیمت تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں اور امامہ بنت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا محصور ماند انداز میں گھر کے ایک کونے میں کھیل رہی تھیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں یہ ہار اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا۔“

ازواج مطہرات کا خیال تھا کہ یہ شرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا۔ لیکن یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنا بڑا اعزاز معصوم کلی امامہ کے مقدر میں ہے۔ آپ ﷺ نے امامہ کو بلا کر اپنے دست مبارک سے اس کے گلے کی زینت بنایا۔ لا دفعنہا الی احب اہلی الی۔^(۵)

شاہ کوئین ﷺ کے نواسے، نواسیاں

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے اپنی نواسی کے لیے ”اہلی“ کے مقدس الفاظ صادر ہوئے ہیں، لیکن بعض لوگ انہیں اہل بیت نبوی میں شامل نہیں کرتے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت پیاری امامہ سن شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ جب سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے آخری ایام میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد میری بہن کی بیٹی امامہ سے نکاح کر لینا، وہ میری اولاد کے حق میں میری قائم مقام ہوگی۔^(۶)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خاتون جنت کی وصیت کے مطابق امامہ سے نکاح کر لیا تھا۔ وہ ان ہی کی زوجیت میں رہیں، لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

جب ۴۰ھ میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور پھر شہید ہو گئے تھے تو انہوں نے عبدالمطلب کے پڑپوتے مغیرہ بن نوفل کو امامہ سے نکاح کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اجازت سے امامہ کا نکاح مغیرہ سے ہو گیا، اور مغیرہ ہی کے ہاں امامہ نے وفات پائی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔^(۷)

نواسہ رسول عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ

شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے، جو اللہ رب العزت نے عطا فرمائی، وہ دو بیٹیوں پر مشتمل تھی۔ موزنین کی تصریح کے مطابق ایک ناقص پچہ جشہ میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد دوسرا بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام عبد اللہ رکھا گیا، اور اسی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ چھ سال کی عمر میں بچے کے چہرے پر مرغ نے ٹھونگ ماری۔ چہرے پر زخم آ گیا۔ اسی عارضہ میں بچے کا انتقال ہو گیا تھا۔^(۸)

یہ واقعہ متعدد موزنین نے لکھا ہے؛ معارف ابن قتیبہ، ص ۶۲؛ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۰؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۶؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۴ وغیرہ۔

نواسہ رسول حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

حسن نام، ابو محمد کنیت، سید اور ریحانۃ النبی خطاب، شیعہ رسول لقب۔

دوھیالی شجرہ طیبہ اس طرح ہے: ابو محمد حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب قرشی مطہی۔

آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بتول فاطمہ زہرا، جگر گوشہ رسول ﷺ تھیں۔ اور آپ کے پدر بزرگوار سیدنا علی المرتضیٰ ابن عم رسول تھے۔ اس لیے آپ کی ذات گرامی دوہرے شرف کی حامل تھی۔

سنہ ہجری کے تیسرے سال رمضان المبارک میں معدن نبوت کا یہ گوہر شب چراغ استغنا و بے نیازی کی اقلیم کا تاجدار، صلح و مسالمت کی پرسکون مملکت کا شہنشاہ، دوش نبوت کا سوار، فتنہ و فساد کا بچ کن نور افزائے عالم وجود میں آیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”حسن“ نام تجویز فرمایا۔ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا۔ حقیقت میں دو ذنبے ذبح کیے۔ سر کے بال اتروائے اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کی۔ عہد نبویؐ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسنؑ کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی، وہ کم خوش قسمتوں کو نصیب ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے بڑے ناز و نعم سے ان کی پرورش فرمائی۔ کبھی آغوش شفقت میں لیے ہوئے نکلتے، کبھی دوش مبارک پر سوار کیے ہوئے برآمد ہوتے۔ ان کو دیکھنے کے لیے روزانہ صاحبزادی فاطمہؑ کے گھر تشریف لے جاتے۔ کبھی حالت نماز میں پشت مبارک پر چڑھ جاتے۔ جاں نثار نانا نہایت پیار اور محبت سے ان طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے۔ ابھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ آٹھ سال ہی کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اٹھ گیا۔

عہد صدیقی

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسندِ نظمین خلافت ہوئے۔ آپ بھی ذات نبوی کے تعلق کی وجہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز عصر سے فارغ ہو کر نکلے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ راستے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کھیلتے دیکھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے پیار سے اٹھالیا، کندھے پر بٹھالیا، اور فرمانے لگے، خدا کی قسم! یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے، علیؑ کے مشابہ نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرا دیے۔ (۹)

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں دونوں بھائیوں کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا۔ جب آپ نے کبار صحابہ کے وظائف مقرر کیے تو گو حضرت اس صف میں شمار نہیں ہوتے تھے، لیکن آپ نے ان کا بھی پانچ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ (۱۰)

امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانے میں ایسا ہی شفقت آمیز طرزِ عمل جاری رکھا۔ صدیقی اور فاروقی دور میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی کم سنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ سیدنا عثمان کے عہد میں وہ جوان ہو چکے تھے، چنانچہ اسی دور میں ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے آپ طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔

جب امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسندِ خلافت خالی ہو گئی اور مسلمانوں کی نگاہ انتخاب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر پڑی اور وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے تو حسن رضی اللہ عنہ نے عاقبتِ عاقبت اندیشی سے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں، اس وقت تک آپ اسے قبول نہ کریں۔

لیکن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب صرف مہاجرین و انصار کا حق ہے۔ جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کر لیں تو پھر تمام ممالک اسلامیہ پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ (۱۱)

امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے کے معاملہ میں صحابہ کی آراء مختلف ہو گئیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم سے اس کا مطالبہ کر رہے تھے۔ لیکن حالات کی سنگینی امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قصاص لینے سے رکاوٹ تھی، جس سے باہمی اختلافات کی خلیج بڑھ گئی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

خلافت کے پانچویں سال ۴۰ھ میں ابن ملجم کے ہاتھوں امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مجروح ہو گئے، جس کے باعث آپ کی شہادت واقع ہو گئی۔ اسی روز لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ (۱۲)

زمانہ خلافت سنبھالنے کے بعد جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی فوج میں اختلاف و انتشار پایا جاتا ہے تو آپ ان سے بیزار اور مایوس ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو اہل شام کے ساتھ مسکن تک آچکے تھے، ایک خط کے ذریعے صلح کی مشروط پیشکش کی۔ اگر وہ شرط قبول کر لیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہ کے حق میں دستبردار ہو جائیں گے اور مسلمان خون ریزی سے بچ جائیں گے۔ لوگوں کو اس خط کا علم ہوا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اتفاق رائے ہو گیا۔ (۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی اپنی زندگی میں فرمادی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دیگر وہوں میں صلح کرا دے گا۔“ (۱۴)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شہزادوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

الحسن والحسين سيد الشباہ اهل الجنة۔

ترجمہ: حضرت حسن اور حضرت حسین جنتیوں کے سردار ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہما ریحانئای من الدنیا۔ (۱۵)

ترجمہ: حسن اور حسین میرے گل خنداں ہیں۔

شہادت کا واقعہ

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ۵۵ھ میں زہر دیا گیا، جو ان کی شہادت کا باعث ہوا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے عظیم والد ماجد کی جگہ ۴۱ھ میں والی مقرر ہوئے۔ اسی سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی۔ آپ کی خلافت چھ ماہ رہی۔

اس طرح ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں اس بوریہ فتنہ مند بے نیازی نے اس دنیائے فانی کو خیر باد کہا۔ وفات کے وقت عمر مبارک ۴۷ یا ۴۸ سال تھی۔ اور جنت البقیع میں راحت گزری ہوئے۔ اولاد میں آٹھ لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ بیویوں کی تعداد بہت زیادہ بیان کی جاتی ہے۔

نواسہ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

حسین نام، ابو عبد اللہ کنیت، سید شباب اہل الجنۃ اور یحیٰ النبی لقب، والد گرامی قدر علیؑ اور سیدہ بتول جگر گوشہ رسول فاطمہؑ والدہ ماجدہ تھیں۔ اس لحاظ سے آپ کی ذات ستودہ صفات قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطر تھی۔ شجرہ طیبہ یہ ہے: حسین بن علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی و مطلبی۔

ع دل و جان با وفد ایچاچہ عجب خوش تھی

پیدائش

ابھی آپ شکم مادر میں تھے کہ حضرت ام الفضل بنت حارثؑ نے خواب دیکھا کہ کسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میں نے ایک ناگوار اور بھیاںک خواب دیکھا ہے، جو ناقابل بیان ہے۔ آپ ﷺ کے اصرار پر انہوں نے خواب بیان کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یہ تو مبارک خواب ہے۔ فاطمہؑ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور تم اسے گود میں لوگی۔ (۱۶)

ولادت باسعادت کی خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ نومولود کو دیکھا۔ کانوں میں اذان دی۔ نام رکھا۔ سر کے بال اتروا کر ہم وزن چاندی خیرات کرنے کا حکم دیا۔ پھر بزرگوار کے حکم کے مطابق سیدہ فاطمہؑ زہرا رضی اللہ عنہا نے عقیقہ کیا۔ (۱۷)

خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی میں پروان چڑھے۔ خلافت عثمانی میں مخدوان شباب کی بلند یوں کو چھونے لگے۔ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اپنے برادر بزرگ کے شانہ بشانہ شریک کار رہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دستبردار ہو جانے کے بعد ۵۶ھ میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینا چاہی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی ان حضرات کے ساتھ تھے جو اس بیعت کے حق میں نہیں تھے۔ یزید کی ہمنوائی اور اس کی بیعت سے انکار اور گریز بالآخر میدان کربلا میں خانوادہ نبوت کی شہادت پر منہج ہوا۔ بالآخر وہ قیامت خیز ساعت بھی آگئی کہ فلک امامت کا آفتاب میدان جنگ کے افق پر طلوع ہوا۔ طویل اور شدید جنگ کے بعد محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء کو خانوادہ نبوی کا آفتاب ہدایت ہمیشہ

کے لیے روپوش ہو گیا۔

اولاد

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں علی اکبر، عبد اللہ اور ایک چھوٹے صاحبزادے واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام زین العابدین زندہ بچ گئے، ان ہی سے نسل چلی۔ صاحبزادیوں میں سکینہ، فاطمہ اور زینب تھیں۔

امام زین العابدینؑ

نام و نسب

علی نام، ابو الحسن کنیت، زین العابدین لقب، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند اصغر اور ریاض نبوت کے گل تر تھے۔ میدان کربلا میں اہل بیت نبوی کا چمن اُڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا، جس سے دنیا میں شمیم سیادت پھیلی اور حسین کا نام باقی رہا۔

دو حیالی شجرہ آفتاب سے زیادہ روشن اور مہتاب سے زیادہ منور ہے۔ نانھیالی شجرہ مختلف فیہ ہے۔ مشہور روایت کے مطابق آپ ایران کے آخری تاجدار یزدگرد کے نواسے یعنی مائی شہر بانوں کے فرزند ارجمند تھے۔

واقعہ کربلا کے وقت عمر مبارک ۳۳ سال تھی۔ آپ کی ولادت ۳۸ھ اور وفات ۹۵ھ میں ہوئی۔

امام زین العابدین کی نسل دنیا میں چھ فرزندوں سے باقی ہے۔ محمد باقر، عبد اللہ الباہر،

زید الشہید، عمر الاشرف، حسین الاصغر، علی الاصغر۔

دو بیٹیاں ام کلثوم اور خدیجہ تھیں۔

عبد اللہ

امام باقر کے برادر شفیق ہیں۔ ان کی نسل محمد الارقط سے جاری ہے۔

اس کا ایک ہی بیٹا اسماعیل تھا۔ ان کے دو بیٹے حسین اور محمد تھے اور محمد کی نسل ترے، قم اور

جزیران میں پائی جاتی ہے۔

زید الشہید

ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ ان کا سال ۱۵ھ بمصر ۱۲۱ھ میں ہوا۔ چار فرزند تھے۔ یحییٰ، جو

اٹھارہ سال کی عمر میں شہید ہو گئے۔ ان کی ایک بیٹی اور تین بیٹے تھے۔ حسین ذی الدمعہ، جیسی مومم الاشبال اور محمد، ان سے نسل چلی ہے۔

عمر الاشرف

زید شہید کے برادر شفیق ہیں۔ ان کی نسل علی الاصغر سے جاری ہوئی۔ ان کے تین فرزند تھے: قاسم، عمر اور ابو محمد الحسن۔ نسل کثیر باقی ہے۔

حسین الاصغر

ان کی والدہ ساعدہ ہے، جو ام ولد ہیں۔ حسین الاصغر نے ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ بیٹے: عبد اللہ، عبد اللہ علی، ابو محمد الحسن، سلیمان تھے۔ جاز، عراق، شام اور مغرب میں نسل پائی جاتی ہے۔

علی الاصغر

ان کی نسل افطس سے جاری ہے۔ افطس کی نسل علی الحوری، عمر، حسین، حسن مکفوق، عبد اللہ الشہید سے جاری ہے۔

امام باقر

محمد نام، باقر لقب، ابو جعفر کنیت ہے۔ باقر العلوم، وافر الحکم، جلیل القدر تھے۔ صحاح میں ان کی روایات پائی جاتی ہیں۔

واقعہ کربلا کے وقت تقریباً تین سال عمر تھی۔ ان کی نسل امام جعفر صادق سے جاری ہے۔ (۱۸)

نواسی رسول سیدہ ام کلثومؑ بنت علیؑ

ام کلثوم نام، والد گرامی کا نام علی بن ابوطالب بن عبد المطلب، اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سیدہ ام کلثوم نواسی رسول اللہ سیدہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نور نظر اور جگر گوشہ سیدہ فاطمہ بتول ہیں۔

اپنی والدہ محترمہ کے وصال کے بعد اپنی خالہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی سیدہ امامہ بنت العاص، جن سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا تھا، کی پرورش اور نگہداشت، شفقت و محبت میں پروان چڑھیں۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نواسی رسول سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا اور ایک انتہائی معقول بات بھی کہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

كُلُّ نَسَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا نَسَبِي وَنَسَبِي.

ترجمہ: قیامت کے دن ہر ایک سلسلہ نسب ختم ہو جائے گا، لیکن میرا سلسلہ نسب منقطع نہیں ہوگا۔

اس لیے میری خواہش ہے کہ اس رشتے کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا نسب قائم ہو جائے، تاکہ قیامت کے دن یہ منقطع نہ ہونے پائے۔

چنانچہ جلیل القدر صحابہ کرام، جن میں حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم، جمعین اور دیگر مہاجرین شامل تھے، نے مجلس نکاح منعقد کی، اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ (۱۹)

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ولادت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے پہلے ہو چکی تھی۔ خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کا رشتہ طلب کرتے ہوئے کہا، میں اس رشتے کے ذریعے وہ عزت و کرامت حاصل کرنا چاہتا ہوں جو دوسرے کسی رشتے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اولاً صغریٰ کا عقد رجش کیا، لیکن پھر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی رضامندی حاصل ہو جانے پر ریاض الجنت میں مہاجرین اور معزز صحابہ کرام کی مجلس میں چالیس ہزار درہم مہر کے عوض نکاح کر دیا۔ (۲۰)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نواسی رسول مقبول ﷺ کے بطن سے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد، ایک بیٹا زید اور ایک بیٹی رقیہ پیدا ہوئی۔ زید بن عمر اور سیدہ ام کلثوم بیت سیدہ فاطمہ بتول دونوں ماں بیٹا ایک ہی دن فوت ہوئے اور دونوں کا جنازہ ایک ساتھ پڑھا گیا۔ (۲۱)

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عون بن جعفر بن ابی طالب سے کر دیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد عون کے بھائی محمد بن جعفر بن ابی طالب سے اور محمد کے وصال کے بعد عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا۔ (۲۲)

نواسی رسول سیدہ زینب بنت علیؓ

نام زینب، والد گرامی قدر علی بن ابی طالب، اور والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ خاتون جنت اور نواسی رسول ہیں۔

عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب سے نکاح ہوا۔ جن سے علی، عون الاکبر، عباس، محمد اور ام کلثوم پیدا ہوئے۔ (۲۳)

میدان کربلا میں قافلہ شہداء کے ہمراہ تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمن کے کید و شر سے محفوظ رکھا۔

علامہ سید قاسم محمود لکھتے ہیں:

۵ جمادی الاولیٰ ۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۵ رجب ۶۲ھ میں وصال ہوا۔ فاطمہ الزہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور تاریخ اسلام کی محترم شخصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔

انہیں عقیلہ بنتی ہاشم کہا جاتا تھا۔ ام کلثوم اور ام الحسن آپ کی کنیت تھی۔ صدیقہ صغریٰ ان کا لقب تھا۔ ولادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھا۔ ساتویں دن حضور انور ﷺ نے عقیقہ فرمایا۔ چھ سات برس کی تھیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے محمد بن عبد اللہ بن جعفر کربلا میں شہید ہوئے۔ واقعہ کربلا کے بعد حضرت زینب دمشق میں اہل بیت کے ساتھ رہیں۔ استقامت، عبادت، ایثار، جہاد اور جماعت دین کا جو مظاہرہ آپ نے فرمایا، اُس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ (۲۴)

حواشی

آل اور اہل بیت کی توفیح

- ۱۔ لسان العرب، ج ۱۱، ص ۱۳۰، اہل
- ۲۔ ایضاً، ص ۲۹
- ۳۔ القاموس المحیط، ج ۲، ص ۱۲۷۶
- ۴۔ مفردات القرآن، اردو، ج ۱، ص ۵۸
- ۵۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ج ۱، ص ۵۴
- ۶۔ مفردات القرآن، اردو، ج ۱، ص ۵۶
- ۷۔ ایضاً، ص ۵۸
- ۸۔ شرح مہذب، ج ۳، ص ۳۳۸
- ۹۔ فتح الباری، ص ۱۹۲، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۶۳۵۸
- ۱۰۔ الصواعق المحرقة، ص ۱۳۳
- ۱۱۔ احیاء الممات، فارسی، ج ۳، ص ۶۸۰-۶۸۱
- ۱۲۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۶، کتاب الطہارت
- ۱۳۔ ترمذی، ج ۲، ص ۸۵، کتاب الایمان
- ۱۴۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۴۳، کتاب الطلاق
- ۱۵۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح
- ۱۶۔ ابوداؤد، کتاب النکاح
- ۱۷۔ ترمذی، ج ۲، ابواب المناقب
- ۱۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۵۵

- ۱۹۔ بخاری، ج ۲، ص ۸۰۸، کتاب النفقات، باب نفقة المفسر علی اہله
 ۲۰۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۹۰
 ۲۱۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۳۳، کتاب الحج، باب زیارت یوم النحر
 ۲۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۹۵، طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۱۰۳
 ۲۳۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۹۷، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۶۵، کتاب التوحید
 ۲۴۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۶۷، کتاب التوحید حدیث اول
 ۲۵۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب نمبر ۱، حدیث نمبر ۶۳۶۰، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فی الکفاف والقناعة، حدیث نمبر ۱۰۵۵
 ۲۶۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزبد، باب معیشتہ آل محمد، ص ۳۰۶
 ۲۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۹۵۶، کتاب الرقاق
 ۲۸۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۰۹
 ۲۹۔ ایضاً
 ۳۰۔ ایضاً، ص ۳۱۰
 ۳۱۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۲۲، کتاب الزکاح
 ۳۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۷۶، کتاب المغازی، حدیث نمبر ۱۲۰۵
 ۳۳۔ معارف اللہیت، ج ۵، ص ۲۳۲-۲۳۳
 ۳۴۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۳۱
 ۳۵۔ از تفسیر البخاری، ج ۲، ص ۵۱۹
 ۳۶۔ اشرف الجواب، ص ۸۵
 ۳۷۔ شفا قاضی عیاض، ج ۲، ص ۶۶، شرح شفا القاری، ج ۲، ص ۱۳۷، فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۶۱
 ۳۸۔ شرح مہذب، ج ۳، ص ۳۴۹
 ۳۹۔ اوجز المسائل، ج ۲، ص ۱۵۴
 ۴۰۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۷۹، کتاب فضائل صحابہ، باب فضل علی بن ابی طالب، حدیث نمبر ۲۳۰۸
 ۴۱۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۳۵، کتاب الزکاۃ، باب تحريم الزکاۃ علی رسول اللہ
 ۴۲۔ شرح نووی، مسلم، ج ۱، ص ۳۳۳، شرح مہذب، ج ۳، ص ۳۳۸
 ۴۳۔ شفا قاضی عیاض، ج ۲، ص ۳۷

- ۴۴۔ مستدرک امام احمد، ج ۳، ص ۳۸۹، طبرانی کبیر، ج ۶، ص ۲۸۵
 ۴۵۔ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۸۷
 ۴۶۔ طبرانی کبیر، ج ۱۱، حدیث نمبر ۱۱۰۷، مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۸۷
 ۴۷۔ طبرانی کبیر، ج ۱۱، ص ۱۷۳، حدیث نمبر ۱۱۵۳، مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۸۸
 ۴۸۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۷، سورۃ احزاب، باب لا تدخلوا بیوت النبی
 ۴۹۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۶۰
 ۵۰۔ ترمذی، ج ۲، ص ۱۵۲، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب
 ۵۱۔ درر السحاب، ص ۲۶۵-۲۷۲
 ۵۲۔ التسان فی رمضان، ص ۴، وعظ چہارم، از سلسلہ البلاغ
 ۵۳۔ تفسیر معارف القرآن اور لمبی، ج ۶، ص ۲۶۵
 ۵۴۔ تفسیر معارف القرآن، ج ۳، ص ۱۳۹
 ۵۵۔ تفسیر جواہر القرآن، ج ۳، ص ۹۳۹
 ۵۶۔ سیرت مصطفیٰ، ج ۳، ص ۷۲۸
 ۵۷۔ ایضاً، ص ۲۸۰
 ۵۸۔ تفسیر معارف القرآن اور لمبی، ج ۷، ص ۱۳۰
 ۵۹۔ فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۶۱، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۲۳۵۸
 ۶۰۔ مرآۃ المفاتیح، ج ۱۱، ص ۳۷۰، مناقب اہل بیت
 ۶۱۔ اضیاء المعانی، ج ۳، ص ۶۸۰-۶۸۱
 ۶۲۔ تحفۃ اشاعرہ، اردو
 ۶۳۔ اعلام النبلا، ج ۲، ص ۲۰۱
 ۶۴۔ تفسیر حقانی، ج ۶، ص ۹۰
 ۶۵۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۳، ص ۱۸۳
 ۶۶۔ تفسیر بغوی، ج ۳، ص ۵۲۹
 ۶۷۔ تفسیر بحر المحیط، ج ۷، ص ۲۳۱-۲۳۲
 ۶۸۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۲۸۲
 ۶۹۔ فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۶۰، حدیث نمبر ۲۳۵۸

- ۷۰۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۲، پارہ نمبر ۲۲، ص ۱۵
- ۷۱۔ ایضاً، ص ۱۹
- ۷۲۔ تفسیر مظہری، اردو، ج ۹، ص ۲۵۲
- ۷۳۔ تفسیر معارف القرآن مفتی، ج ۷، ص ۱۲۰
- ۷۴۔ اوجز المسائل، ج ۲، ص ۱۵۷
- ۷۵۔ مجموعہ تفاسیر لکھنوی، ص ۷۹-۸۰
- ۷۶۔ معارف الحدیث، ج ۸، ص ۲۹۳
- ۷۷۔ احکام القرآن بصاح، اردو، ج ۶، ص ۲۹۷؛ احکام القرآن بصاح، عربی، ج ۵، ص ۲۳۰
- ۷۸۔ تفسیر بغوی، ج ۳، ص ۵۲۸
- ۷۹۔ تفسیر کشاف، ج ۳، ص ۵۳۸
- ۸۰۔ تفسیر زاد المسیر، ج ۳، ص ۳۶۲، سورۃ احزاب
- ۸۱۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی، ج ۲۶، ص ۱۸۱
- ۸۲۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۲، ص ۱۸۲، سورۃ احزاب
- ۸۳۔ تفسیر نسفی، ج ۳، ص ۳۰۲
- ۸۴۔ تفسیر بحر الحیث، ج ۷، ص ۲۳۱-۲۳۲
- ۸۵۔ تفسیر درمنثور، ج ۶، ص ۳۳، سورۃ احزاب
- ۸۶۔ تفسیر ابن کثیر، اردو، ج ۵، سورۃ احزاب
- ۸۷۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۲، ص ۱۳، سورۃ احزاب
- ۸۸۔ تفسیر حرقانی، ج ۶، ص ۸۹
- ۸۹۔ روح المعانی، ج ۱۲، ص ۲۲
- ۹۰۔ تفسیر معارف القرآن ادرسی، ج ۶، ص ۲۶۱-۲۶۵
- ۹۱۔ ترمذی، ج ۲، ص ۲۱۹، ابواب المناقب، باب مناقب اہل بیت
- ۹۲۔ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۰، باب مناقب اہل بیت
- ۹۳۔ مرقاة المفاتیح، ج ۱۱، ص ۳۸۵
- ۹۴۔ اشعۃ اللمعات، ج ۴، ص ۶۹۰، مناقب اہل بیت، فصل ثانی
- ۹۵۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۲، ص ۱۶، سورۃ احزاب، آیت ۳۳
- ۹۶۔ اشعۃ اللمعات، ج ۴، ص ۶۸۰
- ۹۷۔ لسان العرب، ج ۴، ص ۵۳۸
- ۹۸۔ القاموس المحیط، ج ۱، ص ۶۱۰
- ۹۹۔ ایضاً، ج ۱۰۳۳
- ۱۰۰۔ غیث اللغات، ص ۳۲۷
- ۱۰۱۔ مظاہر حق، ج ۵، ص ۷۷۵، مناقب اہل بیت
- آل بیت نبی
- ۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۳
- ۲۔ المعارف ابن قتیبہ، ص ۵۲
- ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۲
- ۴۔ ایضاً، ص ۳۳۳
- ۵۔ صحیح مسلم، ج ۱، کتاب الحج، باب الحجۃ النبی، حدیث نمبر ۱۲۱۸
- ۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۳۳۳
- ۷۔ الاصابہ، ج ۱، ص ۳۵۳
- ۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶
- ۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۷
- ۱۰۔ مستدراک احمد، ج ۳، ص ۱۲۸؛ مستدراک حاکم، ج ۳، ص ۱۹۶؛ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۷
- ۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۷
- ۱۲۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۶۶؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۳۳
- ۱۳۔ استیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۹۷؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۲۹۷
- ۱۴۔ الاصابہ، ج ۲، ص ۲۷۱
- ۱۵۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۰۹
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۰
- ۱۷۔ ایضاً، ص ۱۰۹
- ۱۸۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۷۲، کتاب المغازی

- ۱۹- مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۵۳
 ۲۰- طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۳۳۲: اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۱۰
 ۲۱- سنن ترمذی، ج ۲، ص ۶۱: ابواب المناقب، باب مناقب ابی الفضل
 ۲۲- مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۰۰: مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۲۹
 ۲۳- صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ تعالیٰ - وفي الوقاب والغومين، حدیث نمبر ۱۳۶۸: صحیح مسلم، ج ۱، کتاب الزکوۃ، باب فی تقدیم الزکوۃ، حدیث نمبر ۹۸۳
 ۲۴- سنن ترمذی، ابواب المناقب، ج ۲، ص ۲۱
 ۲۵- اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۱۲
 ۲۶- طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۳۲۱
 ۲۷- اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۱۰
 ۲۸- ایضاً، ص ۱۱۲
 ۲۹- اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۸۳
 ۳۰- الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۳، ص ۲۰۸: اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۸۳
 ۳۱- الاصابہ، ج ۳، ص ۲۰۸
 ۳۲- اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۲۰
 ۳۳- ایضاً، ص ۱۹
 ۳۴- ایضاً
 ۳۵- اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۹۳: الاصابہ، ج ۲، ص ۳۳۰
 ۳۶- ایضاً
 ۳۷- مسند امام احمد، ج ۱، ص ۲۹۱
 ۳۸- مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۲۸: مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۳۳۰
 ۳۹- طبرانی کبیر، ج ۱۱، ص ۲۱۰۸
 ۴۰- بخاری، ج ۱، ص ۵۳۱
 ۴۱- الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۲، ص ۳۵۲: حلیہ، ج ۱، ص ۳۱۶
 ۴۲- الاستیعاب، ج ۲، ص ۳۵۲
 ۴۳- حلیہ الاولیاء، ج ۱، ص ۳۱۶
 ۴۴- اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۹۵: الاصابہ، ج ۳، ص ۳۳۲
 ۴۵- الاصابہ، ج ۳، ص ۱۱۵: البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲
 ۴۶- الاستیعاب، ج ۳، ص ۲۶: ج ۴، ص ۳۸۲: بر حاشیہ الاصابہ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲
 ۴۷- الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۸۲، بر حاشیہ الاصابہ
 ۴۸- سیرت علی المرتضیٰ، ص ۲۲
 ۴۹- تفسیر بغوی، ج ۳، ص ۲۵۰، سورۃ قصص
 ۵۰- تفسیر کشاف، ج ۳، ص ۲۲۲
 ۵۱- تفسیر زاد المسیر، ج ۳، ص ۳۸۸، سورۃ قصص
 ۵۲- تفسیر کبیر، ج ۱۳، ص ۳
 ۵۳- تفسیر قرطبی، ج ۷، ص ۲۹۹
 ۵۴- تفسیر نفیسی، ج ۳، ص ۲۳۰
 ۵۵- تفسیر بحر المحیط، ج ۷، ص ۱۲۶
 ۵۶- تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۹۴
 ۵۷- تفسیر درمنثور، ج ۶، ص ۳۸۰، سورۃ قصص
 ۵۸- تفسیر جامع البیان، ج ۷، ص ۵۶: تفسیر نفیسی، ج ۲، ص ۳۱۸: تفسیر بغوی، ج ۲، ص ۳۳۰: تفسیر کشاف، ج ۲، ص ۳۱۳: تفسیر کبیر رازی، ج ۸، ص ۱۶۵: تفسیر زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۰۴: تفسیر قرطبی، ج ۸، ص ۲۷۲: تفسیر درمنثور، ج ۴، ص ۲۷۱
 ۵۹- صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرک عند الموت لا اله الا الله، حدیث نمبر ۱۳۶۰: بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قصہ ابی طالب، حدیث نمبر ۳۸۸۳: بخاری، کتاب التفسیر، باب ما کان للنبی والذین امنوا ان يستغفروا للمشركين، حدیث نمبر ۴۷۵۵: بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۴۷۵۵: بخاری، کتاب الايمان والندوة، حدیث نمبر ۶۸۱: صحیح مسلم، کتاب الايمان، حدیث نمبر ۴۲، ص ۳۲: مسند امام احمد، ج ۲، ص ۴۳۴: ج ۵، ص ۴۳۳
 ۶۰- الاستیعاب، ج ۳، ص ۲۶: تحت علی بن ابی طالب: البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲
 ۶۱- البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲
 ۶۲- تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۶۳، بحوالہ سیرت علی المرتضیٰ، ص ۲۶

- ۶۳- طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۲۰، تحت عقیل بن ابوطالب
 ۶۴- طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۲۳: اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۲۲
 ۶۵- طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۱: اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۲۳
 ۶۶- اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۲۳
 ۶۷- ایضاً
 ۶۸- مستد امام احمد، ج ۱، ص ۲۰۱-۲۰۳: ج ۵، ص ۲۹۰
 ۶۹- طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۶: صحیح بخاری، غزوہ خیبر
 ۷۰- بخاری، ج ۲، ص ۶۱۱، کتاب المغازی، باب غزوہ موتہ
 ۷۱- اسد الغابہ، ج ۱، ص ۲۸۸: طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۲
 ۷۲- صحیح بخاری، ج ۲، ص ۶۱۱، غزوہ موتہ
 ۷۳- اسد الغابہ، ج ۱، ص ۲۸۸
 ۷۴- طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۹: ترمذی، ج ۲، ص ۲۱۷: مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۰۹
 ۷۵- طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۶
 ۷۶- صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۵، کتاب الجہاد، باب غزوہ ذی قرد و غیرہا
 ۷۷- البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۲۳
 ۷۸- ایضاً، ج ۲، ص ۲۹، تحت فضل ابی بکر
 ۷۹- طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۲: البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۹۷: سیرت حلبیہ، ج ۲، ص ۲۸
 ۸۰- طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۲
 ۸۱- مستد امام احمد، ج ۱، ص ۳۶۸: البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۳۳۶
 ۸۲- البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۲۰
 ۸۳- سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۲۲۸، غزوہ خندق
 ۸۴- سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۲۵۹
 ۸۵- طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۲۹۹، تحت سریدہ علی بن ابی طالب الی بنی سعد بن بکر
 ۸۶- بخاری، ج ۱، ص ۳۷۲، کتاب الصلح
 ۸۷- بخاری، ج ۲، ص ۶۰۵، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر
 ۸۸- بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ فتح
- ۸۹- مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۱۱
 ۹۰- البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۵۵، تحت سنہ ۱۵ھ
 ۹۱- ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۲۹، بحوالہ سیر الصحابہ، ج ۱، ص ۲۶۶
 ۹۲- البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۳۳۲
 ۹۳- طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۲۵
 ۹۴- ایضاً، ص ۲۶
 ۹۵- ایضاً
 ۹۶- مستد امام احمد، ج ۶، ص ۳۳۲
 ۹۷- ایضاً، ص ۳۳۲
 ۹۸- الاصابہ، ج ۳، ص ۲۵۹
 ۹۹- سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۹۳، تحت زواج عبداللہ من امہ
 ۱۰۰- مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۹۸
 ۱۰۱- سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۹۳
 ۱۰۲- طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۲
 ۱۰۳- ایضاً، ص ۱۵۳
 ۱۰۴- ایضاً، ص ۲۵۳
 ۱۰۵- ایضاً، ص ۱۵۳
 ۱۰۶- ایضاً
- ۱- کتب الہدی والرشاد، ج ۲، ص ۲۱۳
 ۲- زرقانی، طبع جدید، ج ۱، ص ۳۷۰
 ۳- طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۱-۶۲: شرح زرقانی، ج ۱، ص ۳۷۲
 ۴- طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۲: زرقانی، طبع جدید، ج ۱، ص ۳۷۲
 ۵- سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۰۰
 ۶- صحیح بخاری، ج ۱، کتاب الوعی

- ۷۔ طبرانی، ج ۲۲، ص ۲۵۱
 ۸۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۹۱
 ۹۔ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۷
 ۱۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۱؛ الاصابہ، ج ۲، ص ۲۸۳
 ۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲
 ۱۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۳۹؛ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۸۲
 ۱۳۔ ایضاً
 ۱۴۔ مستد امام احمد، ج ۱، ص ۲۰۵
 ۱۵۔ الہدایہ والنبایہ، ج ۳، ص ۱۲
 ۱۶۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۱۰۵
 ۱۷۔ مستد امام احمد، ج ۲، ص ۲۲۲
 ۱۸۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵؛ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۸۳
 ۱۹۔ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۱۵؛ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۶۵
 ۲۰۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۳۲
 ۲۱۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۶۲
 ۲۲۔ ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۹۷، کتاب الادب
 ۲۳۔ سیرت عائشہ، ص ۱۸
 ۲۴۔ ترمذی، ج ۲، ص ۱۲۷، تفسیر سورۃ المؤمنون
 ۲۵۔ الاصابہ، ج ۲، ص ۳۳۱
 ۲۶۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۵۹، تذکرہ عائشہ؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۵۰
 ۲۷۔ ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۹۷، کتاب الادب، باب فی المرأة نکفی؛ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۱۵۱، ۱۸۶
 ۲۸۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۹۳
 ۲۹۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۱۰۷، ۲۶۰؛ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۱۸؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۳۷۸
 ۳۰۔ کشف الخفاء مزیل الالتباس مما اشتهر علی السنتہ الناس احمد عطا حلی، ج ۱، ص ۳۷

- ۳۱۔ سیرت عائشہ، ص ۱۸
 ۳۲۔ مجمع البحار الانوار، ج ۱، ص ۵۵۸
 ۳۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۳۰
 ۳۴۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۳۳
 ۳۵۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۳۵
 ۳۶۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۲۳
 ۳۷۔ سیرت عائشہ صدیقہ، ص ۲۹
 ۳۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۲
 ۳۹۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۱۸۳
 ۴۰۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۵۱، باب تزویج عائشہ؛ مستد امام احمد، ج ۲، ص ۱۶۱، ۱۲۸، ۱۶۱
 ۴۱۔ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۸
 ۴۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۰۲۸
 ۴۳۔ ایضاً، کتاب الروایا
 ۴۴۔ شرح زرقانی علی المواہب، طبع جدید، ج ۳، ص ۳۸۷
 ۴۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۷، ص ۵۲۸
 ۴۶۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۳
 ۴۷۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۳؛ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۳۹
 ۴۸۔ ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۸
 ۴۹۔ ابن ابی شیبہ، ج ۷، ص ۵۲۹
 ۵۰۔ ازواج النبی، ص ۹۰
 ۵۱۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۰۱
 ۵۲۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۳۰
 ۵۳۔ ترمذی، ج ۲، ص ۵۸، ابواب الزہد، باب حاجاء فی معیشۃ النبی
 ۵۴۔ الترغیب والترہیب، ج ۳، ص ۱۸۸
 ۵۵۔ ایضاً، ص ۱۹۳
 ۵۶۔ ایضاً، ص ۲۰۵

- ۵۷۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۴۴
- ۵۸۔ ادب المفرد امام بخاری، ص ۸۰، باب سقاۃ النفس، حدیث نمبر ۲۸۰
- ۵۹۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۹۹
- ۶۰۔ ادب المفرد فضل من یعول یتیمًا، ص ۴۵، باب نمبر ۷
- ۶۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۴
- ۶۲۔ سیرت عائشہ، ص ۱۶۹
- ۶۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۸
- ۶۴۔ ایضاً
- ۶۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۸؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۳۷۸
- ۶۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۸
- ۶۷۔ ایضاً
- ۶۸۔ مسلم، ج ۱، ص ۴۷۳؛ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۶۸
- ۶۹۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۳۰، حدیث نمبر ۸۰؛ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۳۲؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۲۴۷
- ۷۰۔ سیرت النبویہ، ج ۲، ص ۳۱۳
- ۷۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۷۰
- ۷۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۴۷۰؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۳۹۱
- ۷۳۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۳۲۲؛ مجمع الزوائد، ج ۳
- ۷۴۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۷۳؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۴۷۰؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۳۷۸
- ۷۵۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۳۹؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۸۰
- ۷۶۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۶
- ۷۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۷۰
- ۷۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۹
- ۷۹۔ ایضاً، ص ۲۷۱
- ۸۰۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۳۹
- ۸۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۷۰
- ۸۲۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۲۶۰
- ۸۳۔ طبرانی کبیر، ج ۴، ص ۳۶؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۳۹
- ۸۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۴؛ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۶۸
- ۸۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۴
- ۸۶۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۷؛ کتاب الزکاح
- ۸۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۵؛ الاستیعاب، ج ۴، ص ۲۶۹ بر حاشیہ
- ۸۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۶؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۱۵
- ۸۹۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۷۳
- ۹۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۶
- ۹۱۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۲۸۵
- ۹۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۷؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۷۳
- ۹۳۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۲ بر حاشیہ الاصابہ؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳
- ۹۴۔ طبرانی کبیر، ج ۲۴، ص ۷۷
- ۹۵۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۲۶۶؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۱۱
- ۹۶۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۳ بر حاشیہ الاصابہ؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۳
- ۹۷۔ طبرانی کبیر، ج ۲۴، ص ۵۸
- ۹۸۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۳۱
- ۹۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۴۰۳
- ۱۰۰۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۵
- ۱۰۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳
- ۱۰۲۔ ایضاً
- ۱۰۳۔ ایضاً، ص ۲۸۷
- ۱۰۴۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۵۸
- ۱۰۵۔ ایضاً
- ۱۰۶۔ سیرت حلیہ، اردو، ج ۶، ص ۳۲۸
- ۱۰۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۶

۱۰۸۔ ازواج النبیؐ

۱۰۹۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۲۵۴؛ بر حاشیہ الاصابہ

۱۱۰۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۲۵۴؛ بر حاشیہ الاصابہ

۱۱۱۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۲۲۸؛ کتاب المناقب

۱۱۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۸

۱۱۳۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۸۸؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۴۵۸

۱۱۴۔ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۳۴۳؛ کتاب الزکات

۱۱۵۔ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۳۴۳؛ ترمذی، ج ۲، ص ۱۸۹؛ ابواب الدعوات؛ مستدرک احمد، ج ۳، ص ۷۷

۱۱۶۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۹۸

۱۱۷۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۰۰

۱۱۸۔ ایضاً

۱۱۹۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۰۰؛ مستدرک احمد، ج ۶، ص ۳۱۳

۱۲۰۔ مستدرک احمد، ج ۴، ص ۲۷-۲۸

۱۲۱۔ طبقات ابن سعد

۱۲۲۔ مستدرک احمد، ج ۶، ص ۳۰۱

۱۲۳۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۴۹؛ کتاب الخیش

۱۲۴۔ کتاب الاذکار، مترجم، ج ۱، ص ۲۴۳

۱۲۵۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۴۰۲

۱۲۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲

۱۲۷۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۴؛ بر حاشیہ الاصابہ

۱۲۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۹؛ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۱۲

۱۲۹۔ سیرت المعطی، ج ۳، ص ۳۰۹

۱۳۰۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۴۱۰

۱۳۱۔ مستدرک احمد، ج ۳، ص ۳۹؛ مسلم، ج ۲، ص ۴۶۱

۱۳۲۔ طبرانی، کبیر، ج ۴، ص ۳۹

۱۳۳۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۰۷؛ سورة احزاب؛ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۶۱

۱۳۴۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۶۱

۱۳۵۔ صحیح بخاری، ج ۲، کتاب التفسیر، سورة احزاب

۱۳۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۱۸۰؛ بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین

۱۳۷۔ معارف القرآن مفتی، ج ۶، ص ۲۱۰

۱۳۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۹۱؛ مسلم، ج ۲، ص ۲۹۱

۱۳۹۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۵

۱۴۰۔ سیرت حلبیہ، اردو، ج ۶، ص ۴۳۳؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۴۱۴

۱۴۱۔ شرح نووی، مسلم، ج ۲، ص ۲۹۱

۱۴۲۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۴۳۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۵؛ حلبیہ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۵

۱۴۴۔ مسلم، ج ۲، ص ۲۹۱؛ حلبیہ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۲

۱۴۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۰۶

۱۴۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۳۰۰؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۴۷۔ ایضاً

۱۴۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹؛ حلبیہ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۵؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۴۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۰؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۵۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۲

۱۵۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۶۵؛ کتاب الشہادۃ، باب تعدیل النساء بضعہن بعضا

۱۵۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۶۵؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۴۱۴

۱۵۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۲

۱۵۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۰

۱۵۵۔ المبدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۲۸

۱۵۶۔ معارف ابن قتیبہ، بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین، ص ۱۸۸

۱۵۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۰-۳۰۱

۱۵۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۲؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۷۰۲

۱۵۹۔ مشکوٰۃ شریف، ص ۴۰۸؛ باب الاسلامی

- ۱۶۰۔ مسلم، ج ۲، ص ۲۰۸، کتاب الادب
 ۱۶۱۔ مسلم، ج ۲، ص ۲۰۸؛ روض الانف، ج ۱، ص ۲۱۹؛ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۶۱ بر حاشیہ الاصابہ
 ۱۶۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۳۲۰
 ۱۶۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳
 ۱۶۴۔ البدایہ والنہایہ، ص ۳۲؛ سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۰۲
 ۱۶۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۸۱، غزوہ مہربلج
 ۱۶۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۸۱
 ۱۶۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳؛ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۸۲
 ۱۶۸۔ البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۱۵۹
 ۱۶۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۴۲۷
 ۱۷۰۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۷
 ۱۷۱۔ ایضاً
 ۱۷۲۔ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۵۹
 ۱۷۳۔ الاستیعاب، ج ۱، ص ۲۹۹ بر حاشیہ الاصابہ؛ الاصابہ، ج ۱، ص ۲۸۱، ترجمہ: حارث بن ابی ضرارہ
 خصائص کبریٰ، اردو، ج ۱، ص ۳۸۵؛ عیون الاثر، ج ۲، ص ۳۹۹
 ۱۷۴۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۲۷۷؛ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۶۱؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۷؛ البدایہ
 والنہایہ، ج ۴، ص ۱۵۹؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳
 ۱۷۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳؛ الاستیعاب، ج ۴، ص ۱۵۹ بر حاشیہ الاصابہ
 ۱۷۶۔ مسلم، ج ۲، ص ۳۵۰، کتاب الدعاء؛ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۲۵
 ۱۷۷۔ ترمذی، زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۴۲۷
 ۱۷۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۶۶
 ۱۷۹۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۳۵، کتاب الزکوٰۃ
 ۱۸۰۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸
 ۱۸۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۰
 ۱۸۲۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۰۳ بر حاشیہ الاصابہ؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۰
 ۱۸۳۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۵
 ۱۸۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۰
 ۱۸۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲
 ۱۸۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۵
 ۱۸۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲
 ۱۸۸۔ ایضاً
 ۱۸۹۔ البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۲۳
 ۱۹۰۔ سیر الصحابیات، ج ۸۳
 ۱۹۱۔ مسلم، ج ۱، ص ۲۵۱، فی صلوة المسافرين؛ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۲۷
 ۱۹۲۔ ترمذی، ج ۱، ص ۵۵؛ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۲۶
 ۱۹۳۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۷۰، کتاب الجنائز، باب احداث المرقا علی غیر زوجہا؛ مسلم، ج ۱، ص
 ۲۸۶، اطلاق، باب وجوب الاحداث فی عدة الوفاہ
 ۱۹۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲
 ۱۹۵۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۲۶
 ۱۹۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۵
 ۱۹۷۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۰۶ بر حاشیہ الاصابہ
 ۱۹۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۵
 ۱۹۹۔ البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۲۵
 ۲۰۰۔ البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۲۶، الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۷
 ۲۰۱۔ انساب الاشراف، ج ۱، ص ۲۲۰، بحوالہ ازواج النبی، ص ۱۶۶
 ۲۰۲۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۷
 ۲۰۳۔ سیر الصحابیات، ج ۹۰
 ۲۰۴۔ ازواج النبی، حاشیہ، ص ۲۱۳؛ فتح الباری، ج ۴، ص ۲۷۸، حدیث نمبر ۲۰۲۵، کتاب الاعکاف
 ۲۰۵۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۳۶ بر حاشیہ الاصابہ؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۵
 ۲۰۶۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۳۶
 ۲۰۷۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۴۶۹
 ۲۰۸۔ سیرت المصطفیٰ، ج ۳، ص ۳۳۵؛ سیر الصحابیات، ج ۹۰

- ۲۰۹۔ سیر الصحابیات، ص ۹۰
 ۲۱۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۵: الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۳۶ بر حاشیہ الاصابہ: اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۵
 ۲۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۸
 ۲۱۲۔ ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۱، باب ما جاء فی سهم الصفی
 ۲۱۳۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۴، کتاب الصلوٰۃ: ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۱
 ۲۱۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۱۰
 ۲۱۵۔ السط الثمین، ص ۱۲۰
 ۲۱۶۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۰۶
 ۲۱۷۔ ایضاً
 ۲۱۸۔ ایضاً، ص ۶۰۴
 ۲۱۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۸-۳۰۹: زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۳۵
 ۲۲۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۸: الاصابہ، ج ۴، ص ۳۳۷
 ۲۲۱۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۹۸، کتاب المناقب، حدیث نمبر ۱۵۳۸
 ۲۲۲۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۲۹
 ۲۲۳۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۹۰
 ۲۲۴۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۳۸ بر حاشیہ الاصابہ: زرقانی، ج ۳، ص ۲۹۶: زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۳۵
 ۲۲۵۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۹۵
 ۲۲۶۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۳۷
 ۲۲۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹: الاصابہ، ج ۴، ص ۳۳۷
 ۲۲۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹
 ۲۲۹۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۱۳۱، ۱۳۲
 ۲۳۰۔ ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۹، ابواب المناقب: مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۹
 ۲۳۱۔ ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۹، ابواب المناقب: مستد امام احمد، ج ۳، ص ۱۳۵
 ۲۳۲۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۹۶: زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۳۵: السط الثمین، ص ۱۲۲: مستد امام احمد،

ج ۶، ص ۱۳۷

- ۲۳۳۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۳۳۷: ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۸۹، کتاب الادب، باب فی الغیۃ
 ۲۳۴۔ بخاری، ج ۱، ص ۴۳۷، کتاب الحج، باب حاضی المرأة بعد ما افاضت
 ۲۳۵۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۷۲، باب هل یخرج المعتکف لحوالجه الی باب المسجد: مسلم، ج ۲، ص ۲۱۶، کتاب السلام، باب انه یتستحب لمن رؤی خالیا بامراة: مستد امام احمد، ج ۶، ص ۲۳۷
 ۲۳۶۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۲۳۷
 ۲۳۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹
 ۲۳۸۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۴۶، واقعات ۵۰ھ
 ۲۳۹۔ سیرت حلبیہ، اردو، ج ۶، ص ۳۳۶: زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۳۶
 ۲۴۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۱۰: الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۳۹ بر حاشیہ الاصابہ
 ۲۴۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۴۶
 ۲۴۲۔ زرقانی، ج ۳، ص ۳۸۸: عیون الاثر، ج ۲، ص ۴۰۲
 ۲۴۳۔ ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۹۶، ۴۰۶
 ۲۴۴۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۴۰۷: السط الثمین، ص ۱۱۲-۱۱۵
 ۲۴۵۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۴۰۶: الاصابہ، ج ۴، ص ۴۱۲: سیرت ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۹۶
 ۲۴۶۔ معارف ادرسی، ج ۶، ص ۳۱۱
 ۲۴۷۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۴۰۵ بر حاشیہ الاصابہ
 ۲۴۸۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۲۳۹: البحر، ج ۱، ص ۸
 ۲۴۹۔ طبرانی کبیر، ج ۲۴، ص ۱۹: مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۹۵، حدیث نمبر ۱۵۳۶: مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۳۲
 ۲۵۰۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۳۳۱
 ۲۵۱۔ ایضاً، ص ۳۳۲
 ۲۵۲۔ ایضاً، ص ۳۳۳
 ۲۵۳۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۳۲: طبقات ابن سعد، ج ۸: الاصابہ، ج ۴، ص ۴۱۲
 ۲۵۴۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۳۳۲

۲۵۵۔ ایضاً

۲۵۶۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۹۲، حدیث نمبر ۱۵۳۶۲

۲۵۷۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۰۸، بر حاشیہ الاصابہ

۲۵۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۱۶

۲۵۹۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۵۵؛ شرح زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۶۱-۳۵۹

آل بیت ولادت

۱۔ مواہب اللدنیہ، شرح زرقانی، ج ۴، ص ۳۱۳

۲۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۱، بر حاشیہ الاصابہ

۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۸

۴۔ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۳؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۵۸

۵۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۲۶

۶۔ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۶

۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۳۳۳؛ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۸

۸۔ سنن بیہقی، ج ۹، ص ۹۵

۹۔ سنن بیہقی، ج ۹، ص ۹۵؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۳۶

۱۰۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۱۲۸، بر حاشیہ الاصابہ؛ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۹

۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۱

۱۲۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۳۹

۱۳۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۸

۱۴۔ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۶۶

۱۵۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۴

۱۶۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۴۱؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۸

۱۷۔ شرح مواہب اللدنیہ، جدید، ج ۴، ص ۳۲۳

۱۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۴۴۲

۱۹۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۰۴، بر حاشیہ الاصابہ، تذکرہ رقیۃ

۲۰۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۵۹

۲۱۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۷۰

۲۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۱

۲۳۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۸۲، بر حاشیہ الاصابہ

۲۴۔ شرح زرقانی، ج ۴، ص ۳۲۵

۲۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ تفسیر قرطبی، ج ۱۳، ص ۲۲۲

۲۶۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۶۱۲؛ البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۳۰۸

۲۷۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۳۶۲۰۰، حدیث

۲۸۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۷، کتاب النکاح، باب عرض الانسان ابنته او اخته علی اهل الخیر

۲۹۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۹

۳۰۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۰۷؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۳۱

۳۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۵

۳۲۔ ایضاً، ص ۲۸۶

۳۳۔ زرقانی، شرح مواہب جدید، ج ۴، ص ۳۲۶

۳۴۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۹

۳۵۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۹؛ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۹، حدیث نمبر ۳۲۸۱۶؛ ج ۱۳، ص ۴۳، حدیث نمبر ۳۶۲۰۰

۳۶۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۸، حدیث نمبر ۳۲۸۲۱؛ ج ۱۳، ص ۴۴، حدیث نمبر ۳۶۲۰۶

۳۷۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۸

۳۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ الاستیعاب، بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۱۲۸؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۶۱۲، ذکر أم کلثوم

۳۹۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۹۰، حدیث نمبر ۳۲۸۲۳

۴۰۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۶، حدیث نمبر ۳۲۸۰۰؛ ج ۱۳، ص ۵۸۸، حدیث ۳۲۸۱۴

۴۱۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۹۱، حدیث نمبر ۳۲۸۲۸

۴۲۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۴۳، حدیث نمبر ۳۶۲۰۱

- ۶۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۷۹، کتاب الجنائز، باب من یدخل قبر المرأة
 ۶۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۲؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷
 ۷۰۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۷۷ بر حاشیہ الاصابہ
 ۷۱۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۷۷، ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا
 ۷۲۔ لسان العرب، لفظ فطم، ج ۱۲، ص ۴۵۴
 ۷۳۔ اتحاف السائل بما لفاطمہ بن المناقب، اردو، ص ۲۵
 ۷۴۔ مواہب مع زرقانی، ج ۴، ص ۲۳۲
 ۷۵۔ شرح من زرقانی، ج ۴، ص ۲۳۲
 ۷۶۔ اتحاف السائل بما لفاطمہ بن المناقب، اردو، ص ۲۵
 ۷۷۔ مواہب مع زرقانی، ج ۴، ص ۳۳۳
 ۷۸۔ لاؤ لے رسول ﷺ کی چیت پیٹی، ص ۲۵
 ۷۹۔ القاموس الوحید، ص ۱۴۷
 ۸۰۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷
 ۸۱۔ لاؤ لے رسول ﷺ کی چیت پیٹی، ص ۲۵
 ۸۲۔ لسان العرب، ج ۵، ص ۳۳۲، عنوان ذکر
 ۸۳۔ مدارج، اردو، ج ۲، ص ۷۸
 ۸۴۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷
 ۸۵۔ زرقانی شرح مواہب، ج ۲، ص ۳۶۳-۳۵۷، ذکر تزویج علی بفاطمہ رضی اللہ عنہا
 ۸۶۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۲۰؛ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۳۳۲
 ۸۷۔ زرقانی علی المواہب، ج ۲، ص ۳۶۵
 ۸۸۔ کشف النعم، ج ۱، ص ۲۷۸-۲۸۳؛ جلاء العین، اردو، ج ۱، ص ۱۶۸-۱۶۹
 ۸۹۔ جلاء العین، اردو، ج ۱، ص ۱۷۳
 ۹۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۳، ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا
 ۹۱۔ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ
 ۹۲۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۲۱
 ۹۳۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷

- ۳۳۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۴۴
 ۳۴۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۳؛ حدیث نمبر ۳۶۲۲۶
 ۳۵۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۳
 ۳۶۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰
 ۳۷۔ ایضاً
 ۳۸۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۶؛ حدیث نمبر ۳۶۲۳۶
 ۳۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۸۷
 ۵۰۔ بخاری، ج ۲، ص ۸۲۸، کتاب الباس، باب الحریۃ النساء؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛
 الاصابہ، ج ۴، ص ۳۶۶
 ۵۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۲۱۶؛ البدایہ، ج ۵، ص ۳۹
 ۵۲۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۳۳
 ۵۳۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰؛ حدیث نمبر ۳۶۲۳۸
 ۵۴۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۱۷، ص ۱۸۳؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۶۱؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۷
 ۵۵۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۶؛ حدیث نمبر ۳۶۲۳۷
 ۵۶۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰، ۶۳
 ۵۷۔ معجم طبرانی کبیر اوسط، حدیث نمبر ۶۱۱۲؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۶۱؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۷۵
 ۵۸۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰؛ حدیث نمبر ۳۶۲۳۸
 ۵۹۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۴۴؛ زرقانی، ج ۴، ص ۳۲۷
 ۶۰۔ سنن ابن ماجہ
 ۶۱۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۶۷، کتاب الجنائز، باب غسل الميت و وضوء بالماء والسدر
 ۶۲۔ ایضاً
 ۶۳۔ زرقانی شرح مواہب جدیدہ، ج ۴، ص ۳۲۸
 ۶۴۔ فتح الباری، ج ۳، ص ۱۲۸، کتاب الجنائز، باب غسل الميت و وضوء بالماء والسدر
 ۶۵۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۸۰
 ۶۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۲۱۶
 ۶۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲

۹۴- زرقانی علی مواہب، ج ۲، ص ۳۵۷، تزویج قاطرہ، ج ۳، ص ۳۳۳، ذکر اولاد الکرام

۹۵- زرقانی علی مواہب، ج ۲، ص ۳۵۸

۹۶- فتاویٰ رحیمیہ، ج ۶، ص ۴۴۴-۴۴۵

۹۷- معارف الحدیث، ج ۸، ص ۳۳۹

۹۸- ایضاً

۹۹- مستدام احمد، ج ۱، ص ۱۰۲

۱۰۰- سنن نسائی، ج ۲، ص ۷۵، کتاب النکاح، باب جهاز الرجل ابنة

۱۰۱- طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۴

۱۰۲- ایضاً، ص ۲۵۵

۱۰۳- الاصابہ، ج ۳، ص ۳۷۹

۱۰۴- مواہب الدنیہ مع زرقانی، ج ۲، ص ۳۶۶

۱۰۵- زرقانی شرح مواہب، ج ۲، ص ۳۶۶

۱۰۶- طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۴؛ مواہب الدنیہ مع زرقانی، ج ۲، ص ۳۶۶

۱۰۷- مجمع طبرانی کبیر، ج ۲۲، ص ۳۱۰؛ مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۲۴۴؛ شفا قاضی عیاض، ج ۱، ص ۱۴۹

۱۰۸- مجمع طبرانی کبیر، ج ۲۲، ص ۳۱۰؛ مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۲۴۴؛ شفا قاضی عیاض، ج ۱، ص ۱۹۴

۱۰۹- بخاری، ج ۱، ص ۳۵۸، کتاب الہیہ، باب الاستعورہ للعروس عند البناء

۱۱۰- سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۲۳

۱۱۱- الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۷۷؛ حاشیہ الاصابہ؛ ذکر قاطرہ رضی اللہ عنہا

۱۱۲- حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۴۱، ذکر قاطرہ رضی اللہ عنہا؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۳۷

۱۱۳- تفسیر درمنثور، ج ۸، ص ۶۰۲، سورۃ نصر؛ بخاری، ج ۲، ص ۶۳۸

۱۱۴- بخاری، ج ۲، ص ۶۴۱

۱۱۵- ایضاً

۱۱۶- ایضاً

۱۱۷- اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۲۴؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۷

۱۱۸- طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۷؛ البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۳۳۳

۱۱۹- کنز العمال، طبع جدید حلب، ج ۱۲، ص ۵۱۵، حدیث نمبر ۳۵۶۷، فضائل الصحابہ فضل

الصديق؛ کنز العمال، طبع قدیم، ج ۶، ص ۳۱۸

۱۲۰- ریاض النضرۃ لمحب لطیوی، ج ۱، ص ۱۵۶، تحت وقات الفاطمہ

۱۲۱- طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۸، تحت ذکر قاطرہ بنت رسول ﷺ

۱۲۲- خلاصۃ الوقایہ، ص ۳۱۷

۱۲۳- البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۳۳۲؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۸۰

۱۲۴- خلاصۃ الوقایہ، ج ۳، ص ۹۰۱، ذکر قاطرہ بنت رسول ﷺ

۱۲۵- طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۷

۱۲۶- نسب قریش، ج ۲۴، تحت اولاد فاطمہ؛ المعارف ابن قتیبہ، ص ۶۲

۱۲۷- میرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۲۷؛ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۳

۱۲۸- تفسیر کشاف، ج ۳، ص ۸۰۷

۱۲۹- مستدام احمد، ج ۳، ص ۳۰۲، ص ۴۹۷

۱۳۰- طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۳

۱۳۱- طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۵؛ زرقانی، ج ۳، ص ۳۴۶-۳۴۷

۱۳۲- طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۵؛ زرقانی، ج ۳، ص ۳۴۸

۱۳۳- زرقانی، ج ۳، ص ۳۴۹

۱۳۴- بخاری، ج ۱، ص ۱۷۴؛ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۵

۱۳۵- طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۵-۶۶؛ زرقانی، ج ۳، ص ۳۵۱

۱۳۶- بخاری، ج ۱، ص ۴۵، کتاب الکسوف

شاہ کوئین کے نواسے، نواسیان

۱- اسد الغابہ، ج ۳، ص ۴۱؛ الاصابہ، ج ۲، ص ۵۲

۲- مجمع طبرانی کبیر، ج ۲۲، ص ۳۴۴؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۵۰

۳- الاصابہ، ج ۳، ص ۵۱۰؛ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۴۱

۴- بخاری، ج ۱، ص ۷۷، کتاب الصلوٰۃ، ج ۲، ص ۸۸۷، باب رحمت الولد

۵- الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۷۷؛ حاشیہ الاصابہ؛ تحت امامت العاص؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۴۵۴

۶- کتاب سلیم بن قیس الکوفی، ص ۲۲۶، بحوالہ بیات اربعہ، ص ۱۳۸

۳۲۸	۶
۷۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۴۵۴، تحت مغیرہ بن نوفل؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۰۷؛ الاستیعاب، ج ۴، ص ۲۴۶ بر حاشیہ الاصابہ	۱۴
۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۱؛ تحت ذکر رقیہ	۱۵
۹۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۳۰، کتاب المناقب، الحسن والحسین	۱۶
۱۰۔ فتوح البلدان بلا ذری، ذکر عطاء عمر بن خطاب	۱۸
۱۱۔ اخبار الطوال، ص ۱۵۵، بحوالہ سیر صحابہ، ج ۶، ص ۱۶	۹۹
۱۲۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۴	۱۰۰
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۶	۱۰۱
۱۴۔ بخاری، ج ۲، ص ۱۰۵۳، کتاب الفتن	۱۰۲
۱۵۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۳۰، کتاب المناقب	۳
۱۶۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۷۶	۴
۱۷۔ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۸	۱۰۵
۱۸۔ رحمت للعالمین، ج ۲، ص ۱۱۹-۱۲۰	۱۰۶
۱۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۴۶۲	۱۰۷
۲۰۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۴۹۰ بر حاشیہ الاصابہ	۱۰۸
۲۱۔ ایضاً	۱۰۹
۲۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۴۶۳	۱۱۰
۲۳۔ ایضاً، ص ۴۶۳	۱۱۱
۲۴۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ج ۲، ص ۱۰۰۳	۱۲
	۳
	۱۴
	۱۵
	۱۶
	۱۷
	۱۸
	۱۱۹

تذکرہ اہل بیت اطہار ﷺ

اللہ جل مجدہ نے جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خاندان کو دینی و دنیوی سیادت و قیادت سے سرفراز کیا، آپ ﷺ کے گھرانے کو بھی دنیا جہان کے گھرانوں میں افضل، معزز اور اشرف بنایا۔ زیر نظر کتاب میں معروف اصطلاح ”خاندان“ کے بجائے ”آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ اور ”اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ جیسی پاکیزہ اور ارفع نسبت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کے تناظر میں ”آل اور اہل بیت“ کے استعمال پر بحث کی گئی ہے۔ لفظ ”آل“ اپنے وسیع تر معنوں میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان، ازواجِ مطہرات، اولادِ اطہار، صحابہ کبار اور ہر پرہیزگار متقی امتی پر محیط ہے، جبکہ ”اہل بیت“ کی حقیقی اور اصلی مصداق حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہیں، اور انہی کی اولاد، یعنی چاروں صاحبزادیاں بھی ان کے ساتھ اس شرف میں برابر کی شریک و سہیم ہیں۔ اس ضمن میں علماء، مفسرین اور محدثین کی تصریحات بھی کتاب کا حصہ ہیں۔

Al-Fath Publications

◆ Rawalpindi, Pakistan

alfathpublications@gmail.com

+ 92 322 517 741 3

www.vprint.com.pk

US \$ 23.

Rs. 330.



9789699400032